Title - TAREEKH ADABIYAAT IRAN (Part-1).

Creator - Edward. G. Brown

Publisher - Anjuman Taraqqi Urdu (Delhi).

Date - 1939

Pages - 577.

Subjects - Tareekh Adab - Iran; Farsi Adab - Tareekh.

سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر (۵۶)

ترجمۂ

تاریخ ادبیات ایران

مصنفۂ

علامۂ روزگار پروفیسر ایڈورڈ براؤن مرحوم

مترجمہ

سید سجاد حسین صاحب ایم - اے، مددگار پروفیسر اردو

(جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

سنہ ۱۹۳۳ع

بہ اہتمام محمد صدیق حسن انجمن ترقی اردو
اورنگ آباد دکن کے مطبع میں چھپ کر شایع ہوا

پہلی دفعہ — ۱۰۰۰ جلد

قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ: غیر مجلد ۳ روپیہ

قواعد و ضوابط

جمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

سر پرست وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپے یک مشت یا
روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں —
کو تمام مطبوعات انجمن بلاقیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے
پیش کی جائیں گی)
معاون وہ ہوں گے جو ایک ہزار روپے یک مشت یا سالانہ
پے عطا فرمائیں گے ۔ (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو
مت دی جائیں گی)
رکن مدامی وہ ہوں گے جو ڈھائی سو روپے تک یک
عطا فرمائیں گے —
کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی)
رکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو
ت کی اجازت دیں گے کہ مطبوعات انجمن کی طبع ہوتے ہی
دریافت کئے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت
ھیج دی جائیں - (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس
صدی قیمت کم کرکے دی جائیں گی)
ہات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں
انجمن کی شاخیں یعنی اردو کتب خانے وہ ہیں جو
ن کو یک مشت دس روپے یا بارہ روپے سالانہ فیس
جمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی)

November 6. 1918.

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE.

Dear Sir,

Please accept my most sincere thanks for your kind letter of September 11 last. I need not say how great a pleasure and encouragement it is to me to find that my Literary History of Persia is so much appreciated in India. I am now engaged on a third volume of it extending from about A.D. 1260 – 1500, & this is now being printed here at the University Press, which I greatly ~~[illegible]~~ prefer, as I am able to give the original poems etc. in the

former character.

As regards your request for my permission to translate the 2 published volumes of my *Literary History* into Urdu, I personally should be delighted that this should be done, but legally I am afraid that my publisher, Mr Fisher Unwin, should be approached, as he has certain rights in the book, which is not therefore strictly under my control. In the case of the new volume or volumes I am taking care to keep all rights in my own hand, so that no permission will be required except

from myself. In the case of the two published volumes, I am not sure whether I alone have the power to give the permission you seek, though so far as I am concerned I should be delighted to know that my book was being made available for Indian readers.

I enclose lists of my own publications & of the "E. J. W. Gibb Memorial" publications, & if your Society has a reference library it would give me great pleasure to send them such of these publications as they

might think useful to them, as a gift.

I am,

Yours sincerely,

Edward G. Browne.

November 13. 1918.

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE

Dear Sir,

In continuation of my last Letter, written a few days ago, I have the pleasure to inform you that Mr Fisher Unwin, the Publisher of my *Literary History of Persia*, has most readily consented to your translating it into Urdu and publishing it. I need not say how glad I am that he has raised no objection

to this, as I appreciate very
highly the honour you do me
in wishing to set my book
in an Eastern dress before
a larger public. In all that
I have written I have thought
most of the East & especially
of Persia, and I feel so
strongly that there is more work
worth doing in Persian &
urgently needing to be done
than in almost any other
Eastern language that I

rejoice in any step calculated to arouse in it wider interest.

You will probably need the Persian & Arabic texts of some at least of the passages translated in these volumes, as some are taken from rare books which may not be accessible in India. In that case I shall be glad to do my best to supply them.

A third volume of the book, covering the period from Húlágú Khán to the rise of the Ṣafawí dynasty is being

[illegible]

printed here, and I have promised advance proofs to my pupil Maulavi Muhammad Shafí', Government of India Research Student here and a very fine scholar, who knows all about your Society and is deeply interested in its work.

I remain,

Yours very truly,

Edward G. Browne

تفصیل ابواب

صفحہ

باب اول

تفصیل ابواب — صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

باب دوم

تفصیل ابواب　　　　صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

تفصیل ابواب — صفحہ

باب سوم

تفصیل ابواب

تفصیل ابواب — صفحہ

چوتھا باب

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

باب پنجم

باب ششم

تفصیل ابواب	صفحہ

تفصیل ابواب — صفحہ

دیباچہ

اس کتاب کا ترجمہ عرصے سے کیا رکھا تھا لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ طبع سے پہلے کوئی صاحب نظر اسے بنظر اصلاح دیکھ لے - خصوصاً کتاب کا پہلا حصہ جس میں زبان کی تاریخ سے بحث ہے بہت کچھ اس کا محتاج تھا - میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم - اے، وائس پرنسپل اورینٹل کالج لاہور سے درخواست کی - صاحب موصوف نے پروفیسر براؤن مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور مسلم قابلیت کے شخص ہیں - انھوں نے از راہ عنایت میری درخواست کو قبول فرمایا اور نہایت احتیاط اور غور سے اس کی نظر ثانی فرمائی اور جابجا بہت معقول اور مناسب اصلاحیں فرمائیں - لیکن چار باب سے زیادہ نہ دیکھ سکے، اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور ان کو اتنی فرصت نہ تھی -

میں پروفیسر محمد شفیع صاحب کی اس توجہ اور

عنایت کا تہ دل سے ممنون ہوں - میں نے اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے رجوع کی لیکن کم فرصتی کی وجہ سے وہ اس دردسری کو اپنے ذمے نہ لے سکے بلکہ یہ کہہ کے ٹال دیا کہ بجائے اصلاح کے نیا ترجمہ کرانا زیادہ بہتر ہوگا - اصل بات یہ ہے کہ بقول پروفیسر محمد شفیع صاحب اس کتاب کے ترجمے کے لئے ذوق شعر کی ضرورت ہے - تا چار باقی ابواب کے پروف میں نے خود دیکھے اور جہاں تک ممکن ہوا اس کی اصلاح میں کوشش کی —

نفس کتاب کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں فارسی ادب کی تاریخ پر اس سے بہتر کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں - ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ بعض رایوں سے بعض صاحبوں کو اختلاف ہو یا اس میں کہیں کہیں غلطیاں بھی پائی جاتی ہوں، لیکن اس سے کتاب کی وقعت و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخ و تنقید کی اعلی پایہ کی کتابوں میں سے ہے - اردو میں ایسی کتابوں کے ترجمے کی شدید ضرورت ہے - کیونکہ فارسی اردو میں ایسی کتابوں کا وجود نہیں ؛ تذکرے البتہ ہیں سو ان کی حالت عجیب ہے - معلومات ناقص، حالات بہت کم اور وہ بھی بے سند، کلام پر رائے عجیب و غریب - مدح پر آئے تو تعریف کے پل باندھ دئے، قدم پر اترے

تو نسخہ لگا نہ چھوڑا - نہ ان کی مدح مدام ہے اور نہ قدح قدح - باقی رہیں دوسری باتیں مثلاً زبان کی نشو و نما ، خیالات کے انقلاب کے اسباب ، حکومت اور زمانے کا اثر ، اصول تنقید وغیرہ ، ان کی ہوا تک بھی نہیں لگی - " تاریخ ادبیات ایران " ہمارے لئے نمونے اور رہبری کا کام دے گی - اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ زبان کیونکر بنتی اور نشو و نما پاتی ہے ، کیا کیا تغیر رونما ہوتے ہیں اور اُن کے کیا اسباب ہوتے ہیں - ادب پر حکومت ، ماحول ، سوسائٹی اور دوسرے تاریخی حالات و انقلابات کا کیا اثر ہوتا ہے - ادیب کے کلام کی خصوصیتوں اور حسن و قبح کو کن اصول سے جانچا جاتا ہے علاوہ اس کے تحقیق زبان و لغت کے سیکڑوں نکات اس میں ایسے آگئے ہیں جو نہایت بصیرت افروز ہیں - غرض ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو ہمیں سیکھنی ہیں اور وہ ہم ایسی ہی بلند پایہ تصانیف سے سیکھ سکتے ہیں —

پروفیسر براؤن سچے عالم تھے - ساری عمر ان کی علم کی تلاش اور تحقیق میں بسر ہوی - یوں تو انھیں عام طور پر عالم اسلام سے ایک قسم کی الفت تھی اور عربی اور ترکی کے عالم تھے ، لیکن ایران اور ایرانیوں اور ان کی زبان سے ان کو عشق تھا - فارسی زبان کے وہ بڑے فاضل اور ماہر تھے - انھوں نے ہر موقع

پر اپنی قلم سے ' تقریر سے ' تدبیر سے ' دولت سے
ایران کی حمایت کی اور بعض اوقات اہل ایران کے
حقوق کی تائید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں -
ان کی تصانیف کا بہت بڑا حصہ ایران اور فارسی زبان
کے متعلق ہے اور تاریخ ادبیات ایران ان کی مہا تصنیف
ہے - اس طرح انھوں نے ایران کی بے بہا خدمت کی ہے
جب جہاں کہیں وہ ایران یا ایرانیوں کا ذکر کرتے ہیں
تو اُن کے ایک ایک لفظ سے محبت ٹپکتی ہے —

جن لوگوں کو پروفیسر مرحوم سے ملنے کا اتفاق ہوا
ہے وہ ان کے اخلاق ' فیاضی ' خوش بیانی اور علمی
انہماک اور شغف کے بیحد مداح ہیں- مولوی غلام یزدانی صاحب
ایم - اے ' ناظم محکمۂ آثار قدیمہ حیدر آباد دکن نے
پروفیسر مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر بغیر کسی مبالغے
کے بہت ہی خوبی اور سادگی سے بیان کیا ہے - وہ
پڑھنے کے قابل ہے اور یہاں ہم اُسے انھیں کے الفاظ
میں نقل کرتے ہیں —

ان کی عجیب شخصیت تھی - دیکھنے میں تو ذرا
سے آدمی تھے اور کوز پشتی کا عیب بھی موجود تھا
لیکن جب بات کرتے تھے تو چہرے سے کہاں ذہانت
ٹپکتی تھی - اور بذلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ منہ
سے پھول جھڑتے تھے - طبیعت میں انتہا کا انکسار اور
حلم تھا - اسی وجہ سے طالب علم اور آنے جانے والے ان

کا بہت وقت ضایع کرتے تھے - ایشیائیوں کے لئے مہمانی
کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا - میرے آنے کا حال
معلوم ہوا تو ڈاکٹر بدل الرحمن سے جو اُس وقت کیمبرج
میں تھے ، کہا کہ اُن کو سیدھا اسٹیشن سے میرے پاس
لے آنا - دو دن تک مہمانی رہی ، پر لطف باتیں
کرتے تھے - ان دنوں بیوی کی علالت کی وجہ سے ذرا
طبیعت میں انتشار تھا اور اپنی صحت کی خرابی کو
بھی محسوس کررہے تھے - مسودوں کے بستے دکھائے اور
کہا کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کرے - آنکھ میں
چونکہ بے حد لحاظ تھا ، اس لئے بعض اوقات چھپ چھپ
کر کام کرتے تھے —

ایران اور اہل ایران کے ساتھ حقیقی عشق تھا ۔
اپنے ملک کی نگاہ جب کبھی بدلی ہوی دیکھتے تھے ،
فوراً ایران کی بھلائی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے - اس
پر خلوص محبت اور شیفتگی کی وجہ سے سیاسی عہدہ
دار بھی اُن کا ادب کرتے تھے - سر ولزلے ہیگ ایک
قصہ سناتے تھے - وہ جب مشہد میں قونصل جنرل تھے ،
ایک شاعر کو ایرانی سلطنت نے غداری اور بغاوت کے
جرم میں قید کردیا - شاعر نے پروفیسر براؤن کو عرضی
لکھی اور مدد چاھی - ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ
فوراً سر ولزلے کو خط لکھا کہ جس طرح ممکن ہو شاعر
کو چھوڑا دو ، یہ سمجھو کہ براؤن کا بیٹا قید ہوگیا ھے

اور دستگیری کا وقت ہے ۔ سرولزلے کہتے تھے کہ شاعر کے جرم میں مطلق شبہہ نہ تھا۔ لیکن براؤن کی محبت کو دیکھ کر مجھے شاعر کو بغیر رہا کرائے بن نہ پڑی –

یہ محبت ہی تھی کہ اس فاضل نے ایران کی ادبیات کو اس خوبی سے سمجھا ہے - لیکن با وجود تبحر کے کبھی کسی قسم کی لن ترانی اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی - شبلی کی تالیف " شعر العجم " کے متعلق فرمانے لگے کہ " یہ ایسے وقت لکھی گئی ' جب میں اپنی کتاب بہت کچھ لکھ چکا تھا - اور چونکہ یہ اردو میں لکھی گئی اس لئے اس کے مطالعے میں مجھے بیحد دقت پیش آئی " – جب پروفیسر براؤن کے انکسار اور فضیلت کا مقابلہ ہندوستان کے علما کے مبلغ معلومات اور تعلی سے کیا جاتا ہے تو اِن حضرات کے حال پر تاسف ہوتا ہے اور ان کی تنگ مایگی پر غیر قوم والوں کے سامنے شرم آتی ہے "—

غرض پروفیسر مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے - ان کے اخلاق اُن کا علمی ذوق اور انہماک ' اُن کی سادگی اور ان کا استقلال اور محنت یہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل قدر ہیں —

انھوں نے جب " تاریخ ادبیات ایران " کے ترجمے کا تہیہ کیا تو میں نے ایک خط پروفیسر مرحوم کے نام لکھا اور ترجمے کی اجازت طلب کی - تو انھوں نے

میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ ذاتی طور
پر بہت خوش ہوں کہ اس کا ترجمہ اردو میں ہوجائے
لیکن اس میں مجھے شبہ ہے کہ قانونی طور پر میں
اس کی اجازت دے سکتا ہوں یا نہیں ۔ اس معاملے کا
تعلق میرے ناشر (پبلشر) سے ہے آپ ان سے مراسلت کیجئے ۔
اب ان کی عنایت اور شرافت کو ملاحظہ کیجئے کہ
اس سے قبل کہ میں صاحب مطبع کو لکھ کر اجازت
طلب کرتا اسی ہفتے ان کا دوسرا خط پہنچا کہ میں نے
اس بارے میں مسٹر فشر ان ون ناشر تاریخ ادبیات
ایران سے گفتگو کی ، انھوں نے بخوشی اردو ترجمے کی
منظوری دیدی ہے ۔ اس پر پروفیسر مرحوم نے مسرت کا
اظہار کیا کہ اس بارے میں ناشر کو کسی قسم کا اعتراض
نہیں ۔ یہ مرحوم کی ذاتی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ناشر
نے بغیر کسی معاوضے کے ترجمے کی اجازت دیدی ۔ یہ
دونوں خط بطور یادگار کے شایع کئے جاتے ہیں ۔ پہلے
خط میں انھوں نے اپنی تصانیف نیز وہ کتابیں جو ان
کی نگرانی میں طبع ہوئی ہیں ، ہدیتاً انجمن کو دینے
کے لئے لکھا ہے ۔ ان کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل علم اور
علمی انجمنوں کو اپنی یہ کتابیں مفت عنایت فرماتے
تھے ۔ یورپ کا کوئی دوسرا عالم اس قسم کی فیاضی کا
مرتکب نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے خط میں انھوں نے پروفیسر
محمد شفیع کا ذکر فرمایا ہے جو اس زمانے میں کیمبرج میں تھے"

عبدالحق

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

باب اول

تمہید

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، یہ تاریخ تو ہے لیکن اُن شاہی خاندانوں کی تاریخ نہیں ہے جنھوں نے ایران میں حکومت کی اور نہ اُن سلاطین کی جو ان خاندانوں میں پیدا ہوے، بلکہ یہ تاریخ ہے اہل ایران کی اور کمالات علمی اس کا نقطۂ

موضوع کتاب

خیال ہے، یا یوں کہئے کہ یہ کتاب ایک کوشش ہے ایرانیوں کی ذہنی خصوصیات کا نقشہ کھینچنے کی۔ ذہنی خصوصیات سے مراد ہے احساسات مذہبیہ، کیفیات دماغیہ اور جذبات لطیفہ، جو خود اہل ایران کی تصانیف میں اور اگر ان میں نہیں تو ان کی ہمسایہ اقوام کی کتابوں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب خالص فارسی ادب کی تاریخ نہیں ہے کیوں کہ ایک طرف تو اس کتاب کو اُن ادیبوں سے کوئی سروکار نہیں جنھوں نے اپنی تصنیفات میں گو فارسی زبان کو خیالات کا آلہ بنایا مگر خود ایرانی نژاد نہ تھے اور دوسری طرف اس میں اُن تصانیف سے بحث کی گئی ہے جو اگرچہ غیر زبان میں ہیں مگر ایرانیوں کی طبع زاد ہیں،

مثلاً اهل هندوستان نے فارسی زبان میں کثرت سے کتابیں لکھیں لیکن اس بناپر کہ وہ ایرانی دل و دماغ کا عکس نہیں ہم نے ان کو بالائے طاق رکھا ہے۔ اسی طرح مگر اس سے ذرا کم درجے پر ترکوں کے متعدد فرقوں نے اپنے خیالات کو فارسی کا لباس پہنایا مگر اُن کا فارسی علم و ادب بھی ہماری بحث سے خارج ہوگا - برخلاف اس کے اہل ایران اسلامی فتوحات کے آغاز یعنی کچھ اوپر بارہ سو برس سے اپنی مادری زبان کو تقریباً بُھلائے بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ عربی کو بعض علوم، بالخصوص فلسفہ اور دینیات میں استعمال کررہے ہیں - مزید برآں عربوں کے حملۂ اولیں کے بعد کامل دوصدی تک فاتحین کی عربی زبان ایرانیوں کی علمی زبان بنی رہی: البتہ وہ فرقہ جو ہنوز زرتشت کے قدیم اور قومی مذہب کا پابند تھا عربی سے اپنا دامن بچا تا رہا- ان دو صدیوں میں وقتاً فوقتاً جو ادب کہ بزبان عربی وجود میں آیا اس کو قلم اندازکرنا گویا ایرانی دماغ کی نہایت اہم جلوہ گری سے نظر بچا نا اور ایران کی فہیم و طباع قوم کے ذہنی کارناموں کا غلط اندازہ کرنا ہے —

لفظ پرشین (ایرانی) جس مفہوم کے ساتھ ہماری زبان، یونانی، شامی، اور اہل عرب وغیرہ کی زبان پر رہا وہ اس کے اصلی مفہوم سے کہیں وسیع ہے۔ 'پرشینز' (اہل ایران)

اپنے آپ کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران* کہتے ہیں۔ خطّہ پارسہ جو یونانیوں میں (پرسیس) اور اس وقت فارس† کہلاتا ہے ایران کے متعدد صوبوں میں سے صرف ایک صوبے کا نام ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس صوبے کا ایرانی نام فارس خود ملک اور اہل ملک

---

* ایران "اے ران" جو اوستا میں بشکل "اے ریانہ" ملتا ہے اے ری انز ("اری یا" "اے ریا" اوستا میں اور سنسکرت میں آریا") کا ملک ہے اور اس کا مفہوم لفظ "پرشیا" کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔ پرشیا معنوں کے لحاظ سے لفظ "ایران" کے صرف موجودہ معنوں کے برابر ہے۔ قدیم معنی کے اعتبار سے ایران میں ہن بکتریا (بلخ) سغدیانہ (سغد) اور خوارزم بھی شامل تھا اور کرد و افغان قومیں ایرانی کہلاتی تھیں۔

† عربی زبان میں پ کی آواز بالکل مفقود ہے اور پ کا کام ف سے لیا جاتا ہے۔ چناں چہ فارس، اصفہان وغیرہ پارس اور اسپہان سے معرب کر لئے گئے ہیں۔ اسم صفت "فارسی" (یا پارسی) سے ایران کی سرکاری زبان مراد ہے (ساتھ میں یہ ایران کے ایک بڑے حصے کی اسی طرح مادری اور قومی زبان ہے جس طرح انگریزی برطانیہ اور آئرلینڈ کے باشندوں کی ہے) اور اس لحاظ سے "فارسی" لفظ "ایرانی" کے مساوی ہے۔ لیکن اگر صفت "فارسی" شخص کے ساتھ استعمال کی جائے تو اس کے معنے صوبہ فارس کا باشندہ ہوں گے۔ ہندوستان میں پارسی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایران کے قدیم یا زرتشت مذہب کا پیرو ہو اور اس نئے مفہوم کے ساتھ یہ لفظ ہندوستان سے ایران واپس پہنچا۔ بعض یوروپین مصنف فارس کو فارستان کہا کرتے ہیں۔ یہ ترکیب غلط ہے کیوں کہ استان (= جگہ، مقام) صرف کسی قوم کے نام کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے، جس سے اس قوم کے ملک کا نام نکل آتا ہے، مثلاً افغان سے افغانستان بلوچ سے بلوچستان۔ قوم کی جگہ ملک یا صوبے کے ساتھ استان کا اجتماع بے معنی ہے۔

لفظ پرشین کے اصلی معنی

پر جن کو ہم پرشین کہتے ہیں اطلاق پانے لگا - اس کا سبب یہ ہے کہ اس صوبے کی خاک سے دو مشہور خاندان پیدا ہوئے' ایک تو چھٹی صدی قبل مسیح میں جس کا نام ہخامنشی (اے کی می نی آن) تھا' اور دوسرا (ساسانی) حضرت عیسیٰ کے تین سو برس بعد—

یہ دونوں خاندان بڑے زبردست تھے - ممالک یورپ میں ان کے نام کی دھوم اور ان کے اسلحہ کی دھاک تھی- ایران میں ایک صوبے کا نام پورے ملک اور اہل ملک کا نام اسی طرح ہوگیا جس طرح انگلستان میں فرقۂ اینگل کے نام پر جس کی تعداد سیکسن لوگوں سے کم تھی' ملک کا نام انگلینڈ رکھا گیا اور وہ تمام معانی وجود میں آگئے جن پر لفظ انگلش دلالت کرتا ہے- ہمکو معلوم ہے کہ اینگل ' سیکسن اور جوٹ ' تین فرقوں کی آمیزش سے انگلستان میں ایک قوم بنی یعنی انگریز اور صوبجات نارتھم بریا ' مرسیا اور وسے سیکس کی تین زبانوں سے مل کر ایک زبان پیدا ہوئی یعنی انگریزی - بس اسی طرح ایران میں بھی اضلاع پارتھیا' میڈیا اور فارس کے باشندے جب رفتہ رفتہ آپس میں شیرو شکر ہوئے تو ایرانی پیدا ہوئے اور جب ان تینوں کی ملتی جلتی بولیاں باہم پیوستہ ہوئیں تو فارسی زبان عالم ظہور

---

* اسٹرابو - ۷۲۳ - اسٹرابو ایک مشہور یونانی مورخ سیاح اور جغرافیہ نویس تھا - سنہ ۶۳ ق م میں پیدا ہوا اور سنہ ۲۴ ع میں فوت ہوا -

میں آئی - چنانچہ جس زمانہ میں استریبو * ہوا ہے تو ملک کی زبان تقریباً ایک ہو چکی تھی —

اس حساب سے جدید فارسی یعنی فارس کی زبان اس زبان کی اولاد ہے جسے دارا اور سائی رس بولتے تھے اور جس میں ان بادشاہوں کے حکم سے بے ہی ستون

دور ہخامنشی کی زبان

(موجودہ بے ستون) اور نقش رستم کی چٹانوں استخر کے شاہی ایوانات کی دیواروں اور ستونوں پر اعلانات کندہ کئے گئے تھے -

ہخامنشی مسند آراؤں کے یہ کتبے (جنہوں نے سنہ ۵۵۰ قم سے سنہ ۳۳۰ قم تک حکومت کی اور جن کے تاجدار دارائے آخر کو سکندر اعظم نے شکست دیکر سلطنت ایران کو تہ وبالا کیا) تعداد میں اس قدر کافی اور پڑھنے میں اس قدر صاف ہیں کہ ہم بآسانی پتہ لگا سکتے ہیں کہ ایران کی زبان آج سے چوبیس سو برس پہلے کیا تھی —

فارسی زبان کے کتبوں کا سلسلہ چونکہ نہایت ہی قدیم زمانے سے شروع ہوتا ہے اس لئے بد قسمتی سے وہ مسلسل نہیں

فارسی کتبات کا سلسلہ ٹوٹتا ہوا ہے

ہے - ہخامنشی عہد سے اسوقت تک کے کتبات کو اٹھا کر دیکھیں تو ان کا تار دو جگہ ٹوٹتا ہوا ملیگا - یہ دونوں

موقعے وہ ہیں جبکہ بیرونی حملوں نے ایرانی تاج کے جواہر نوچ کر پھینک دئے اور ایرانیوں کو حاکم سے محکوم بنا دیا - پہلا مقام جہاں کتبوں کا سلسلہ شکستہ ہے سکندر اعظم کی یورش سے شروع ہوتا ہے اور پانچسو برس

(ملوک طوائف) کے زوال پر، جس کا باعث خاندان ساسان تھا ختم ہوتا ہے - ٹوٹتے ہوے سروں کے درمیان تقریباً پانسو پچاس برس کا فرق ہے یعنی تین سو تیس قم سے لیکر دو سو چھبیس عیسوی تک - دوسرا مقام جہاں یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا ہے عربوں کا حملہ اور مسلمانوں کی فتح ایران ہے جس نے ساسانی خاندان کو نیست و نابود اور دین زرتشت کو پا مال کر دیا - گو کہ ایران میں عربوں کا قیام کم زمانہ تک رہا مگر انہوں نے خود اہل ایران، ان کے خیالات، اور ان کی زبان پر جس قدر گہرا اور پائدار اثر ڈالا وہ یونانی اثر سے کہیں زیادہ ہے - چنانچہ نولدیکی کا قول ہے کہ

"یونان کا اثر ایرانی معاشرت کی صرف سطح پر لوٹتا رہا، بر خلاف اس کے اسلام کا کلمۂ توحید اور عربوں کے طور طریقے ایران کی رگ و پے میں اتر گئے"

دیگر واقعات بالخصوص خسرو پرویز کے عہد میں سنہ ۶۰۴ - سنہ ۶۱۰ ع) جنگ ذوقار اگرچہ ایران میں فتوحات عرب کا پیش خیمہ تھی مگر دراصل یہ فتوحات (سنہ ۶۳۵ - ۶۳۶ ع میں) بویب اور قادسیہ کے معرکوں سے شروع ہوتی ہیں اور ساسانی خاندان کے آخری تاجدار یزد گرد سوم کی وفات کے ساتھ، جو ۶۵۱ یا ۶۵۲ سنہ عیسوی میں واقع ہوی، تکمیل کو پہنچتی ہیں - یہ کہ دور عربی ایران پر کبتک چھایا رہا صحیح صحیح تو نہیں بتایا جا سکتا، ہاں [illegible] طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۲۵۸ ع تک سانس

لیتا رہا جب کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو کی سر کردگی میں مغلوں نے بغداد کو تاراج اور خلافت عباسیہ کے آخری سریر آرا مستعصم باللہ کو قتل کیا - لیکن عربوں کی حقیقی طاقت سنہ ۱۲۵۸ع سے کہیں پہلے ایرانی اور ترک باجگذار اُمراء کے ہاتھوں میں جاچکی تھی - خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا، اس کی حکومت اور وہ بھی صرف مذہبی لحاظ سے نواح بغداد تک محدود تھی - اُمراء اکثر تو اس کو ایک قیدی یا ہستیء معدوم سمجھتے تھے لیکن ضرورتاً کبھی کبھی منت سماجت سے اس کو منا لیا کرتے تھے - الغرض اِدھر تو ایران کے صوبے خلیفہ کے ہاتھ سے نکلے اور مقامی امراء کے خاندانوں نے علم خود مختاری اٹھایا اور اُدھر فارسی زبان نے عربی زبان کی حکومت کا جوا اُتار کر پھینکدیا - اِن خاندانوں میں بعض اوقات سب سے پہلا خاندان طاہریہ (۸۲۰ ع) شمار کیا جاتا ہے - لیکن صحیح طور پر دیکھا جائے تو سب سے پہلے سنہ ۸۶۷ع میں خاندان صفاریہ نے اپنے آپ کو آزاد کیا، اس کے بعد سنہ ۹۰۳ع میں سامانیہ نے؛ پھر سنہ ۹۳۲ع میں بویہ اور سب کے بعد فرمانروایان غزنویہ اور سلجوقیہ نے، جن کے عہد میں مطلق العنانی اور آزادی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی - واقعات بالا کے لحاظ سے فارسی زبان کو تین دوروں میں جو ایک دوسرے سے صاف طور پر علحدہ ہیں، تقسیم کر سکتے ہیں، وہ دور یہ ہیں:—

فارسی کی عہد بعہد ترقی	(۱) دور ھخامنشی (سنہ ۵۵۰-۳۳۰ ق م) - اس دور کے صرف پیکانی کتبے باقی ہیں جن پر احکامات و اعلانات سلطانی کندہ ہیں - یہ کتبے اگرچہ

طویل‌العبارت ہیں مگر رسم‌الخط اور طرز بیان میں یکساں اور ۴۰۰ الفاظ پر مشتمل ہیں * - خالص ان کتبوں کی زبان بالعموم فارسیء قدیم کہلاتی ہے †

فارسیء قدیم

(۲) دور ساسانی (سنہ ۲۲۶–۶۵۲ع) اس عہد کی زبان کا پتہ دو طریق پر لگا یا گیا ہے ' ایک تو کتبوں سے جو آثار قدیمہ اور یاد گاروں پر کندہ ہیں ' تھغوں سے ' مہر کے نگینوں سے ' جواہرات اور سکوں سے - دوسرے ان مرقومات سے جو حجم میں کم و بیش عہد عتیق ‡ کے برابر ہونگے - یہ مرقومات

---

* دیکھو دارمشتیٹر کی کتاب " ایرانی علوم " جلد اول صفحہ ۷ -

† ان کتبات کی بہترین ایڈیشن دوہیں -- ایک کو 'کاسووچ' نے (سینٹ پیٹرزبرگ سنہ ۱۸۷۲ع اور دوسرے کو 'اشپیگل' نے (لیپ زگ سنہ ۱۸۶۲ع میں) شایع کیا ہے - اول الذکر میں متن دو طرح پر دیا گیا ہے ' اصلی ایرانی میخی حروف میں بھی اور رومن میں بھی اور ترجمہ لاطینی زبان میں ہے - آخرالذکر میں کتبوں کو صرف جرمن حروف میں نقل کردیا ہے اور ان کا ترجمہ بھی جرمن میں ہے

‡ دیکھو ویسٹ کی کتاب "پہلوی ادب اور اس کی مقدار پہلوی زبان اور اس کا زمانہ صفحہ ۳۰۲" اسی مصنف کی دوسری تصنیف ادبیات پہلوی کا ما اور مسٹر مدل حال گائیگر اور کہن کی تصنیف "اساس لسانیات ایران" جلد دوم صفحہ ۷۵ سے ۱۲۹ تک میں ملیگا - ویسٹ نے پہلوی ادب کے تین حصے کئے ہیں - پہلا حصہ اوستا کے بعض اجزاء کے ترجمہ پر مشتمل ہے جس کے (۱۳۱۰۰۰) الفاظ ہیں - دوسرا مباحثات مذہبیہ پر جس کی تعداد الفاظ ۱۳۶۰۰۰ ہے اور تیسرا غیر مذہبی موضوعات پر جس کے الفاظ (۱۴۱۰۰۰) ہیں - کل الفاظ کی میزان تقریباً (۴۲۸۰۰۰) ہوتی ہے

فارسیء متوسط یا پہلوی | قریب قریب خالصاً زرتشتی ہیں، مبحث ان کا مذہب اور آداب عبادت ہے، ان کی زبان کو فارسیء جدید کی فقط ایک انتہا درجہ قدیم صورت سمجھنا چاہئے، بشرطیکہ اِدھر جدید فارسی کو عربی الفاظ و تراکیب سے خالی کردیا جائے، اُدھر ہزواریش یا زوارش نام کے عجیب و غریب رسم الخط سے الگ کرلیا جائے- اس کو پہلوی یا بعض وقت فارسیء متوسط کے نام سے پکارتے ہیں - غور سے دیکھیں تو لفظ پہلوی بہ نسبت زبان کے طرز کتابت پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے، لیکن رواج عام کی تقلید میں ان کتابوں کی زبان کو ہم بھی لفظ پہلوی کو ساسانی دور کی سرکاری زبان کے معنوں میں استعمال کرینگے - یہ پہلوی خط عربوں کی فتح ایران کے بعد ایک صدی سے زیادہ تک ابتدائی خلفا نیز طبرستان کے خود مختار حاکموں (سپاہپت یا اسپہبد) کے سکوں میں رائج رہا، پھر کم از کم اور ایک صدی تک ایران کے زرتشتی اسی زبان میں کتابیں لکھتے رہے، لیکن آخری تصنیف جو اس زبان میں ہوئی اس کا سن نویں* صدی عیسوی سے آگے نہیں

---

* ویسٹ کا خیال ہے کہ دتن کرت، بندہشن، بہبی مگوپت + ، نامک نویں صدی عیسوی میں تالیف ہوئی تھوں یعنی کاتبون صفحہ-۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۷)اور اوستا کے تراجم میں کر پہلوی کے تین ذکر آیا ہے اس کی رائے میں محال تھا کہ ان
نے بھی چھٹی صدی عیسوی کے بعد ؟

" ابحاث ایرانیہ " جلد دوم صفحہ ۹۹ میں یوں میں جو کسان کہتا ہے کہ بہمن یشت کی تدوین سنہ میں ایک قسم کا بگڑا ہوا

بڑھتا - بہر کیف عملاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلوی کو متروک ہوے ایک ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے —

فارسی جدید

(۳) دور اسلامی (از سنہ ۹۰۰ع تا ایندم) - جس وقت ہم فارسیء جدید کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ فارسی ہوتی ہے جو عربوں کی فتح ایران اور اکثر ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد ملک میں دو بارہ رائج ہوئی - آخری زمانے کی پہلوی اور ابتدائی زمانے کی جدید فارسی میں عربی الفاظ کے علاوہ جو آخرالذکر میں پاے جاتے ہیں' اگر کوئی فرق ہے تو صرف خط کا ہے اور ایران میں اس دور انقلاب' یعنی نویں صدی عیسوی میں تبدیل خط کا باعث مذہب ہوا - مشرق میں آج تک یہ عجیب دستور چلا آتا ہے کہ مذہب کے ساتھ زبان کو اتنا وابستہ نہیں سمجھتے جتنا کہ حروف یا طرز تحریر کو - شام کے عیسائیوں کو دیکھو کہ زبان تو اُن کی عربی ہے لیکن اپنی تحریروں کو لکھتے ہیں سریانی حروف میں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں - یہ خط "کرشونی" کہلاتا ہے اور اس میں جو هیں' اُن کی تعداد کثیر ہے - یہی حال ترکی

مقدمہ ۹)

- گُجستک اَبالش ایک دلچسپ کتاب ہے'
، فے سنہ ۱۸۸۷ع میں بعنام پہرس ترجمہ
کتاب میں ایک پارسی دستور اور ابالش
" جو خلیفہ مامون کے (سنہ ۸۱۳ سے سنہ
س سے ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر یہ کتاب
کی تصنیف نہیں ہو سکتی —

بولنے والے یونانیوں اور آرمینیوں کا ہے کہ اُن کی مادری
زبان تو ترکی ہے لیکن جب وہ ترکی لکھتے ہیں تو یونانی
اور آرمینی حروف میں - اسی طرح ایران کے یہودي جن کی
فارسی تصنیفات کثرت سے ہیں لیکن تحریرات میں عبرانی
حروف سے کام لیتے ہیں - برخلاف اِن کے، اسپین کے وہ مور جو
عربی کو صفحۂ ذہن سے بالکل مٹا چکے تھے ہسپانوی زبان کے
رسالوں کو عربی حروف میں لکھتے تھے* - مگر ایشیائی نگاہ
میں پہلوی خط کو تعلیم زرتشت سے جو تعلق تھا وہ اس سے
کہیں زیادہ تھا جو عربی حروف اور دین اسلام کے درمیان
قایم کر لیا گیا تھا اور جب کوئی زرتشتی داخل اسلام ہوتا
تو وہ عموماً پہلوی خط کو ہمیشہ کے لئے خیرباد
کہدیتا - نہ صرف اِس سبب سے کہ پہلوی

ترک پہلوی کے اسباب

رسم‌الخط حد درجہ مشکل و مبہم تھا بلکہ اس سے کفر کی
بو آتی تھی - اس کے سوا جس زمانے میں پہلوی حروف تحریر
میں استعمال ہوتے تھے تو غالباً عام لوگ نوشت و خواند کے
زیور سے محروم تھے - لکھنا پڑھنا صرف مذہبی مگوپت†،
دستوبر‡ (مقتدایان مذہب) اور پیشہ ور دبیرون یعنی کاتبون
کے قبضے میں تھا - دستبرد زمانہ سے بچ کر پہلوی کے تین

* کہتے ہیں کہ البُخَرّاز پہاڑ کی وادیوں میں جو کسان
آباد ہیں، وہ آج تک اپنے عشقیہ خطوط میں ایک قسم کا بگڑا ہوا
عربی خط استعمال کرتے ہیں —

† مغ ‡ و دستور

افسانے یا تاریخی ناول جو بجنسہ ہم تک پہنچے ہیں * - ان میں سے ایک کا نام کارنامک ارتخشیر پاپکان ا ہے یعنی اردشیر ابن پاپک کے کارناموں کی کتاب ہے جو ساسانی خاندان کا بانی تھا - اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اردشیر اعلی تعلیم کے قابل ہوا تو اُس نے کتابت' شہسواری اور دیگر کمالات میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ فارس کے طول و عرض میں اُس کے نام کی شہرت ہوگئی - فاضل طبری ! کی

---

* دیگر تالیفات میں ایک تو "کتاب زریر" ہے اور دوسری "قصہ خسرو کوادان اور اس کا خواص" - اول الذکر دو گائگر نے "روئداد جلسہ شعبہ فلسفیہ لسانیہ و تاریخیہ" بابت ۱۸۹۰ع میں ترجمہ کیا ہے اور نویلدکی نے اس پر "جمیعۃ المشرقیہ (جرمنہ)" جلد ۴۶ صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۵ (۱۸۹۲) میں تنقید کی ہے' نیز دیکھو "وائناک رائل اکاڈیمی کی روئداد جلسہ شعبہ فلسفہ تاریخیہ" جلد ۱۲۶ صفحہ ۱ - ۱۲ میں نویلدکی کا مضمون —

ا پروفیسر نویلدکی نے جرمنی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے پروفیسر بین فے کے خطاب ڈاکٹر کے پچاسویں سال کی تکمیل کے موقع پر اس کو "مضامین علم السنہ هند و جرمنی" جلد چہارم کے علاوہ ایک مستقل رسالہ (گاٹنجین ۱۸۷۹) کی شکل میں بھی شایع کیا ہے - ہمارا حوالہ اسی رسالہ (صفحہ ۳۸' ۳۹ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ اول الذکر) سے متعلق ہے - پہلوی کا متن اصل اور رومن حروف میں مع ترجمہ گجراتی مرتبہ کیقباد آذرباد نوشیروان ۱۸۹۶ میں بمقام بمبئی طبع ہوا ہے —

! دیکھو انسائیکلو پیڈیا کی نہم ایڈیشن اس میں طبری (اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر متوطن آمل علاقۂ طبرستان' سن ولادت عیسوی ۸۳۹ سن وفات عیسوی ۹۲۳) پر ایک نفیس مضمون موجود ہے - طبری کی ایک ضخیم اور افضل تاریخ کو لیدن کے پروفیسر

(بقیہ بر صفحۂ آیندہ)

تاریخ میں بھی اردشیر کے بیٹے اور جانشین شاپور کا حال پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "درر پہلوی" میں کتابت کا سیکھنا کس قدر مشکل تھا۔ طبری لکھتا ہے "جب شاپور اُس مقام پر پہنچا جہاں وہ شہر "جندے ساپور" کی بنیاد ڈالنا چھتا تھا تو اُس کو "بیل" نامی اک پیر مرد ملا۔ شاپور نے اُس سے پوچھا: "کیا میں اس مقام پر شہر آباد کرسکتا ہوں؟" پیر مرد نے کہا: "اگر میں اس بڑھاپے میں لکھنا سیکھ سکتا ہوں تو تجھ کو بھی اجازت ہے کہ یہاں شہر آباد کرلے"۔ اس کا مطلب جیسا کہ نولدکی نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ بڑھاپے میں کتابت کا سیکھنا اور اس جگہ نئے شہر کی بنا ڈالنا دونوں باتیں نا ممکن ہیں (گو کہ بالآخر اُس بڈھے کا خیال غلط نکلا)۔ مختصر یہ کہ پہلوی خط اس قدر مشکل تھا کہ ایک فرانسیسی کی مشہور تعریف نطق "کہ گویائی اخفائے خیالات کا ایک فن ہے" اُس پر خوب منطبق ہوتی ہے۔ حقیقتاً اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ وہ زبان کا ایک عجیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲)

ڈے خویہ اور دیگر ممتاز ماہران عربی نے چھپوا کر ایک مہتم بالشان کام کو انجام دیا ہے۔ علوم مشرقیہ کا یہ ایک تازہ اور زبردست کارنامہ ہے۔ تاریخ طبری کے اوس حصے کو جسمیں دور ساسانی سے بحث کی گئی ہے، پروفیسر نولدکی نے جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۸۷۹ع میں بمقام لیڈن شائع کرادیا ہے۔ ترجمے کے ساتھ مترجم نے نہایت قیمتی مقدمہ بھی لکھا ہے۔ مشکل مقامات کی تشریح بھی دی ہے اور ضمیمہ بھی۔ اس ترجمے کا نام "تاریخ اہل ایران و عرب بعہد حکومت سلاطین ساسانیہ" ہے۔ اس کے صفحہ ۴۱ میں شاپور کا قصہ تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

گورکھہ دھندا تھا۔ اگر اس کو حمایت مذھب، دستور قدیم اور کٹ ملائی استبداد سے محروم کر دیا جاتا تو اُس کے قیام میں اتنا ثبات نہ تھا کہ عربی کے سہل القراءت اور آسان حروف کا مقابلہ کر کے اپنا وجود قایم رکھہ سکتا، خصوصاً جب کہ ایک مسلمان کو عربی حروف سے واقف ہونا لازمی تھا۔ بایں ھمہ یہ ھمیشہ یاد رکھنا چاھئے کہ پہلوی زبان کی خصوصیت، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، صرف رسم الخط کی خصوصیت تھی - ورنہ نویں صدی عیسوی میں اگر ایک پارسی دستور کسی پہلوی کتاب کو بآواز بلند اپنے ہم عصر مسلم ایرانی کو پڑھکر سناتا تو وہ اُس کو تمام و کمال سمجھہ لیتا، یا اگر دستور کے پڑھتے پڑھتے مسلمان اُس کو عربی حروف میں لکھتا جاتا تو اِس کی قدیم ترین صورت ہوتی، البتہ عربی الفاظ اس میں نہ ہوتے - فی الحقیقت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے، ساسانی دور سے لیکر اب تک فارسی زبان میں اس درجہ معمولی تغیرات ہوئے ہیں کہ اگر آج کل کسی تعلیم یافتہ ایرانی کو دفعۃً چودہ یا پندرہ صدی پیچھے لےجانا ممکن ہوتا تو غالباً وہ بہت کچھہ سمجھہ لیتا کہ اُس کے اھل وطن کیا باتیں کر رہے ہیں - بخلاف اس کے فارسیٔ قدیم اور پہلوی میں عظیم الشان فرق ہے - اردشیر جو ساسانی عہد کا اول بادشاہ تھا، اور اپنے کمالات کے باعث "فارس کے طول و عرض میں بڑی شہرت رکھتا تھا" الٹے پاؤں سفر کرکے چھہ صدی پیچھے ھٹتا اور ھخامنشی درباروں میں جا پہنچتا تو اس کی سمجھہ میں ایک حرف نہ آتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

ادبیات جدید کی تاریخ آغاز پردۂ حجاب میں ہے' اُس کا نہ کوئی دن معین کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی سن - غالباً

جدید فارسی ادب کا آغاز

نو مسلم ایرانیوں میں عربی حروف کا رواج تو فتوحات عرب کے بعد ہی' یعنی آٹھویں صدی میں ہوگیا تھا - اس کی ابتدا اس طرح سے ہوئی ہوگی کہ نو مسلم ایرانی اپنی یاد داشتیں عربی حروف میں ٹانک لیا کرتے ہوں گے' اُس کے بعد شعائر اسلام پرچھوٹے چھوٹے رسالے مرتب کئے گئے ہوں گے" متقدمین ادبائے عرب کے صفحوں میں جا بجا

فارسی نثر

فارسی اقوال اور مختصر بیانات ملتے ہیں' جن سے کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے آخری اور مسلمانوں کے شروع زمانے کی قطعاً وہی فارسی ہے جو ادبیات جدید کے ابتدائی مرقومات میں نظر آتی ہے" - کتابوں کے سب سے قدیم نمونے جو اب تک معلوم ہوسکے ہیں' یہ ہیں :—

(۱) [فارسی ترجمۂ تاریخ طبری] اس کو وزیر بلعمی نے سنہ ۹۶۳ع میں اپنے فرماں روا منصور اول سامانی کے لئے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا —

(۲) [کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ] از ابو منصور موفق بن علی ہروی - یہ کتاب بھی عربی علوم منصور اول کے واسطے لکھی گئی تھی - اس کا ایک نایاب قلمی نسخہ' جو سنہ ۱۰۵۵ عیسوی میں لکھا گیا تھا اور وائنا میں موجود ہے' سنہ ۱۸۵۹ع میں زیلگ مان نے اس کو نہایت خوبصورت طور پر چھپوایا ہے =

(٣) [تفسیر القرآن جلد دوم *] یہ کتاب بھی تقریباً اُسی زمانے کی تصنیف ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اُس کا نسخہ موجود ہے (نمبر ایم ایم ١٥١٤)۔ اہل نظر نے عام طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ عربی کی مانند فارسی میں بھی نظم کا ظہور نثر سے پہلے ہوا۔ ایک روایت جس کو متعدد عجمی تذکرہ نویسوں، مثلاً دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے

فارسی نظم

یہ کہتی ہے کہ بہرام گور ساسانی (٤٢٠-٤٣٨ع) اور اُس کی معشوقہ دل آرام † دونوں نے مل کر فارسی کا پہلا شعر ایجاد کیا۔ ایک دوسری روایت سے جو بارھویں صدی کے اہل قلم ابو طاہر خاتونی کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے، پہلا شعر وہ ثابت ہوتا ہے جو خسرو پرویز (٥٩٠-٦٢٨ع) کی محبوبہ شیرین کے محل قصر شیرین کی دیواروں پر کندہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی میں عضدالدولہ بویہ کے عہد میں بھی وہ صاف صاف پڑھا جاسکتا تھا ‡۔ ایک اور روایت ہے کہ فارسی نظم کی پہلی تصنیف وامق و عذرا کی دل آویز

---

* دیکھو ہمارا مضمون "فارسی میں ایک پرانی تفسیر" جو سنہ ١٨٩٤ع ٥ جولائی کے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ١٧ ٥٢٤-٤ میں ملیگا، نیز کیمبرج یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات صفحہ ١٣ سے ٣٧ تک جو راقم نے مرتب کی ہے —

† دیکھو دولت شاہ مرتبہ راقم صفحہ ٢٨-٢٩ نیز بلاک مین کی کتاب موسومہ "ایرانیوں کا علم عروض" صفحہ ٢ اور ڈارمسٹیٹر کی "فارسی نظم کی ابتدا" کا صفحہ اول۔

‡ کازیمیرسکی کا مرتبہ دیوان منوچہری (سنہ ١٨٨٦ع مطبوعۂ پیرس) کے صفحہ ٧ اور تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ٢٩ —

داستان ہے - داناشاہان عجم نے نوشیرواں (۵۳۱ - ۵۷۹ ع) کے لئے اس کو لکھا اور اُس کے نام سے معنون کیا تھا - جب یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر المتوفی سنہ ۸۴۴ ع / کے سامنے پیش کی گئی تو امیر نے حکم دیا کہ اُسے تلف کردیا جاے اور کہا ایک سچے مسلمان کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں' یہ تصنیف کسی آتش پرست کی ہے اور ہمارے نزدیک مردود ہے* - یہ بحث یہاں بھی ختم نہیں ہوتی ' دولت شاہ ایک اور قصہ بیان کرتا ہے کہ سلسلۂ صفاریہ سنہ ۸۶۸ - سنہ ۸۷۸) کے بانی† یعقوب ابن لیث صفار کا ایک کمسن بچہ تھا' وہ ایک دن جوز بازی میں مصروف تھا کہ جوش مسرت میں کچھ کلمات اُس کے منھہ سے نکلے جو موزوں تھے - بعض اسی کو فارسی شاعری کی بنیاد سمجھتے ہیں محمد عوفی (۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ ع) اِن تمام روایتوں کو غلط ٹھیراتا ہے اور اپنی کتاب تذکرۃ الشعراء‡

---

* کازیمیرسکی صفحہ ۶ ۷ اور دولت شاہ صفحہ ۳۰ - شایع کردہ کازیمیرسکی —

† ملاحظہ ہو شاگرں کے "قصاید منوچہری" مطبوعۂ پریس سنہ ۱۸۸۶ صفحہ ۷ - ۸ اور دولت شاہ مرتبۂ راقم صفحہ ۳۰ - ۳۱ —

‡ یعنی "لباب الالباب" جو ایک بالکل نا یاب کتاب ہے ' جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کے صرف دو نسخے ملتے ہیں' جن میں ایک (اسپرنگر ۳'۱۸ ' فہرست پ ش نمبر ۶۳۷) کتب خانۂ برلن میں موجود ہے اور دوسرا لارڈ کرافورڈ اور بل کیرس کے قبضے میں تھا ' اِن دونوں صاحبوں کی فیاضی سے دوسرا نسخہ جو دُر بے بہا ہے ہمارے پاس آگیا ہے اور ہم اِس فکر میں ہیں کہ اُسے " تاریخی متون فارسی " کے سلسلے میں شائع کریں -

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

میں جو باعتبار قدامت سب سے پہلا تذکرہ ہے، لکھتا ہے:
کہ عباس، مروزی کا قصیدہ فارسی کی سب سے پہلی نظم ہے۔
یہ قصیدہ مامون رشید کی شان میں کہا گیا تھا، جب کہ وہ
سنہ ۸۰۹ ع میں مرو میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ عوفی اس
نظم کی چند ابیات بھی نقل کرتا ہے۔ گو کہ بعض
مسلّم الثبوت ٭ اہل فن عوفی کے قول کو ایک تاریخی واقعے
پر مبنی سمجھتے ہیں، مگر بعض لوگ† اِس پر شبہ کی نگاہ ڈالتے
ہیں اور ہمارے نزدیک اُن کا شبہ بجا ہے۔ بلا خوف اب
جو کچھ کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ خراسان میں فارسی
ادب، بالخصوص فارسی نظم کو دسویں صدی کے نصف اوّل
اور خاصکر سامانی شہزادے نصر دوم (۹۱۳ - ۹۴۲ ع) کے
عہد حکومت میں بہت کچھ فروغ ہو چکا تھا۔ یہ مدت
تقریباً ایک ہزار سال پر پھیلتی ہے۔ اس عرصے میں فارسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)

یہ نسخہ پہلے جون بارڈ ایلیٹ کی ملکیت تھا۔ اُس سے
نے تھے نی ال بلینڈ نے مستعار لیکر کتاب کے عنوانات اور حد
موضوع کو جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۴۶ ، جلد نہم
صفحہ ۱۱۱ - ۱۲۶ میں بیان کیا، نیز دیکھو "فہرست کتبخانہائے
شاہ اودھ" مرتبۂ اسپرنگر صفحہ ۱ - ۹ —

٭ مثلاً دیکھو ڈاکٹر ایتھے کا مضمون "رودکی کے پیشرو اور
معاصر" (جو مجلہ تحقیقات شرقیہ سنہ ۱۸۷۳ میں شائع ہوا تھا)
نیز دیکھو مضمون "ادبیات جدید فارسی" جو کتاب "فارسی
زبان کی اصلیت" ڈائیگرو کہن جلد دوم صفحہ ۲۱۸ میں
شامل ہے —

† مثلاً کازی میرزا کا دیوان "مطبوعہ" صفحہ ۸ - ۹ —

زبان پر تبدیلی کا رنگ اس قدر ھلکا چڑھا کہ آج رودکی
کا کلام ایک ایرانی کے لئے ایسا ھی آسان ھے، جیسا کہ شکسپیر
کا ایک انگریز کے لئے - باقی شعر کی ابتدا پر مدعیان ادب
نے جو کچھہ خیال آفرینی کی ھے وہ تنقید پر ایک افسانہ
بن کر رہ جاتی ھے اور بے وقعتی میں اُس کا مرتبہ وھی
ھے، جو طبری (متوفی سنہ ۹۲۳ ع) اور مسعودی (متوفی
سنہ ۹۵۷ ع) جیسے محتاط مورّخین کے اِس خیال کا کہ دنیا
کی سب سے پہلی نظم جناب آدمؑ کا مرثیہ ھے، جو انھوں نے
ھابیل کے قتل پر بزبان سریانی موزوں کیا تھا - ان حضرات
نے اپنی اپنی تصنیفات میں اِس مرثیہ کا منظوم * ترجمہ
بھی دے ڈالا ھے : —

تغیرت البلاد و من علیہا
و وجہ الارض مغبّر قبیح
تغیر کُل ذي طعم و لون
و قل بشاشة الوجه الملیح
فوا اسفی علی ھابیل ابنی
قتیل قد تضمنه الضریح
وجاورنا عدو لیس ینسی
لعین لا یموت فنستریح

---

* دیکھو تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۳۶ - مروج الذھب
مسعودی (مرتبۂ بارلی ایر دے می نارد) جلد اول صفحۂ ۶۵ -
۶۷ قصص الانبیا ثعلبی (مطبوعۂ قاھرہ سنہ ۱۳۰۹ ھ) صفحہ
۲۹ - ۳۰ اور دولت شاہ (مرتبہ براؤن) صفحہ ۲۰

"دنیا اور دنیا کی سب چیزیں بدل گئیں زمین کی سطح پر خاک اڑتی ہے اور اسپر افسردگی چھاگئی چیزوں کا مزہ اور رنگ پھیکا پڑگیا اور اِس خوبصورت چہرے کی خوبیاں مٹ گئیں- پیارے بیٹے ھابیل کی موت پر افسوس وہ نہ رہا، قتل ھوا اور زمین کا پیوند ھوگیا - وہ نا ھنجار درگاہ ایزدی سے مردود اور ھمارا پڑوسی ھے نہ تو ھمیں اسے بھول سکتے ھیں، نہ وہ مرتا ھے کہ ھم کو چین آئے"-

جب ابلیس نے یہ سنا تو تڑپ کر جواب دیا :—

تنح عن البلاد و ساکنیھا

ففی الفردوس ضاق بک الفسیح

و کنت زوجک الحواء فیھا

و آدم من اذی الدنیا مریح

فما زالت مکائدتی و مکری

الی أن فاتک الثمن الربیح

فلولا رحمة الرحمن اضحی

بکفک من جنان الخلد ریح

(مسعودی، دولت شاہ)

"دنیا اور اھل دنیا سے دور بھاگ، میں نے تجھہ کو بہشت سے نکالا، جہاں تو اور تیری بیوی حوا آرام سے مقیم تھے، تیرا دل بھک گیا تھا، تونے دنیا کے آلام کی پروا نہ کی اور میرے دام میں آگیا - میں نے تجھہ سے وہ گوھر نایاب چھین لیا، جس پر تجھہ کو ناز تھا - خدا کی رحمت نے تم کو بچا لیا

ورنہ باغ خلد کی بجائے تم باد بدست ہوتے"

مقالات بالا سے قطع نظر کر کے ہم ایک اور روایت کی طرف آتے ہیں - عجب نہیں کہ فارسی نظم کی ابتدا پراِس سے کچھہ روشنی پڑے ' یہ روایت‌بار بد ترانہ گوکی بابت اوراِس لائق ہے کہ اُس پر متانت کے ساتھہ غور کیا جاے- اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی عہد میں فارسی نظم وجود میں آچکی تھی - روایت بار بدی کو ہم دو سبب سے اہم سمجھتے ہیں' ایک تو یہ کہ اُس کا ذکر معتبر قدما* نے پے درپے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ بار بد کا نام

باربد مطرب ساسانی سنہ ۵۹۰- ۶۲۷ ع

---

* عربی تصانیف میں بہلبد کا قدیم ترین حوالہ راقم نے خالد بن فیاض (قریب ۷۱۸ ع) کی ایک نظم میں دیکھا ہے' جسے ہمدانی' یا قوت اور قزوینی نے نقل کیا ہے اور جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۹۹ ع صفحۂ ۵۹ - ۶۰ میں ترجمہ ہوا ہے' اُس کا کم و بیش حال ذیل کے ارباب قلم نے لکھا ہے:-

(۱) ابن قتیبہ (المتوفی ۸۸۹ع) عیون الاخبار (نسخۂ موجودۂ ایشیاٹک میوزیم سینٹ پیٹرس برگ نمبر ۴۹۱)—

(۲) جاحظ (متوفی ۸۶۹ع) کتاب الحیوان (نسخۂ موجودۂ کیمبرج ڈبل کیو ۲۲۴)—

(۳) ہمدانی (صاحب کتاب البلدان) (قریب ۹۰۳ ع) مرتبۂ ڈ خویہ (صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹) —

(۴) جو غالباً بیہقی ہے مصنف کتاب المحاسن والاضداد (قریب ۹۲۵ع) (مرتبۂ فان فلوٹن صفحہ ۳۶۳-۳۶۴) طبع مصر سنہ ۱۳۲۴ ' صفحہ ۲۳۶) —

(۵) ابن عبد ربہ (متوفی ۹۴۰ع) جلد اول صفحہ ۱۹۴ یا دوسرے اڈیشن کا ص ۱۸۸

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

عربی اور فارسی میں جس فرق کے ساتھ لکھا ہوا ملتا ہے، اُس کی توجیہ اِس کے سوا مشکل ہے ہو سکتی ہے کہ اِسی نام کی عربی اور فارسی دونوں صورتیں پہلوی صورت سے منقول ہیں۔ روایت یوں ہے کہ خسرو پرویز ساسانی (سنہ ۵۹۰ - سنہ ۶۲۷ ع) کے ارباب کمال میں اک مطرب تھا، جس کو ایرانی بار بد اور عرب بہلبذ، بلہبذ یا فہلبذ لکھتے ہیں۔ عربی کی پہلی اور تیسری صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کی اصل صورت پہلپت پیدا ہوگئی۔ بہلبذ اور بار بد کو عربی میں لکھیں تو دونوں لفظ الگ معلوم ہوتے ہیں، لیکن پہلوی خط میں لکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

(۶) ابو فرج اصفہانی (متوفی ۹۵۷ ع) کتاب الاغانی۔ طبع ثانی جلد ۵ صفحہ ۵۴) —

(۷) یاقوت (متوفی ۱۲۲۹ع) جلد سوم صفحہ ۲۵۰ وغیرہ —

(۸) قزوینی (متوفی ۱۲۸۳ع) آثار البلاد (صفحات ۱۵۴، ۱۵۵—۲۳۰—۲۳۱—۲۹۵—۲۹۷) —

فارسی لکھنے والے اہل قلم میں اِن صاحبوں نے بہلبذ کا ذکر کیا ہے: —

(۹) شریف مجلدی (تاریخ مشتبہ، مذکور چہار مقالہ نظامی عروضی، سمرقندی —

(۱۰) فردوسی (المتوفی قریب ۴۱۵ ھ) شاہنامہ —

(۱۱) نظامی گنجوی (المتوفی قریب ۱۲۰۳ ع) خسرو و شیریں —

(۱۲) نظامی عروضی سمر قندی (متوفی قریب ۱۱۶۰ع) —

(۱۳) محمد عوفی (قریب ۱۲۲۸ ع) —

(۱۴) حمداللہ المستوفی قزوینی (قریب ۱۳۳۰ع) تاریخ گزیدہ —

اس کے بعد والے نوٹ میں ہم نے جس مضمون کا نام درج کیا ہے اُس میں حوالہ جات بالا میں سے اکثر منقول ہیں۔ ان کی طرف ہماری توجہ بیرن فان روزن (سینٹ پیٹرز برگ) نے مبذول کی، جس کے لئے ہم صاحب موصوف کے ممنون ہیں۔

تو دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ ہے گا ' کیوں کہ پہلوی میں
اول تو (الف) اور (ہ) اِن دونوں کی آوازوں کے لئے ایک ہی حرف
ہے اور دوسرے (ر) اور ل) کے لئے بھی دو مختلف حروف نہیں
ہیں - پہلوی حروف تہجّی نے اِن دو آوازوں میں کوئی امتیاز
نہیں رکھا ' اس لئے (بار بد) کو پہلوی میں بار بد) بھی پڑھ
سکتے ہیں اور (بہلبد) بھی - پس فارسی بار بد اور عربی بہلبد
کا باہمی فرق (یعنی باربد میں جہاں (ا - ر) ہے وہاں بہلبد
میں ہ ' ل ' ہے) ایک زبردست ثبوت ہے کہ فارسی اور عربی کی
دونوں صورتوں کا اصل ماخذ پہلوی لفظ ہے ' جو فارسی و عربی
میں دو مختلف ہیئتیں اختیار کرلیتا ہے - اب یہ کہدینے میں
کوئی دشواری نہ ہوگی کہ عربی اور فارسی میں بار بد کی بابت
جتنی روایتیں درج ہیں ' وہ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ہیں '
بلکہ وہ ہم کو پیچھے دھکیل کر کسی ایسی پُرانی کتاب کی
طرف لے جاتی ہیں جو یا تو خود پہلوی میں ' یا زمانۂ تصنیف
کے لحاظ سے دور پہلوی کی تصنیف ہوگی - اس بار بد
(سہولت کے لئے ہم نے اس نام کی موجودہ فارسی صورت
اختیار کرلی ہے مگر جہاں عربی کا حوالہ آئیگا وہاں عربی
صورت درج کرینگے) اور رودکی میں جیسا کہ ہم کسی اور
مقام پر دکھا چکے ہیں ' اِس قدر مشا بہت * پائی جاتی ہے

* ہمارا مضمون جو سنہ ۱۸۹۹ع میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی
کے جنوری نمبر میں چھپا تھا اُس کو صفحہ ۳۷ - ۶۹ میں
دیکھو - یہ مضمون ذیل کے عنوانات پر تھا - "دولت شاہ کے ماخذ"
" ایران کی تاریخ ادبیات کے لئے کیا کیا مواد موجود ہے " - اور " باربد
" رودکی پر ایک نظر " -

کہ خیال کو حیرت ہوتی ہے - رودکی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں گزرا ہے اور تخت سامانیہ سے وابستہ تھا - طبقۂ قدیم کے ایک شاعر شریف مجلدی گرگانی نے بھی اِن دونوں کا ایک ساتھہ ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے : —

ازاں چندیں نعیم جاودانی
کہ ماند از آل ساسان و آل سامان
ثنائے رودکی ماند است و مدحش
نوائے باربد ماند است و دستان

"خاندان ساسان اور آل سامان نے جس قدر یادگاریں چھوڑیں، اُن میں سے آج کے دن کچھہ بھی باقی نہ رہا، مگر رودکی کے قصیدے اور باربد کے ترانے اور افسانے -"

رودکی کے حالات زندگی، متعدد تذکروں میں ملتے ہیں اور ہر ایک تذکرے میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ رودکی کا مہتاز ترین کار نامہ وہ ترانہ ہے، جس کو اُس نے امیر نصر بن احمد سامانی کے سامنے برجستہ موزوں کیا اور رھبیں گا کر سنایا - اِس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ امیر نصر چار سال سے ہرات اور اُس کے گرد و نواح میں پڑا ہوا شادابی ملک کے مزے لوٹ رہا تھا اور اپنے وطن بخارا کو واپس جانے کا نام تک نہ لیتا تھا - رودکی سے سپاہ نے انعام کے وعدے پر فرمائش کی کہ وہ بادشاہ کو چلنے پر اُبھارے - اشعار کی سادگی اور عدم حسن و ترصیع پر ہر ایک نقاد سخن کی نظر پڑی ہے - بعض تو (جیسے نظامی، عروضی، سمرقندی)

اِن کو قابل ستائش کہتے ہیں اور بعض لائق مذمت اور حیرت کرتے ہیں کہ اِس قدر سادے اور پھیکے الفاظ نے امیر پر کس طرح جادو کر دیا - فی الحقیقت یہ ترانہ ایک سادہ گیت ہے: اُس کو اُس نظم سے کوئی نسبت نہیں، جس کا انداز بیان تصنع آمیز ہوتا تھا اور اسلامی علوم کے انحطاط کے زمانے میں جس کو دولت شاہ نے دیکھا تھا، سرمایۂ کمال سمجھا جاتا تھا - چنانچہ دولت شاہ ناراض ہوتا ہے کہ "اگر سلاطین اور اُمراء کے دربار میں رودکی کے انداز پر کوئی نظم سنائیے تو چاروں طرف سے نفرین کی بوچھاڑ ہو جائیے"- اِس میں شک نہیں کہ سادگیٔ سخن میں رودکی نے اپنی خوش الحانی اور کمال موسیقی سے بڑی گرمی پھونکدی ہوگی - نظم یہ ہے: —

بوئے جوئے مولیان آید همی	یاد یار مہر بان آید همے
ریگ آموی و درشتیہائی او	پائے مارا پرنیان آید همے
آب جیحون باشگر فیہائے او	خنگ شہ رااتاعناں آید همے
اے بخارا شاد باش و شادزی	شاہ نزدت شاد مان آید همے
شاہ ماہ ست و بخارا آسمان	ماہ سوے آسمان آید همے
شاہ سروست و بخارا بوستان	سرو سوئے بوستان آید همے

نظامی عروضی جو اس روایت پر سب سے قدیم سند ہے، بیان کرتا ہے کہ "جب رود کی آخری شعر پر پہنچا تو امیر سامان کا تخیل بھڑک اُٹھا، وہ تخت سے فوراً اُتر پڑا، پہرے والے کا گھوڑا لیا اور گھوڑے کو اس زور سے بخارا کی جانب دوڑایا کہ خدام دو فرسنگ (یعنی برونہ) تک اُس کے موزے

ہاتھہ میں لئے دوڑتے رہے- بروتہ پر امیر سوزے پہلکر پھر چلا اور بخارا پہنچکر دم لیا - رود گی کو سپاہ نے بجائے پانچ ہزار معہودہ کے دس ہزار دینار انعام میں دیے " —

یہ روایت بتاتی ہے کہ رودگی نہ صرف شاعر تھا بلکہ حاضر گو، بربط نواز اور ڈراساز بھی تھا - ایران میں اس قماش کے قوال آج تک موجود ہیں جو شاعری بھی کرتے ہیں اور گاتے بجاتے بھی ہیں - کوئی بزم عیش ایسی نہیں ہوتی جہاں ان کی " تصانیف " یعنی واقعات حاضرہ کے مخصوص ترانوں سے کان محظوظ نہ ہوتے ہوں- رودگی، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ایام سامانی کے اُس بار بد یا بہلبد سے بھی مشابہ ہے جس کی شخصیت پردۂ قدامت میں دھندلی سی نظر آتی ہے - بار بد اُن اصحاب عشرہ میں تھا جو خسرو پرویز کے دربار سے متعلق اور بخیال اہل عجم اپنے اپنے فن میں ید طولی رکھتے تھے - اس کا اصل کمال یہ تھا کہ جب پرویز سے کوئی بات کہنی ہوتی، جس کو خشم سلطانی کے خوف سے زبان پر لاتے ہوے درباریوں کي روح کانپتی تھی تو بار بد اُس کو بڑے حسن کے ساتھہ گیت کے پردے میں بادشاہ کو سنا جاتا - چناں چہ روایت ہے کہ پرویز کا ایک گھوڑا تھا شبدیز نام، حسین و ذہین، بادشاہ کو اُس سے محبت نہ تھی، عشق تھا اور اُس نے عہد کیا تھا کہ جو شخص مجھے اُس کی موت کی خبر سنائیگا اُس کا سر قلم کردوں گا - اتفاق سے گھوڑا مر گیا میر اسپ بہلبد کے پاس آیا اور اُس سے بصد التجا کہا کہ وہ اس خبر کو بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے - بادشاہ نے راگ

بھی استعمال ہوا - مثلاً ماہ کوفہ، ماہ بصرہ، ماہ نہاوند*—

تاریخ میڈیا کے ماخذ

شومی بخت سے ایرانیوں کے برعکس اہل میڈیا نے اپنے کارناموں کا کوئی قلمبند سرمایہ نہ چھوڑا - اس لئے اُن کی بابت جو کچھ بھی لکھا جائے گا اُس کا دار و مدار دوسری قوموں کی تاریخ پر ہوگا، بالخصوص آسوری، یہودی اور یونانیوں کی تاریخ پر جن کو اس قوم کا علم بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ—

آسوری حوالہ

تگلت پلاسر (قریب سنہ ۱۱۰۰ قم) کے ایک کتبے میں درج ہے کہ میڈیا کا پایہ تخت ہمدان (امدانہ) ایک مستحکم شہر† تھا - اس کا ذکر حضرت عیسیٰ سے نوسو سال پیشتر کے ایک اور کتبے میں بھی آیا ہے، سلمناسر سرجون (سنہ ۷۳۱ - سنہ ۷۱۳ قم) بھی ایک مقام پر فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے دور و دراز میڈیا میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا - سرجون کا جا نشین سنحریب اور اُس کے علاوہ ایسرحدون (سنہ ۶۸۰ - سنہ ۶۶۹ قم) بھی میڈیا کا ذکر کرتا ہے—

یہودی حوالہ

۲ سلاطین ۱۷ - ۶ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوسیع (سنہ ۷۲۲ قم) کے فہم

---

* مگر ۱۷۰۰ عیسوی میں ماہ اور فارسی مادہ کا ایک لفظ ہونا ثابت ہوچکا تھا - اس تحقیقات کا شرف وہیلاک کے شاگرد اور کیمبرج کے مشہور عالم ڈاکٹر ہائڈ کو حاصل ہوا، جو بعد میں اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عبرانی معلم لاڈین پروفیسر عربی اور بوڈلین لائبریری کا مہتمم ہوگیا تھا— دیکھو "تاریخ مذہب" مرتبہ ۱۷۶۰ صفحہ ۳۲۳ -

† ایشی کل ایران قدیم کے حالات ج دوم ص ۲۳۶—

سن جلوس میں تاجدار آسوری نے شہر سمروں پر قبضہ کیا اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ملک میں لے گیا - وہاں پہنچکر اُن کو دریائے جوزان کے کنارے خلخ اور خابور میں اور میڈیا کے شہروں میں بسایا - اس واقعے کا اعادہ سلاطین کے باب ۱۸ آیت ۱۱ میں + بھی کیا گیا ہے —)

یونانی حوالہ
هروڈوٹس-ٹی سیاز

یونان کے تین مشہور تاریخ نگاروں میں جو اِس دور کے خاص ماخذ ہیں، سب سے پہلے ہرو ڈوٹس کا ذکر کرنا چاہئے ' کیونکہ اول تو پیکانی کتبوں سے اُس کی صحت نگاری کی شہادت ملتی ہے ' دوسرے اِس وقت صرف اُسی کی تاریخ پوری موجود ہے - ہرو ڈوٹس کے بعد ٹی سیاز کا نمبر ہے' جو پانچویں صدی قبل مسیح میں موجود اور اردےشیرثانی من کا حکیم تھا - اُس کا بیان ہے کہ میری معلومات کا ماخذ ایران کی خاص سرکاری تحریریں ہیں - اِس بیان سے کم از کم یہ سراغ لگ جاتا ہے کہ ایرانی دربار میں اِس قسم کی تاریخی مرقومات موجود تھیں' جن کا حوالہ کتاب آستر باب ۶ آیت ۱ میں بھی آیا ہے کہ بادشاہ آخسویرس کی نیند اچاٹ ہوگئی تھی اور اُس نے شاہی تاریخ ناموں کو منگواکر (باب ۲ آیت ۲۳) بگتانا اور ترش کی سازش کا حال اپنے روبرو قلمبند کرایا - سازش آخسویرس کے قتل کے لئے کی گئی تھی' لیکن اِسے مردکی نے طشت ازبام کردیا تھا - ٹی سیاز کی

+ لوبلڈ کے "تاریخ ایران" پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷ء صفحہ ۵) —

تاریخ پر یہ الزام لگاے جاتے ہیں کہ وہ ایرانی نوشتوں کو اچھی طرح سمجھتا نہ تھا یا وہ سمجھتا تھا لیکن اُس نے دیدہ و دانستہ اُن کو بدلدیا یا یہ کہ وہ خود محرف اور غلط تھے - (تحریف و غلط بیانی کی نظیریں موجودہ زمانے میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے وہ قرین قیاس ہوسکتی ہے) اِن میں سے خواہ کوئی خیال صحیح ہو اور کوئی غلط لیکن اس کی تاریخ کی نسبت عام بے اعتباری پھیلی ہوئی ہے اور وہ ہے بھی ٹکڑے ٹکڑے، جو مورخین متاخر مثلاً فوتی اس (۸۲۰-۸۹۱ع) کی کتاب میں ملتے ہیں —

بروسس | تیسرا بروسس ہے جو ایک کلدانی کاہن تھا- اس نے سکندر اور اُس کے قریبی جانشینوں کا زمانہ دیکھا تھا - شام کے فرمانروا انطیاخس کے ایماء سے اُس نے اپنے ملک کے حالات یونانی زبان میں ترجمہ کیے تھے - مگر اُس کا ترجمہ بھی پارہ پارہ ہوگیا - جو کچھہ بچا اُس کو حضرت عیسیٰ ع کے ایک صدی پہلے کے تاریخ نگاروں "پولی ہستور" اور "اپولوتورس" نے اپنے ہاں نقل کیا اور اُن سے "یوسی بی اس" اور "یسن کی لس" تک پہنچا —

دیوکسیز | ہروتوتس کے بیان کے مطابق سب سے پہلی قوم جس نے ۵۲۰ برس محکوم رہنے کے بعد آسوری تاج سے آزادی حاصل کی وہ اہل میڈیا تھے - یہ واقعہ سنہ ۷۰۰ق‌م کا ہے - اِس کے ایک یا دو سال بعد "دیوکسیز" نے جو "ہروتوتس" کی ترتیب کے مطابق اول کے چار میں پہلا بادشاہ ہے، میڈوی تاج سر پر رکھا - سنہ ۷۱۵ ق‌م کے ایک آسوری بیان میں ہے کہ

"ایک شخص دیکّو (= ڈیوکسیز) اسیر کرلیا گیا تھا اور سنہ ۷۱۳ ق م میں آسور کے بادشاہ سرگون نے ڈیوکسیز کی مملکت پر تسلط کیا"۔ سنہ ۷۳۶ ق م فر اور تیز (فر اورتیش، قدیم کتبات عجم میں) جا نشین تخت ہوا۔ اُس نے اپنے ملک میڈیا کو قبضے میں کیا اور سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ اہل فارس پر بھی چھا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۲۵ ق م میں سیاکرزیز (ہوخشترہ) تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے شاہ بابل کے ساتھ ملکر سنہ ۶۰۷ ق م میں نینوا کو تاراج کیا اور لیڈیا پر بھی حملہ کر دیا، مگر دوران جنگ میں دفعتہً اُس سال ۲۸ مئی کو کامل سورج گرہن واقع ہوا اور محاربین نے یہ سمجھکر کہ گرہن خدا کی علامت ناراضگی ہے سنہ ۵۸۹ ق م میں باہم صلح کرلی۔ غالباً اسی سال سیاکر زیز دنیا سے رخصت اور اِس کے بعد اِس کا بیٹا ایستیاجیز تخت آرا ہوا جسے سنہ ۵۵۰ ق م میں ہخامنشی سائی رس نے بے تاج و تخت کردیا، اور عنان سلطنت اہل میڈیا یعنی مغربی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر جنوبی ایرانیوں یعنی اہل فارس کے قبضے میں آ گئی لیکن یہاں فتوحات میڈوی سے ہمیں چنداں بحث نہیں، ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان کیا تھی اور اُن کا مذہب کیا تھا؟ کیونکہ ہمارے موجودہ زاویۂ نظر سے یہی مسائل اصل مسائل ہیں۔ اس بارے میں جس رائے نے آج کل زیادہ زور پکڑ رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ (اس ملک کے باشندے ایرانیوں میں سے تھے اور اُن کی زبان بھی ایک ایرانی زبان تھی جو فارسی قدیم سے بہت ملتی جلتی تھی۔ راقم الحروف کو بھی اِس سے ایک گونہ اتفاق

اہل میڈیا کی زبان

ہے - ڈویلاڈکے بھی یہی کہتا ہے)اور دولت میڈیا سے بحث کرتے کرتے جب وہ اپنی تقریر کو ختم کرتا ہے تو یہ کہہ کہہ کر کہ*:-

" جب ہمدان کے گرد و نواح کو اچھی طرح دیکھا جائیگا یا زمین کو کھود کر اُس کے دفینوں کی پڑتال کی جائیگی تو شاید اس قدیم زمانے کے قیمتی آثار ھاتھ لگ جائیں اور اگر کہیں سلاطین میڈیا کے سکّے نکل آے تو کیا بات ہے - میرا ذہن گواہی دیتا ہے کہ اُن سکوّں کی زبان اور خط دونوں شاھان فارس کی زبان اور خط کے مانند ہوں گے"۔

ڈارمشٹیٹر جسکی راے پر مفصل تنقید ہم آیندہ کریں گےوہ ڈویلاڈکے کے بیان پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ اس سے چند قدم آگے بڑہ کر اعلان کرتا ہے(کہ (آوستا) کی زبان جو عام طور سے ژند کہلاتی ہے " میڈیا کی زبان یامیڈوی زبان" ہے')اپنے خیال کا ثبوت پیش کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ† :-

---

* تاریخ فارسی پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷) صفحہ ۱۲-

† دیکھو " ایرانی علوم" از ڈار مشٹیٹر جلد اول صفحہ ۱۲ و ۱۳' ایم ڈے ھارلسیز (" زبان اوستا ...... ۱۸۸۲ ...... اور مطالعۂ مذھب اوستا مزدین کا مقدمہ ۱۸۸۱ صفحہ ۳۵ وغیرہ") بھی اس راے کا موئد ہے اور لکھتا ہے: " ہمارا خیال ہے' ہم نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اوستا میڈیا سے منسوب ہونی چاھئے اور اس کی زبان مجوسیوں سے' لیکن چونکہ یہ امر ھنوز مسلمہ نہیں اس لئے پارسیوں کی طرح ہمیں بھی چاھئے کہ (اوستا کی زبان کے لئے) لفظ "اوستائی" جو ہر ایک غلطی سے پاک ہے برابر استعمال کرتے رہیں - اسی طرح" قدیم باختری ' کے مقابلے میں " ژند " قابل ترجیح ہے' کیونکہ یہ لفظ عام طور پر مروج ہے اور اس کے استعمال میں تعصب و نفرت کی گنجائش نہیں —

"پارسی روایات اور خود آوستا کے بیانات، جنکی تائیدخارجی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے، دین زرتشت کے مرکز اور اُس کے نمو و ترقی کا مقام میڈیا میں یا تو (آذر بائیجان) یا (رے) بتا تے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے (آذر بائیجان) کو مرکز قرار دینا صحت سے قریب تر ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں سے دین زرتشت اُٹھا تھا اور مغرب سے مشرق کی جانب پھیلا - بہر کیف اس مذہب کی اصل میڈری ہے اور آوستا (موبدان) میڈیا کی تصنیف ہے .... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خارجی شہادت یعنی مرقومات قدیم اور داخلی شہادت یعنی کتب ژندی اور روایات ملکی کی رو سے اوستا مجوسیوں کی تصنیف ہے اور ژند میڈیائے قدیم کی زبان ہے، لہذا اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ژندی زبان کا نام ژند رکھنا غلط ہے، اس کی جگہ " میڈوی زبان " ہونا چاہیے - تو ہمارا یہ دعویٰ صحیح سمجھنا چاہیے " -

آپرٹ کی رائے کہ اہل میڈیا تو رانی تھے

ایک اور رائے جس کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا محقق (آپرٹ) کی ہے - جو اُسکی کتاب موسومہ " اہل میڈیا و زبان میڈیا " میں تفصیل کے ساتھ درج ہے - یہاں تک تو مسلم ہے کہ ہخامنشی دور کے کتبے تین زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں جن میں پہلی زبان فارسیء قدیم ہے اور تیسری

آسوری' رهی دوسری جو اپنی اصل نسل میں نہایت مشتبہ ھے اُس کی بابت آپرٹ کا خیال ھے وہ "(میڈوي" ھے اور اُس کو کسی آریائی زبان سے مطلق علاقہ نہیں' بلکہ وہ تورانی ھے۔ اس انوکھے اور بالکل متضاد خیال کے ثبوت میں وہ دلائل بھی عمیق و عجیب پیش کرتا ھے - خود نام میڈیا (مادہ) کی تشریح وہ ایک سمیری لفظ (مدہ) سے کرتا ھے' جس کے معنی (ملک) هیں' اور سلاطین میڈیا کے جو نام تی سیاؤ نے اپنی تاریخ میں لکھے هیں' وہ اس کے نزدیک " آریا شدہ" تورانی اسماء (جنھیں هرو دوتس نے لکھا ھے اور جو قدیم کتبات میں ملتے هیں) کے آرین مترادفات هیں -مثلاً وہ کہتا ھے کہ تاریخ هرو دوتس میں پہلے میڈوی بادشاہ کا نام دو جدا جدا لفظوں (دیہ) (= دوسرا) اکُوّ (=قانون) سے مرکب ھے جس کی آریائی یافارسی صورت غالباً (داٹیکہ) تھی اور معنی "ممالک کو دوبارہ متحد کرنے والا"- اس مرکب لفظ کا مرادف فارسی یاآریائی جو تی سیاؤ نے استعمال کیا ھے' وہ آرتائیوس ھے جس سے فارسی کے (آرتایو) (ارتہ سے مشتق ھے) بمعنی "قانون" اور (آیو بمعنی دوبارہ متحد کرنا) کی طرف اشارہ نکلتا ھے' میڈیا کی چھہ قوموں کے ناموں کو جنھیں هرودوتس نے اپنی تاریخ میں Herodotus (کتاب اول باب ۱۰۱) درج کیا ھے آپرٹ تسلیم کرتا ھے کہ آریائی هیں' مگر اِس کے بعد وہ کہتا ھے کہ اِن میں سے کم از کم دو یعنے بوسائی اور سٹرُوک سان تیس اصل تورانی ناموں کے آریائی ترجمے هیں'

جنھیں سے ایک کے معنی "ملک کے اصل باشندے" اور دوسرے کے "ساکنان خیمہ" ھوتے ھیں - افسوس ھے کہ ایسی قابلیت کے آدمی بہت کم ھیں، جو ایم آپرٹ کی تحقیقات کا از سرنو تفحص کرکے تفصیل میں اُس کے استدلالات پر مجتہدانہ رائے قایم کرسکیں، لیکن آپرٹ کی کتاب مذکورالصدر پر تبصرہ کرتے ہوے اُس کے عام استدلالات و نظریات پر ڈار مشتیٹر نے اپنے خلاصۂ اعتراضات کے آخر میں جو کچھہ لکھا ھے اس سے ھمیں اتفاق ھے * :-

ڈار مشتیٹر کا اعتراض

"لہذا اس مروجہ خیال کے ترک کرنے کی ھمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ میڈیا کی زبان آریائی زبان تھی - یہ خیال ایسا ھے کہ اِس کی تائید بلا واسطہ استرابو کے بیان سے ھوتی ھے اور بالواسطہ ھروڈوٹس کے بیان سے - علاوہ ازیں ایک اور نہایت قوی ثبوت یہ ھے کہ ژند اوستا کا مقام تصنیف اور ژند کی پیدائش گاہ اھل میڈیا کا ملک ھے" -)

* دیکھو "ابحاث ایرانیہ" جلد دوم صفحہ ۱۴ اول. اول یہ اعتراضات ریویو کویر ٹیک سنہ ۱۸۸۰ جون ۲۱ میں شایع ھوے تھے —

بہر کیف جبتک کوئی جدید خیال ن
اسی مسلک پر قائم رہنا چاہئیے (کہ اہل میڈیہ
تھے اور ان کی زبان ایرانی تھی جو فارسیء د
درجہ مشابہت رکھتی تھی -)

اُوپر بیان ہوچکا ہے کہ ہخا منشی خاندان کے برعکس شا
میڈیا نے اپنے کارناموں کا تحریری حال نہیں چھوڑا ہے، اُن کی
زبان کی بابت بعض محققین مثلاً نوبلڈ کے کایقین ہے کہ گو

اَوِستا | مزید تفحص ایک نہ ایک دن اُس کے نمونے ڈھونڈ نکالیگا لیکن اِس وقت ایک بھی موجود نہیں -

بعض محققین مثلاً آپرٹ کو اطمینان ہے کہ اُس کے نمونے موجود
ہیں اور وہ درجۂ دوم کے پیکانی کتبوں پر ثبت ہیں - ایک
اور جماعت جس کا رکن رکین ڈارمشتیٹر ہے اِن دونوں
بیانات سے اختلاف کرکے بتاتا ہے (کہ یہ نمونے کثرت کے ساتھ
زرتشت کی قدیم آسمانی کتاب ژند اوستا میں پائے جاتے
ہیں- اِن سے میڈیا کی نہ صرف زبان بلکہ اُس کے علم ادب کا
صحیح صحیح حال معلوم ہوتا ہے - یہ امر کہ اَوستا کی زبان
ایرانی ہے اور فارسی قدیم سے اُس کا رشتہ ماں یا بیٹی کا
نہیں بلکہ دونوں آپس میں دو بہنیں ہیں ' یہاں تک
ثابت ہوچکا ہے کہ اب شبہ کی گنجائش باقی نہیں - لیکن یہ
کہ وہ کس حصۂ ملک کی زبان ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہنوز
متنازعہ فیہ چلا آتا ہے - کیونکہ ایک طرف تو جیسا کہ اوپر
آچکا ہے ڈار مشتیٹر اَوستا کی زبان کو میڈیا کے ساتھ مخصوص
کرتا ہے ' اور دوسری طرف محققان جرمنی کہتے ہیں کہ وہ باختر

...ہ جرمنی میں عموماً اُس کا دوسرا نام
...ی" اور "مشرقی ایرانی" رکھہ لیا گیا ہے)
...ر نے اِن محققوں کی تردید کی ہے، لیکن تردید سے
وہ اپنے صاف اور مختصر انداز میں ان کے دلائل کا خلاصہ
درتا ہے، جو ذیل میں درج ہے*:—

جرمنی تحقیق

(۱) ژند پرشیا کی زبان نہیں ہے —
۲) باختر ہی وہ مقام ہے، جہاں بموجب روایات زرتشت نے اپنے مذہب کی پہلی مہتم بالشان فتح حاصل کی، یعنی شاہ گشتاسپ کو زرتشتی کیا ۔
(۳) اوستا میں صرف اُن مقامات کا ذکر آیا ہے، جو مشرقی ایران میں واقع ہیں۔

دارمشتیٹر کی تنقید

دلیل اول صحیح تو ہے مگر منفی ہے، مثبت نہیں ۔ مانا کہ اس کے بموجب پرشیا (یعنی صوبہ فارس) الگ ہو جاتا ہے، لیکن باقی ایران تو کہیں نہیں گیا ۔

دوسری دلیل کہ باختر میں گشتاسپ نے دین زرتشت قبول کیا، ٹھیک ہے، لیکن اس سے بجز اس کے اور کیا ثابت ہوتا ہے، کہ وہاں زرتشتیوں نے بڑے پیمانے پر جد و جہد کی ۔ ایران و توران میں جنگا

---

* "ابحاث ایرانیہ" جلد اول صفحہ ۱۰-۱۲

جغرافی حیثیت سے قدرتی معاذ باختر ہے،
میدان کار زار گرم ہوا - تورانی بت پرست
تھے اور ایرانی امت زرتشت - جبکہ بت
پرستوں اور اہرمزد کے پیروؤں میں خونریزیاں
ہو رہی ہوں تو ضرور تھا کہ حامیان ملت
زرتشت کے ذہنوں میں باختر کی یاد موجود
ہوتی اور اُن کی برکتوں کو لے کر باختر
پہنچتے جہاں اہرمزد کے پوجنے والے
دیو پرستوں کے مقابلے میں جانبازیاں
دکھا رہے تھے - پس یہ قصے کہ سرزمین باختر
میں زرتشت کا کلمہ اس سرے سے اُس سرے
تک پھیل گیا اور وہیں گشتاسپ بھی اُس کا
شکار ہوا، غالباً اُس کامیابی کی تاریخی کڑیاں
ہیں جو زرتشت کو مشرق میں ہوئی - ان
قصوں میں کوئی نشان ایسا نہیں ملتا جو
باختر کو زرتشت کا جنم بھوم اور اُس کے
مذہب کا گہوارہ ثابت کردے - پارسیوں
کی روایتیں متعدد طور پر پکارتی ہیں کہ
ہمارے پیغمبر اور اُس کے آئین کا مولد
و منشا مشرق اور باختر نہ تھا بلکہ مغرب
اور آذربائجان تھا اور نہ صرف پارسیوں
کی روایت ہی بلکہ خود اوستا بھی تسلیم
کرتی ہے—

کیونکہ تیسرا خیال کہ اوستا میں جو
مقامات درج ہیں وہ صرف مشرق میں واقع
ہیں غلط ہے، مشرقی کے علاوہ شمالی اور
مغربی بلاد کا بھی اُس میں ذکر ہے۔
"وینديداد" کا پہلا باب دیکھو اس میں
ایران کے اول حصوں کے نام آئے ہیں جن سے
مصنفین "وینديداد" واقف تھے۔ پہلا نام
'ایران ویج' ہے جس کے کناروں سے دائیۃ جی
ٹکراتی تھی (باب اول - ۳) اور ایران ویج
آذربائجان کی سرحد پر ہے' اور دائیۃ وہی
ندی ہے جس کا دوسرا نام 'ارکسیز' *
(قزل ارباق) ہے اسی طرح اوستا شمالی
ایران سے بھی واقف ہے کیونکہ اُس میں
'رھے گے' جو یونانیوں کی زبان پر 'راگائے' بنا
اور آج کل رے کہلاتا ہے خطۂ میڈیا میں
بیان کیا گیا ہے —

---

* یہ راے عام طور پر مسلم نہیں مثلاً گائیگر ایریانہ ویجہ یا
ایران ویج کو سلسلہ پامیر میں بتاتا ہے' گائیگر کے مطابق ویندیداد
کے پہلے باب میں جو کچھ معلومات قلمبند ہیں اُس کے لحاظ
سے اوستا کا انتہائی مغربی علاقہ دمرکانہ (ہرکینہ موجودہ گرگان یا
جرجان) ٹھہرتا ہے اور رنگہ (راگائے یا رے نزد طہران موجودہ
پایۂ تخت) اور 'ورنہ' (چوگوشہ) کو گائیگر مشرقی حصہ ماژندران
میں بتاتا ہے —

ڈارمشٹیٹر نے اس ثبوت میں کہ اوستا کی زبان وهی هے جو میڈیا کی زبان تھی لسانیات کی ایک شہادت بھی پیش کی هے کہ فارسیء حال کا لفظ "سگ" (کتا) دلالت * کرتا هے کہ فارسیء قدیم میں اس کی صورت "سکه" هوگی (گو قدیم زبان کی مرقومات میں اس لفظ کا کہیں نشان نہیں ملتا) - مگر اُس مواد کی جس پر هماری معلومات زبان قدیم کا دار و مدار هے، مقدار هی کیا هے - بخلاف اس کے هروڈوٹس کہتا هے (اول - ۱۱۰) کہ میڈیا کی زبان میں کتے کا نام "سپاکا" تھا جو زیادہ تر اوستا کے لفظ "سپن" (سنسکرت "سون" یونانی کیوآں) سے ملتا هے اور تعجب کی بات هے کہ یہی لفظ بصورت "اِسپه" بعض ایرانی مثلاً "قوهرود" (نزد کاشان اور قطنز کی بولیوں میں ابتک موجود هے † - جرنل ایشیاٹک ‡ میں کلیمان هوار کے متعدد دلچسپ مضامین نکلے - ان کا موضوع ایرانی بولیاں تھا مثلاً یزد و سیوند کی بولی اور اُس عجیب و خاص کتاب کی زبان جس کا نام

---

* مذکورالصدر کتاب ڈارمشٹیٹر صفحه ۱۳—

† دیکھو هماری کتاب "ایرانیوں میں ایک سال" صفحه ۱۸۹ اور پولک کی کتاب "پرشین" جلد اول صفحه ۲۶۵—

‡ جرنل ایشیاٹک بابت سنه ۱۸۸۵ جلد ششم صفحه ۵۰۲ - ۵۴۵ "رباعیات بابا طاهر" ایضاً بابت ۱۸۸۸ع جلد یازدهم صفحه ۲۹۸ - ۳۰۲ نوٹ "یزد کی دری" ایضاً بابت ۱۸۸۹ جلد چهاردهم صفحه ۲۳۸ - ۲۷۰ "اسلامی پہلوی" ایضاً بابت ۱۸۹۳ جلد اول ۲۴۱ - ۲۶۵ "سیوند کی بولی"—

هورت اور ڈار مشتیٹر کی تائید

جاودان کبیر ہے اور جو پندرھویں صدی کے بدعت طراز فرقہ حروفی * کا صحیفہ ہے ' ان مضامین میں هوار نے خاص جدت دکھائی ہے اور ڈار مشتیٹر کی رائے کو بڑی تقویت بخشی ہے - اس نے تمام تر کوشش اِس امر کے ثابت کرنے پر صرف کردی ہے کہ متعدد زبانیں جو اس وقت ایران کے دور اورکوهستانی اضلاع بالخصوص مغرب یعنی میڈیا میں بولی جاتی ہیں وہ نسلاً اوستا کی اولاد ہیں ' اور وہ ان کا نام ' جدید میڈوی ' یا ' اسلامی پہلوی ' † تجویز کرتا ہے - اُس کی بحث یہ ہے کہ دیگر اختلافات سے قطع نظر اوستا کی زبان میں جس فعل کے معنی ' کرنا ' بنانا ہیں اُس کے ساتھ مادہ ' کر ' ہر صیغے میں لگا رہتا ہے؛ حالانکہ فارسی قدیم میں (جدید میں بھی) اس فعل کے مضارع اور امر کے صیغوں میں کُن آتا ہے - دوسرے جس مادے کے معنی بولنا ' کہنا ہیں وہ اوستا میں 'اوج' وچ' ہے اور فارسیٔ قدیم میں 'گوب' ہے - اچھا اب فارسیٔ جدید میں (جیسے هم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ وہ براہ راست فارسیٔ قدیم کی نسل سے ہے) کردن (صیغۂ امر کن) کرنا کے لئے

---

* رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل بابت ۱۸۹۸ نمبر جنوری صفحہ ۶۱ تا ۹۶ میں ہمارا مضمون ''ادبیات و اصول فرقہ حروفی''۔

† فی الحقیقت یہ زبانیں عموماً آج کل کیا چودھویں صدی کے ایرانیوں میں بھی پہلوی کے لقب سے مشہور تھیں - مثلاً حمداللہ مستوفی قزوینی نے بھی انکو پہلوی لکھا ہے - مقابلہ کرو پولک کے مقام مذکور سے --

آتا ہے اور گفتن (صیغۂ امر گو' گوے) کہنا کے لئے- بر خلاف اس کے اول زبانوں میں جن کا مجموعی نام ہوار نے 'جدید میڈوی' رکھا ہے مادہ 'کر' ہر ایک صیغہ میں باقی رہتا ہے (چنانچہ اس کا مضارع بجاے 'کنم' کے 'کرم' آتا ہے علی ہذا) اور بولی یا بولنا کے لئے جو الفاظ مستعمل ہیں وہ مادہ 'واج یا اِس ہی قسم کے لفظ سے مشتق ہیں جو اوستا کے 'اوچ وچ' کے مطابق ہے- یہ معیار جس کے ذریعہ ہوار کسی ایک زیر بحث بولی کو میڈوی یا پرشین (ایرانی) قرار دیتا ہے' اس دقیق خیال کے رو سے گویا اوستا کی زبان ایران میں آج تک موجود ہے اور اس کی قائم مقام وہ متعدد بولیاں ہیں جن میں بابا طاہر کی رباعیات (شروع گیارھویں صدی) اور جاویدان کبیر (پندرھویں صدی) لکھی گئی ہے اور جو فی زماننا قوھرود اور سیوند کے علاقوں اور یزد و کرمان کے زرتشتیوں میں بولی جاتی ہیں - یہ نکتہ بھی بیان کے قابل ہے کہ بریزین * کی تحقیق کے مطابق 'تالش' بولی میں 'من' کے لئے 'از' آتا ہے جو بظاہر اوستا کے 'ازم' (فارسی قدیم میں 'ادم') کا بقیہ ہے- جو زبانیں کہ اس وقت تک ایران کے مختلف اطراف و جوانب میں رائج ہیں ان کا کہا حقہ حال (باوجودیکہ ژکووسکی †

---

* "ایرانی بولیوں کی تحقیقات" (قازان ' ۱۸۵۳ صفحہ ۳۱ وغیرہ) —

† "سواد (کاشان ' وانی شون ' قوھرود ' کش اور ظیفرو کی بولیاں) سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۸۸ —

نے کمال جانفشانی سے بیش بہا مواد جمع کیا اور جزوی طور پر اس کو شائع بھی کرادیا ہے) ابھی تک پس پردہ ہے ، تاہم امید کرسکتے ہیں کہ اہل فن کی تدقیق و کاوش اس مسئلہ پر ضرور روشنی ڈالیگی - دارمشٹیٹر اپنی ایک دوسری کتاب (" مشہور افغانی گیت " صفحات مقدمہ ۶۲-۶۵) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ زبان اوستا کی باقی ماندہ شاخوں میں سے افغانستان کی زبان پشتو یا پختو خاص شاخ ہے، مگر بظاہر یہ قیاس اس کے پہلے قیاس کی تکذیب کرتا ہے جس کو وہ اپنی تصنیف " ابحاث ایرانیہ " میں قائم کرچکا ہے؛ گو یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قیاسات بجاے خلاف ہونے کے ایک دوسرے کے مؤید ہوں ' پھر ہم کو یہ کہنا پڑے گا کہ —

(۱) زر تشت میڈوی قوم کے مجوسی (مگوش) تھے اور وہ اپنی تعلیمات کو شمال مغرب بعید یعنی آذر بائجان سے شمال مشرق بعید یعنی باختر لے گئے جہاں انہوں نے سب سے اول شاہ گشتاسپ کو رام کیا —

(۲) آذربائجان اور باختر بلکہ پورے شمالی ایران میں جتنی زبانیں بولی جاتی تھیں وہ ایک دوسرے سے انتہا درجہ مشابہ تھیں اور جیسا کہ ڈے ہارلے نے اشارہ کیا ہے —

(۳) اوستا میں گاتھا کی بولی باختر کی بولی کا نمونہ ہے اور وینڈیداد میں عام اوستائی زبان آذربائجان کی بول چال کی یادگار ہے ' تاہم یہ باتیں سب خیالی تکے ہیں اور سرتاسر میں ایک خوشنما قیاس سے زیادہ نہیں —

قدیم ایران کا مذہب اور زوراسٹر

میڈوی زبان کی [illegible] علمی اور [illegible]سی نے ہم کو الجھنوں میں [illegible] ہنوز غیر کے شکوک میڈوی مذہب کی [illegible]خص میں پاؤں کے چھالے بنے ہوے ہیں اور قطع مسافت میں قدم قدم پر گرائے دیتے ہیں حتیٰ کہ آج تک یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ دور (ہنما منشی کے لوگ جو میڈیوں کے جانشین ہوے تھے زرتشت کے بتاے ہوے طریق پر خدا کا نام لیتے تھے یا ان کا قبلہ کوئی اور تھا - خود زرتشت کی نسبت کہ وہ کون تھے، کہاں سے آئے تھے اور اُن کا زمانہ کیا تھا رائے کے خلاف رائے موجود ہے- بعض کو ان کے تاریخی وجود ہی سے انکار ہے، بعض کو ان کی شخصیت اور وجود گاتھا میں صاف نظر آتا ہے اور وہ یقین کرتے ہیں کہ گاتھا کے احکام میں خود ان کے الفاظ نہیں تو کم از کم ان کے قریبی جانشینوں کے الفاظ ضرور موجود ہیں- ایک گروہ اس کے زمانے کو زمانہ وید بتاتا اور ۱۸سوسے ۲ ہزار بلکہ ۶ ہزار قبل مسیح پیچھے لے جاتا ہے اور دوسرا گروہ مسیح سے سات سو برس قبل کا زمانہ معین کرتا ہے، بعض ان کی جائے پیدائش جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے باختر قرار دیتے ہیں اور بعض آذر بائجان- یہی حال ان کے نام پر مٹنے والوں کی روحانی کتاب اوستا کا ہے جس کے کم از کم ایک حصے کو ڈار مشٹیٹر نے اپنے "ترجمہ جدید" ["سرمایہ تاریخ" گیمے میوزم جلد ۲۱-۲۴ پیرس ۱۸۹۲-۱۸۹۳] میں بڑی کد و کاوش کے بعد قدیم الایام سے کھینچ کر مسیحی صدیوں میں لا ڈالا ہے - کچھ خیالات ہی کا یہ حال نہیں کہ ان میں آراء کی گونا گوں موجیں اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں،

تعصب نے اوستا کو بہت تھا دیا ہے - بلکہ ھالیوی کا (جو اپنے امید کرسکتے مرد اور سیاحت عالم میں مرد ثابت ہوچکے ہیں) ضرور جو اس نے راقم الحروف سے ایک گفتگو میں بیان کیا کہ نسلی مناقشوں اور قومی عداوتوں نے سائنس کی خاموش مہلکت پرورش کردی ہے میں اور وہ ساتھ تھے اور دونوں دار مشتیٹر کی کتاب بالا پر جو اوس ھی زمانہ میں چھپکر شائع ہوی تھی بحث کر رہے تھے کہ میں نے بصد استعجاب کہا دار مشتیٹر نے ستم کیا ہے کہ وہ اوستا کو اس قدر قریب زمانہ کا بتاتا ہے۔ کیا وہ ان کاملین فن کے پاس جو اس کو نہایت ھی قدیم عہد کی تصنیف سمجھتے ہیں اوستا کی قدامت پرکوئی دلیل نہیں - "دلیلیں تو کافی ہیں" ھالیوی نے جواب دیا "کیا ان کی نفرت جو اُن کو سامی قوموں کے ساتھ ہے کچھ کم دلیل ہے اور کیا ان کی نخوت جو ان کو اپنے آرین نسل ہونے پرھے کچھ بودی وجہ ہے۔ یہ ان کی نفرت نہیں تو کیا ہے کہ وہ آرین قوم کے مقابلے میں یہودیوں کی نہ تو قدامت کو گوارا کر تے ہیں اور نہ ان کی برتری و افضلیت کو -- وہ حضرت موسیٰ (۴) کو گھٹا کر زرتشت کو بڑھانا چاہتے ہیں اور جہاں وہ ایک ھاتھ سے توریت کو زمین پر پھینکنے کی کوشش کررہے ہیں وہاں دوسرے ھاتھ سے اوستا کو آسمان کی طرف اُٹھارہے ہیں" - نہایت افسوس کا مقام ہے اگر یہ سچ ہے تو گویا وھی مذموم نسلی تعصب جو ہزارھا جرائم کا ذمہ دار رہ چکا ہے علوم کے پاک مطلع کو بھی ناپاک کرنے لگا ہے ' جہاں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں ہونا چا ہئے —

خیر زرتشت اور اُن کے قوانین الہامی پر کونا گوں

خیالات کا طومار بندھا ہوا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہمارا مقصود نظر دور اسلامی کی علمی اور ذہنی ترقیاں ہیں اور یہ میدان اس درجہ وسیع اور ہنوز غیر متحقق ہے کہ ایک نہایت اولوالعزم اور نہایت محنتی شخص کی تسکین ہوس کے لئے کافی ہے - نیز یہ دور بہ نسبت قدیم کے اس لحاظ سے قابل ترجیح بھی ہے کہ اس کے حالات معلوم ہیں- اس کی تاریخیں ایسی نہیں کہ ان میں صدیوں کا اختلاف ہو اور نہ اس کے مناظر ایسے کہ ابھی باختر میں تھے کہ دفعتاً آذر بائیجان میں نظر آنے لگے - تاہم بے انتہا واجب‌التعظیم ہیں وہ لوگ جو قدیم ویرانوں میں سرگردانی کر رہے ہیں' کہ اپنی جانکاہ محنتوں اور بے نظیر ذہانتوں سے افسانوں سے تاریخ اور انتشار و ابتری سے نظام پیدا کر رہے ہیں - ہمیں چاہئیے کہ ان محققین میں سے ایک آدہ کو انتخاب کر کے اپنا رہنما بنائیں تا کہ وہ ہم کو قدیم عہد اور اُس داستان پاستان کا حال سناتا رہے جس کے معلوم کرنے کو ہمارا جی تو بہت چاہتا ہے لیکن جو ہمارے دائرۂ مقصد سے خارج ہے - رہنماؤں میں سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ ہوشیار "اے - وی - ویلز جیک سن" پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی ہے - جیکسن وہ فضل و تجربہ رکھتا ہے جو جرمنوں کا خاصہ ہے' وہ صفائی استدلال جو فرانسیسی علوم کی ادائے دلربا ہے اور وہ انصاف پسندی و قوت فیصلہ جو اینگلو سیکسن قوم کا مایۂ ناز ہے - اس کے بلند پایہ مضامین امریکن اورینٹل سوسائٹی کی روئداد اور امریکہ کے رسالۂ لسانیات وغیرہ

میں شائع ہوئے ہیں جن میں اس نے متذکرۂ بالا مشکل مسائل اور ملت زرتشت کی تاریخ و عقائد سے بڑی کامیاب بحث کی ہے اور بالآخر اس نے ایک فاضلانہ اور قابل دید کتاب موسوم "قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر" (مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۹۹ع) میں اپنے خیالات کا خلاصہ لکھ دیا ہے اور اہم نتائج جو اُس نے استخراج کئے ہیں یہ ہیں:--

(پروفیسر جیکسن کے نتائج)

(۱) زرتشت واقعی تاریخی انسان اور فرقۂ مجوس میں سے میڈوی قوم کے ایک فرد تھے--

(۲) اُن کا زمانہ حضرت مسیح سے تقریباً ساڑھے چھ سو سال پہلے کا تھا یعنے اُس وقت میڈیا کی سلطنت قائم تھی اور ہخامنشی خاندان کا وجود نہ ہوا تھا - ستتر برس کی عمر کو پہونچ کر تقریباً سنہ ۵۸۳ ق‌م میں وفات پائی--

(۳) اُن کا وطن تو مغربی ایران (آذر بائیجان یا میڈیا) تھا لیکن پہلی اور عظیم‌الشان کامیابی ان کو باختر (بلخ) میں ہوئی جہاں انہوں نے شاہ وشتاسپہ (گشتاسپ) کو اپنے حلقہ میں داخل کیا--

(۴) 'گاتھا' جو مسلم طور پر اوستا کا سب سے پرانا حصہ ہے اُن کی بلخی

تعلیم و تلقین کی اهم باتوں پر شامل هے۔

(٥) باختر سے اُن کا مذهب به سرعت تمام سارے ایران میں پھیل گیا اور بعد کے هنما منشی اورنگ نشینوں کے عہد میں خطۂ فارس میں بڑا زور پکڑ گیا تھا - لیکن ٹھیک پته نہیں چلتا که اُس کا قدم فارس میں کب آیا اور وهاں کے مالکان تاج و تخت اور رعایا کو اپنا کلمه گو کب بنایا —

هر چند که یه استدلالات هر ایک محقق کے نزدیک مسلم نہیں مگر راقم کی راے میں شہادت زیادہ تر ان هی کی جانب مائل هے' بالخصوص فتوحات اسلامی کے بعد هی جو روایات که ملک میں پھیلی هوئی تھیں اور جن کا ماخذ دور ساسان کی روایات تھا ان استدلالات کی حامی اور مصدق هیں—

استدلالات بالا کہانتک معقول هیں

اس مقام پر اِتنا لکھدینے میں کوئی هرج نہیں معلوم هوتا که جس اسکول سے جیکسن کا تعلق هے چونکه وہ اس امر کا عادي نہیں که قطع و برید کے بعد واقعات کو بیان کرے اس لئے به گمان ظاهر یه غالب نہیں که اس اسکول کے حامی زوراستر کے زمانے کو غایت درجه قریب کا زمانه تجویز کریں۔ رها یه پہلو که اُن کا مذهب میڈیا کنی خاک سے پیدا هوا اس کي بابت گائیگر کو تار مشٹیٹر اور جیکسن سے اتفاق راے هے که اگرچه اوستا کی زبان شمال و مشرق ایران یعنے باختر کی زبان هے لیکن جیسا

کہ ہر ایک پارسی روایت سے ثابت ہے باختر میں اُس کے اصول و عقاید میڈیا سے آے اور اُن کے لانے والے آتھروں یا (آذربان) آتش پرست پجاری تھے جو بلا اختلاف شمال و مشرق کے صحرا نورد مبلغان مذہب بیان کئے جاتے ہیں مگر جن کا وطن رے اور میڈیا کہا جاتا ہے - اس مسئلے کے سلسلے میں ڈارمشٹیٹر* ایک پر لطف نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ لفظ ' موغو ' کو دیکھو (جس سے مجوسی سے نکلا ہے)کہ یہ اوستا (ملسنا ۴۴-۲۵) میں صرف ایک مقام پر آیا ہے اور وہ بھی مرکب یعنی ' موغوط بش ' کی صورت میں جس کے معنی " مجوسیوں سے نفرت کرنے والا یا ان کا ستانے والا " ہے - اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایران خاص کے باشندے ان لوگوں کے خون کے پیاسے اس لئے نہ تھے کہ وہ آتھروں یعنی تعلیم زرتشت کے منادی کرنے والے تھے بلکہ اُن سے اس لئے خار کھاے ہوے تھے کہ وہ میڈوی قوم کے مجوسی تھے جن کی حکومت کے کھنڈروں پر اہل فارس کی حکومت قائم ہوئی اور جن کے علم بغاوت نے ابتدائی ہخامنشی دور میں اہل فارس کا ناک میں دم کردیا تھا' خصوصاً مجوسی (مغوش) گوماتہ کے انحراف نے جو اپنے آپ کو سائرس کا بیٹا بردیہ (سمرڈیز) مشہور کرکے تخت ایران کا دعویدار بن بیٹھا تھا اور جس کو خود دارا نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا ؛ یہ واقعہ

اوستا میں لفظ مجوسی کا معنی خیز استعمال

---

* دیکھو مشرق کی کتب مقدسہ میں اوستا کا ترجمہ جلد اول صفحات مقدمہ ۵۱ - ۵۲ ' (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ع)

فرضی سمرڈیز

دارا بادشاہ نے بے ستون پر کندہ کرایا جس کے الفاظ یہ ہیں:—

" کہتا ہے بادشاہ دارا کہ اس کے بعد ایک شخص ہوا، مجوسی گو ماتہ نامی، وہ "پی‌سی آوادا سے" اُٹھا جو وہاں کے ایک پہاڑ سے ہے جو آرکدرس کہلاتا ہے۔ ویخنہ کا مہینہ تھا اور چودھویں تاریخ،

کتبۂ دارا کا حوالہ

تب وہ اُٹھا - اُس نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا کہ میں، بردیہ ہوں سائرس (کورو) کا بیٹا اور 'کم بی سیز' (کمبوجیہ) کا بھائی۔ اُس پر لوگوں نے 'کم بی سیز' کے خلاف بغاوت کی، فارس اور میڈیا، اور ہر ایک صوبے کے باشندے اُس کے پاس جمع ہوگئے - اُس نے تخت چھین لیا : یہ ماہ گرم پدا کا نواں دن تھا جب کہ اُس نے تخت چھینا، اس پر کم بی سیز نے خود کشی کرکے اپنا کام تمام کرلیا —

کہتا ہے بادشاہ دارا کہ یہ تخت جو گوماتہ نے کم بی سیز سے لے لیا تھا یہ تخت قدیم سے ہمارے خاندان میں چلا آتا تھا - پس گوماتہ مجوسی نے کم بی سیز سے فارس، اور میڈیا اور دیگر صوبے لے لئے۔ ان کو اُس نے غصب کر لیا اور بادشاہ

بن بیٹھا —

کہتا ھے بادشاہ دارا کہ نہ تو فارس میں نہ میڈیا اور نہ ھمارے خاندان میں کوئی ایسا شخص تھا جو گوماتہ مجوسی سے تخت کو بہ زور شمشیر واپس لے سکتا : لوگ اُس سے ڈرتے تھے کیوں کہ اُس نے بہت سے لوگوں کو جو اُس کو پہلے سے جانتے تھے قتل کردیا تھا ' قتل کا سبب یہ تھا کہ کہیں وہ اُس کو پہچان نہ لیں کہ وہ سائرس کا بیٹا بردیا نہیں ھے - اس گوماتہ مجوسی کی نسبت کوئی شخص ایک حرف منہ سے نہیں نکال سکتا تھا یہاں تک کہ میں کھڑا ھوا - پھر میں نے 'اھرمزد' سے استعانت چاھی - اھرمزد نے میری مدد کی : باگہ یاوش ' مہینہ کی دسویں دن میں نے چند آدمیوں کو لے کر گوماتہ مجوسی اور اُس کی جان نثاروں کو تہ تیغ کردیا - میڈیا میں ایک قلعہ ھے سیکھتووش نام ' نسایہ کے اضلاع میں : یہیں میں نے اُس کو قتل کیا : میں نے بادشاھت کو اُس سے واپس لے لیا اور اھرمزد کے فضل سے میں بادشاہ بن گیا ؛ اھر مزد نے مجھہ کو بادشاھت عطا کی —

کہتا ھے بادشاہ دارا جو سلطنت کہ

ھمارے خاندان سے نکل گئی تھی اُس کو میں
نے واپس لے لیا' اس کو اُس کی جگہ قائم کیا
اورجیسی تھی ویساھی کردیا: عبادت گاھیں
جن کو گوماتہ مجوسی نے تاراج کیا تھا
انہیں میں نے لوگوں کو دوبارہ سپرد کیا'
بازار' مویشیوں کےگلے اور مکانات جو گوماتہ
مجوسی نے چھین لئے تھے وہ قبائل وار
اُن کے مالکوں کو واپس پہنچائے - میں نے
باشندوں کو اُن کے سابق وطنوں میں آباد کیا'
یعنی فارس میڈیا اور دیگر صوبوں میں-اِسی
طرح میں نے ھر شے کو جو غصب کرلی گئی
تھی ' اُس کی جگہ پر پہلی حالت میں
پہنچایا - اھورمزد کے فضل سے میں نے یہ
کام انجام دیا ' میں اس وقت تک جد وجہد
کرتا رھا جب تک کہ میں نے اپنی قوم کو
اس کی گزشتہ عظمت پر نہ پہنچا دیا -
پس اھورمزد کے فضل سے میں نے قوم کو اُس
کی سابق حالت پر پہنچایا جب کہ گوماتہ
مجوسی نے ابھی اس کو ھڑپ نہ کیا تھا -
کہتاھے بادشاہ دارا یہ ھے جو کچھہ کہ میں
نے کیا جب کہ میں بادشاہ ھوا ---

اھل میڈیا اور ایرانیوں کی پولیٹکل خصومت کی صرف
یہی مثال نہیں نو (۹) مدعیان تخت میں سے جن کو دارانے ۱۹

لڑائیوں میں شکست دیکر اسیر کیا گوماتہ مجوسی پہلا مدعی

مدعیان دیگر

تھا مگر اکیلا یہی نہ تھا - فراورتیش نے بھی
اہل میڈیا کو جنگ و سرکشی پر ابھارا مگر
رے میں پکڑا گیا اور قطع اعضا کے بعد ہمدان میں جو میڈیا
کا قدیم پایۂ تخت تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا ' فراورتیش کا
دعوی تھا کہ میں ہووخشترہ [جسکو ہروتوتس نے سیاکریس
اور میڈیا کا تیسرا فرمانروا لکھا ھے] کی نسل سے ہوں ' اسی
طرح چترتخمہ نے سکربتا میں سر کشی کا جھنڈا بلند کیا مگر
گرفتار ہوا اور اربیل [اربیرہ] میں صلیب پرجان دی - ہم اس
سے انکار نہیں کرتے کہ سپہ سالاران افواج میڈیا نے دارا کے
میدان لڑے اور نمک حلالی کا ثبوت دیا' تاهم یہ ماننا پڑتا ھے
کہ اس زمانے میں اہالیان میڈیا و ایران کے درمیان کچھہ ایسی
ہی پرخاش تھی جو ایڈورڈ بادشاہوں کے عہد حکومت میں
انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کے مابین تھی - گو
قومیت اور زبان کے اعتبار سے یہ دونوں ایک تھے اور غالباً
مذہب بھی ایک تھا لیکن دلوں کا سیاسی بیر اوس زمانے
میں تاریخی انقلاب کا باعث اعظم ہوا' اور ڈارمشٹیٹر کی
رائے کے مطابق جنوب ایران کے ایرانی جہاں اہل میڈیا کو
بحیثیت پجاریوں کے ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے
بلکہ مذہبی رسوم کو ٹھیک طور پر ادا کرنے میں اُن کا وجود
ناگزیر سمجھتے تھے وہاں ان کے خلاف نفرت و خصومت بھی
اسی قدر شدید رکھتے تھے —

میڈوی دور سے قبل کے تاریخی حالات ملتے ہیں

بیان کرچکے ہیں کہ ہمارا اصل موضوع ایران میں اسلامی دور کی علمی اور ذہنی ترقیات یا بالفاظ دیگر علم و ادب کی وہ تاریخ ہے جو گزشتہ ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور اس سے قبل کے صرف وہ حوالجات جو تصریح موضوع کے لئے ضروری ہوں - لہذا جن ازمنۂ سابقہ پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں ان* کی تفصیل دور از محل ہوگی - اِس باب میں ہم کو دولت میڈیا کے آغاز [سنہ ۷۰۰ ق م] تک جانا پڑا ہے جہاں سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایران کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ قدامت کی تاریکیوں میں اس سے بھی پہلے زمانے کے حالات معلوم کئے جاسکیں - جیسا کہ اسپی گل نے اپنی نایاب کتاب " ایران قدیم کے حالات " [سہ جلد مطبوعہ لیپزگ سنہ ۱۸۷۱-۱۸۷۸ع] میں کئے ہیں - اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو ایک طرف ڈالدیں کہ آرین ایک اصلی قوم تھی اور وہ اپنے عام مرکز سے بکھر کر ادھر اُدھر پھیل گئی، اور پھر دیکھیں تو کم از کم اتنا وثوق کے ساتھہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں ایرانی اور ہندی دونوں ایک متحدہ قوم تھے اور پنجاب کے کسی حصے میں آباد تھے - اِن کی علیحدگی اور انتشار کے اسباب پر میکس ملر* نے جو قیاس کمال جدت کے ساتھہ پیش کیا تھا وہ ہمارے خیال میں عام طور پر مسترد کردیا گیا ہے لیکن یہ قیاس اس درجہ دلکش ہے کہ یہاں اس کو قلم انداز کرنا ستم ہے -

* دیکھو منتخب مضامین از میکس ملر، جلد دوم صفحہ ۱۲۲-۱۳۴ لندن (۱۸۸۱ع)

میکس ملر کا قیاس

مختصراً میکس ملر کا قیاس ویدہ اور اوستا کی چند مذہبی اصطلاحات پر دار و مدار رکھتا ھے یہ اصطلاحیں اگرچہ اشتقاق کے لحاظ سے ایک ھیں لیکن معانی کے لحاظ سے اِن میں زمین آسمان کا فرق ھے - سنسکرت میں لفظ "دیو" (منور) کے معنی دیتا ھے اور "دیوان ذکوز" یا "ھستیاں منور" ھندؤں کے دیوتا ھیں- برخلاف اس کے اوستا میں "دیوا" فارسیء جدید میں 'دیو' کے معنی شیاطین کے آئے ھیں' چنانچہ جب ایک پارسی اقرار ایمان کرتا ھے تو کہتا ھے کہ "میں دیووں کی پرستش ترک کرتا ھوں"؛ وہ ان دیووں یا ھندو دیوتاؤں کو خیرباد کہتا ھے اور ھرمزد کا بندہ بن جاتا ھے - فن اصوات کی تحقیق یہ ھے کہ فارسی کی 'ہ' سنسکرت کا 'س' ھے' (مثلاً ایرانی جس کو ھند کہتے تھے وہ سنسکرت کا سندہ ھے اور یہی حصۂ ملک تھا جس سے قدرتی طور پر ایرانی خوب واقف تھے) پس اوستا کا "اھورہ" سنسکرت کا "اسورہ" ھے جس کے سنسکرتی معنی ارواح خبیثہ ھیں- صرف ان دو چھوٹے چھوٹے لفظوں سے میکس ملر نے زرتشت کی ایک زندہ تصویر کھڑی کردی کہ وہ مصلح تھا' پیغمبر تھا اور جب کہ ھنوز ایرانی اور ھندو دو حصوں میں تقسیم ھو کر منتشر نہ ھوے تھے تو وہ مبعوث ھو چکا تھا' نیز اس نے کثرت و اشیا پرستی کی مبتذل حالت کے خلاف' جس نے رفتہ رفتہ قدیم و پاکیزہ تر خیالات کی جگہ لے لی تھی' صدا بلند کی - غرض مخالفت میں آکر زوراسترو نے ھندو دیوتاؤں کو جنھیں وہ مٹانا چاھتا تھا'

اپنے نظام مذہب کا شیاطین بنا ڈالا اور بالآخر کسی قدیم سن (ہجرہ) میں "سخت گردن پرستاران دیواں" سے جدا ہوا اور اپنے متبعین جان نثار کو ہمراہ لے کر مغربی اضلاع میں آنکلا جن کا نام ہم نے ایران رکھہ لیا ہے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی - یاد رکھنا چاہئیے کہ اس قیاس کا بہت کچھہ انحصار اس خیال پر ہے کہ زوراستر کا وطن باختر میں ہے اور یہ خیال وہ ہے جو وینڈیداد کے فروگرد اول پر قائم کیا گیا تھا اور عرصۂ دراز تک خاص کر جرمنی میں مسلط رہا—

اوستا کی تالیف و ترتیب کے متعلق بعض حالات ہم کسی اور مقام پر بیان کریں گے - اس موقع پر یہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ "وینڈیداد" اوستا کا وہ حصہ ہے جس میں احکام شریعت اور مذہبی روایات درج ہیں' یہ حصہ توریت کے پہلے پانچ حصوں کے مثل اور ۲۲ فروگرد یا بابوں پر مشتمل ہے - پہلا باب اہرمزد کی مخلوقات اور انرامینیو (اہرمن - شیطان) کی مخالف مخلوقات سے بحث کرتا ہے اور مندرجۂ ذیل ۱۶ ممالک کا حال بتلاتا ہے جن کو اہرمزد نے پیدا کیا ہے :-

(۱) "ایرینیہ ویجو' نزد با برکت دریاے دائیتا" (اس کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہے تاہم اس حصے کو دور ساسان کا دریاے ارک زیز یعنی موجودہ آذر بائجان شناخت کیا جاتا ہے)-

(۲) "سغدہ" (سغدیانہ' سغد)-

(۳) "مورو" (مرجیانہ' مرو)-

(۴) "باخدی" (باختر' بلخ)-

(۵) "نسایه" (پارتھیہ کا دارالحکومت یعنی موجودہ نسا واقع خراسان جو سرخس سے ۲ اور مرو سے ۵ دن کی مسافت ہے)۔

(۶) "ہرویو" (ہرات)۔

(۷) "وے کرتیہ" (پہلوی شرح میں اس نام کو کابل شناخت کیا گیا ہے)۔

(۸) "اُروا" (کہتے ہیں کہ طوس کا نام تھا)۔

(۹) "ویہرکانہ" (موجودہ گرگان یا جرجان)۔

(۱۰) "ہرہ وائتی" (اراخوتوس) اور

(۱۱) "ہےتومنت" (دونوں دریاے ہیلمند کے قرب و جوار میں ہیں)۔

(۱۲) "رگہ" (رے، موجودہ پایہ تخت طہران کے قریب)

(۱۳) "چخرہ" (غالباً ابن خورداذبہ* کا شرغ یا جرغ ہو، بخارا سے چار فرسنگ پر ہے)۔

(۱۴) "چوگوشہ وریئہ" (غالباً البرز کے گرد و نواح سے سواد ہے)۔

(۱۵) "ہپت ہیندو" یا ہفت دریا (پنجاب)۔

(۱۶) "وہ حصہ جو دریاے رنہہ کی طغیانیوں کے نزدیک ہے اور جہاں کے باشندے بے سردار کے زندگی بسر کرتے ہیں"۔

---

* مرتبہ دے خویہ (جلد ششم جغرافیات عرب) صفحہ ۲۵ اور ۲۰۳۔

گائیگر اور دیگر محققین خیال کرتے ہیں کہ یہ فہرست مقامات قدیم ایرانیوں کا سفر نامہ ہے گویا جب وہ ابتداءً ہند - ایرانی گروہ سے ، جن کا وطن پامیر کا علاقہ تھا ، جدا ہوے اور ایران میں داخل ہوے تو انہوں نے اُن اُن مقامات میں نقل مکان کیا - تارکان وطن کی پہلی جماعت مغرب کی جانب سغد ، مرو ، بلخ ، نسا اور ہرات میں پھیل گئی ؛ دوسری جماعت نے جنوب اور جنوب ، مغرب میں پنجاب ، کابل اور اضلاع ہلمند کا رخ کیا ، جو ذرا دلیر تھے وہ مغرب کی طرف بڑھتے چلے اور 'جرجان' و 'رے' میں آباد ہوگئے - لیکن یہ ترتیب مقامات چوں کہ اپنے ساتھ جغرافیائی ثبوت نہیں رکھتی اس لئے وثوق کے لائق نہیں ہے - بظاہر اس کا امکان ہے کہ یہ فہرست مقامات ایرانیوں کے ملکی فتوحات نامہ کی بجاے مذہبی اشاعت نامہ ہو اور اگر 'ایریانہ و یجو' زیادہ یقینی طور پر 'آذربایجان' کا قدیم نام ثابت ہوجاے تو ہمارے اس خیال کو نہایت تقویت پہنچ جاے گی اور جس نظریہ کو ہم قرین قیاس کہہ چکے ہیں اُس کے صحیح ہونے میں کوئی حجت باقی نہیں رہے گی ، یعنی یہ کہ دین زرتشت کا اصلی جنم بھوم شمال مغرب بعید ہے اور اس کی اشاعت کا سب سے پہلا مقام شمال مشرق بعید - تاریخ شاہد ہے کہ اکثر بانیان مذہب کو اپنے وطنوں میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی - اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو اسلام کی تاریخ دیکھئے ، گویا بلخ ، زرتشتی مذہب کے لئے مدینہ کا درجہ رکھتا تھا ـــ

آسوري اثرات | ہند - ایرانی اور قدیم ایرانی دوروں کے بعد ایران پر اثر ڈالنے والا ایک اور زمانہ ہے جسکو محقق اشپیگل * نے کمال دقیقہ سنجی سے دریافت کیا ہے اور اس پر بحث بھی کی ہے ' یہ آسوري دور ہے اور اشپیگل اس کا آغاز ایک ہزار برس قبل مسیح بتاتا ہے - آنکھوں کو اس زمانے کا اثر ہنحامنشی دور کے کتبات و کندات میں صاف نظر آتا ہے بلکہ اشپیگل کی تحقیق کے مطابق ایران کے متعدد آئین مذہب ' روایات اور افسانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کو آرین کی بجاے سامی قرار دینا صحت سےزیادہ قریب ہے۔ عجیب بات ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سامی اثر ایران پر بغایت چھایا ہوا ملتا ہے ' اواخر ساسان اور دور اسلام میں عربوں کا اثر تھا ' اوائل ساسان اور اواخر پارتھیہ میں آرامی اور اس سے قدیم تر ازمنہ میں آسوریوں کا - یہ امر اس درجہ روشن ہے کہ اس کے تسلیم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں؛ اس کے باوجود لسانی و نسلی تعلقات کو ادبیات و مذہب کے قوی تر اثرات کے مقابلہ میں زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے! اس کا باعث وہ نقطۂ نظر ہے جو خالص لسانی تحقیقات سے پیدا ہوا ہے اور جس نے فارسي زبان کے مطالعہ میں گونا گوں غلطیاں پھیلا دی ہیں - انگلستان میں عبرانی کی تعلیم کم ہے اور اسکو یونانی زبان کی وسیع تعلیم سے کوئی نسبت نہیں' لیکن ملٹن کی نظم تو در کنار' اسکاٹ لینڈ کے ایک

---

* ایران قدیم کے حالات جلد اول صفحہ ۴۴۹ تا ۴۸۵ " ایرانی استقلال کا آغاز - سامیوں کے ساتھہ میل جول کا پہلا موقعہ "-

" کووے نیین تر "(پابند عہد)" یا انگلستان کے ایک پیوری تن"
(پابند شرع) کے محرکات و طرز عمل کو سمجھنے کے لئے
انجیل کی معلومات اسی قدر ضروری ھے جس قدر کہ یونانیوں
کے ادبیات قدیم (کلا سکس) کی واقیفت - ایران کی قسمت بھی
جہاں علم و ادب اور آئین و مذھب کے لحاظ سے سامی اثرات
نے بڑے پیمانے پر تسلط جمایا یہ قول زیادہ صیح طور پر صادق
آتا ھے - اگر خیالات و ادبیات عجم کے مطالعہ کی غرض سے ضروری
سامان فراھم کرتے وقت ھمارے سامنے یہ سوال پیش کیا جائے کہ
اس کام کی استعداد کے لئے سامی اور آرین زبانوں میں تم کس
زبان پر کا تبحر زیادہ پسند کروگے تو ھم فوراً صرف اس خیال
کی بنا پر جو ابھی بیان ھوچکا ھے السنۂ سامی کو بلا تامل ترجیح
دیں گے - کیونکہ پہلوی کی تحقیق کے واسطے آرامی زبانوں کا
علم لازمی ھے اور ایران کے ما بعد اسلامی خیال و ادب کا
نتیجہ خیز تفحص عربی کتابوں کو چاٹے بغیر نا ممکن ھے -
بخلاف اس کے ان دونوں اغراض کے لئے سنسکرت کا جاننا عملاً
بے سود ھے بلکہ اوستا کی شرح و وضاحت میں بھی اس زبان
کو روک تھام کے اور پہلوی روایات کا پورا لحاظ کر کے استعمال
کرنا چاھئے—

خلاصۂ کلام اس تمہیدی باب کو ختم کرنے سے پیشتر
مناسب معلوم ھوتا ھے کہ تاریخ ایران کے
ان مختلف دوروں کو بشکل عنوانات پھر دھرا دیں—

(۱) ھند-ایرانی (انڈوایرین) دور—

(۲) قدیم ابتدائی دور—

(۳) آسوری اثرات کا دور (ایک هزار قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے کا، دیکھو صفحہ بالا ۲۰) —

(۴) میڈوي دور (سنہ ۷۰۰ قبل مسیح)—

(۵) قدیم ایرانی (هخا منشی) دور (سنہ ۵۵۰ قم)—

(۶) وقفہ یعنی سکندر کے حملے سے ساسانی عروج تک کا زمانہ (سنہ ۳۳۰ قبل مسیح سے ۲۲۶عیسوی تک)—

(۷) ساسانی دور (۲۲۶ - ۶۵۲ع)—

(۸) اسلامی دور یعنی ساسانیوں کے زوال سے آج تک —

ان میں سے آخري دور همارا خاص مطمح نظر ہے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم هوگا اس دور میں سے اور بہت سی اهم شاخیں نکلتی هیں، مگر اس پر قلم اُٹھانے سے پہلے ادبیات فارسیء قدیم، اس کا انکشاف اور چند دیگر مسائل متعلقہ کی بحث آئندہ باب میں ختم کردینی ضروري ہے—

باب دوم

ایران قدیم کے کتبات اور مرقومات کا انکشاف، اُن کے معانی و مطالب کا تعین اور دیگر مسائل زبان

یورپ اور علوم مشرقیہ

اس باب میں مختصر طور پر ھخا منشی کتبوں کی ''فارسیء قدیم'' ''زبان اوستا'' اور ''دور ساسانیہ کی پہلوی'' سے بحث کی جاے گی لیکن یاد رکھنا چاھئیے کہ یورپ میں ان تینوں زبانوں کے معمات حل کرنے سے بہت پہلے جدید یا ما بعد اسلامی فارسی کو دلچسپی اور مطالعے کا موضوع بنا لیا گیا تھا؛ یہ صورت قدرتی اقتضا اور عملی ضرورت پر مبنی تھی مگر فارسی جدید سے بھی پہلے عربی تعلیم کا رواج ھو چکا تھا اور ارباب علم و فضل اس زبان کے لئے فارسی سے کہیں زیادہ اشتیاق و توجہ ظاھر کرتے تھے، سبب یہ تھا کہ اس میں اھل یونان خاص کر ارسطو کا فلسفہ محفوظ تھا اور مغربی یورپ اول اول اسی کے ذریعے سے یونانی علم و حکمت سے پورے طور پر مانوس ھوا۔ عربی

سے یورپ کی زبانوں میں جو تراجم ہوے وہ بارھویں صدی کے شروع میں سب سے پہلے اُن مور اور یہودی لوگوں نے کئے تھے جنھوں نے دین مسیح اختیار کر لیا تھا*، ان کے بعد ترجمہ کا کام خود اہل یورپ نے سنبھالا، سب سے پہلا مترجم جرارڈ قرمونی (ولادت سنہ ۱۱۱۴ع) تھا - دوسرا البرٹس میگنس (ولادت سنہ ۱۱۹۳ع) جو عربی لباس پہن کر پیرس میں فارابی، ابن سینا اور الغزالی کی تصنیفات کی مدد سے ارسطو کی تعلیم پر لیکچر دیا کرتا تھا - تیسرا میکائیل اسکاٹ، اس کی عربی تعلیم غالباً سنہ ۱۲۱۷ع میں بمقام طلیطلہ ہوئی تھی۔

(بارھویں صدی)

---

* قدیم مستشرقین کے متعلق دلچسپ اور مبسوط معلومات جن کتابوں میں ملتی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) "گے لیا اوریئنٹ تے لس" مصنفہ پال کلومے (ایپرا، ہیمبرگ سنہ ۱۷۰۹، صفحات ۱-۲۷۲)

(۲) "تاریخی حالات" یہ حالات نہایت عمدہ ہیں، گستاوِدُوگا نے اپنی مفید کتاب "مستشرقین یورپ، ۱۲ تا ۱۹ویں صدی" (پیرس ۱۸۶۸ع) میں ان کو شامل کیا ہے، ہم نے کتاب مذکور سے اس حصے میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے—

(۳) موسیو یورداں کا رسالہ جس میں مسائل ذیل کی ناقدانہ تحقیق کی گئی ہے- کتب ارسطو کے تراجم لاطینی کا زمانہ کیا تھا اور مترجمین کون تھے اور کون کون سی یونانی اور عربی شروح جو نصاریٰ کے علماء متکلمین کے درمیان متداول تھیں—

تیرھویں صدی میں راجر بیکن اور ریمنڈ لل نے اھل یورپ کو سمجھایا کہ فلسفے اور سائنس کے لئے مشرقی زبانوں کا سیکھنا نہایت ضروری

تیرھویں صدی

ھے - سنہ ۱۳۱۱-۱۳۱۲ ع میں پوپ کلیمنٹ پنجم نے یہ فرمان نافذ کیا کہ عبرانی' کلدانی* اور عربی کی تعلیم کے لئے روما ' پیرس ' بولون ' آکسفورڈ اور سلمنکا میں انتظام اور پروفیسروں کا تقرر کیا جائے' لیکن تیرہ برس نہ گزر نے پائے تھے کہ سنہ ۱۳۲۵ ع

چودھویں صدی

میں کلیسا نے اس پر شدید نگرانی شروع کردی کہ مبادا مسیحی اعتقادات کو صدمہ پہنچے - ان پانچ تعلیم گاھوں میں ھر جگہ دو دو پروفیسروں کی منظوری تھی جن کی تنخواھیں حکومت یا کلیسا کے ذمے تھیں اور جن کا کام یہ تھا کہ وہ ان زبانوں کی مشہور و بہترین تصنیفات کا لاطینی زبان میں صحیح ترجمہ کریں اور اپنے شاگردوں کو اغراض اشاعت عیسویت کے لئے ان کا بولنا سکھائیں—

لیکن معلوم ھوتا ھے کہ یہ مستحسن تجاویز ابتداءً کامیاب نہ ھوئیں اور

سولھویں صدی

تعلیم عربی میں کوئی معتد بہ ترقی نہ ھو سکی جب تک کہ فرانسس پنجم نے سنہ ۱۵۳۰ ع میں "کالج دے فرانس" کے نام سے ایک درسگاہ قائم نہ کی - ھر چند کہ آرمے گنڈ مون پی لیے†

---

* آرامی—

† مصنف لکھتا ھے : جہاں تک مجھے معلوم ھے فرانسیسوں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نے سنہ ۱۲۷۴ع میں مصنفات بو علی سینا اور ابن رشد کے بعض اجزا کا ترجمہ لاطینی میں کیا تھا مگر ایم توگا کی یہ رائے ھے کہ ولیم پوسٹل* پہلا فرانسیسی تھا جو "مستشرق" کے معزز لقب کا مستحق ھے اور بظاھر یہی وہ شخص ھے جس نے پہلے پہل عربی ٹائپ ایجاد کیا - سنہ ۱۵۸۷ع میں ھنری سوم نے کالج دے فرانس میں عربی پروفیسر کی اسامی قایم کی۔ اس کے چند سال بعد سیویر دے بریو فرانسیسی سفیر ھو کر قسطنطنیہ گیا - سیویری کو علوم مشرقیہ کا خاص ذوق تھا، اس نے مشرق میں عمدہ ٹائپ بنوائے اور انھیں پیرس لے گیا، جب وہ مرا تو ٹائپ کا یہ تمام سامان جس میں عربی، سریانی، فارسی، ارمنی اور حبشی ٹائپ شامل تھا سیویری کے عربی، ترکی، فارسی اور شامی مخطوطات سمیت لوی سیزدھم نے پادریوں کی مالی امداد سے خرید لیا اور شاھی مطبع کے حوالے کر دیا —

سترھویں صدی

لیکن فنون مشرقیہ کی تکمیل سترھویں صدی عیسوی سے شروع ھوتی ھے اور اُس وقت سے اب تک ترقی مسلسل و مستقل چلی جاتی ھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷)

میں آرمے گندس پہلا شخص ھے جس نے السنۂ مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی - طبیب تھا اور فلپ ابن سینٹ لوئی کے عہد ۱۲۰۰ میں ھوا ھے —

* ۹۵ یا ۹۶ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۵۸۱ع میں فوت ھوا، دیکھو گیلیہ اوریینٹ تیلس صفحہ ۵۹ تا ۶۶ —

مثلاً اس صدی میں سرطامس ایڈمز اور آرچ بشپ لاڈ کی کوششوں سے تعلیم عربی کی دو اسامیاں ایک تو کیمبرج (۱۶۳۲ع) اور دوسری اکسفورڈ (۱۶۳۶ع) میں قائم ہوئی۔ اکسفورڈ میں علامہ پاکاک کا تقرر کیا گیا اور کیمبرج میں علامہ ابراھیم وھیلاک کا جس کے متعلق عربی اور انگلو سیکسن کی تعلیم کے علاوہ یونیورسٹی لائبریرین کی خدمت بھی تھی۔ وھیلاک کے شاگردوں میں مشہور علامہ طامس ھائڈ تھا جو

طامس ھائڈ

بعد میں بمقام اکسفورڈ عبرانی و عربی کا پروفیسر ہوا۔ ھائڈ کی تالیف "قدیم اھالیان عجم و پارتھیہ و میڈیا کی تاریخ مذھب" کو، جو مؤلف کی وفات سے* کچھ بعد ایک سال پہلے سنہ ۱۷۰۰ع میں طبع بھی ہو گئی تھی، سترھویں صدی کے اختتام میں اس موضوع پر علماء کے انتہائی مبلغ علم کا ایک نمونہ سمجھنا چاھئے بلکہ اس کے بعد تک کا۔ کیونکہ آنکتیل ڈے پیروں کے فوائد علمیہ جن سے ایک نیا دور شروع ہوتا ھے سنہ ۱۷۶۳-۷۱ میں شائع ہوئی۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ھے کہ ہم اس موضوع کی ابتدا ھائڈ کے خیالات سے کریں کیونکہ اس کی محنت و دقیقہ سنجی، علم و تبحر اور کمالات لسانی کی بدولت اس کی کتاب اُس زمانے کی معلومات کے لحاظ

---

* ھائڈ نے ۱۷۰۱ع میں بوڈلین کے عہدۂ لائبریرین سے سبکدوشی حاصل کی اور ۱۸ فروری سنہ ۱۸۰۲ع میں رحلت کی، یہاں جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ھے وہ "تاریخ مذاھب..." (مطبوعہ ۱۷۶۰) طبع ثانی ھے —

سے جامع و مکمل ہے؛ ھائڈ کو ایک سہولت یہ بھی تھی کہ وہ بوڈلین کا مہتمم کتب خانہ تھا، اُس نے قدما کی جن کتابوں سے استفادہ کیا وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں :—

(۱) "سہ کتب" (مطبوعہ پیرس ۱۶۳۰ ' از بر نابی ڈے بریسون ' اس کتاب کے ماخذ خالص طور پر یونانی اور لاطینی مصنفین کے بیانات ہیں —

(۲) "مذہب پارسیاں *" سنہ ۱۶۳۰ ع از ھنری لارڈ —

(۳) "موجودہ ایران" از سانسون —

(۴) سفر نامہ پیڈرو ٹیکسرا (سنہ ۱۶۰۴ ع)—

(۵) سفرنامہ پیرو گبریل ڈے شی نون (سنہ ۱۶۰۸ - ۱۶۵۰ ع)—

(۶) سفر نامہ ڈے ورنیر (سنہ ۱۶۲۹ - ۱۶۷۵ ع) —

(۷) اولی اے ری اس (سنہ ۱۶۳۷ - ۱۶۳۸ ع)—

(۸) سفرنامہ تھوے نو (سنہ ۱۶۶۴ - ۱۶۶۷ ع)—

(۹) سفر نامہ شارڈاں (سنہ ۱۶۶۵ - ۱۶۷۷ ع)

(۱۰) سفر نامہ پیٹی ڈے لاکرا (سنہ ۱۶۷۴ - ۱۶۷۶ ع)—

---

* یہ ایک رسالہ ہے کیوں کہ اس کے کل صفحے ۵۳ ہیں ' پورے نام کے لئے دیکھو ضمیمہ کتاب ھذا - مصنف نے اپنا سرمایہ معلومات ایک پارسی سے جو کمپنی میں ملازم اور اوسط درجہ کی انگریزی جانتا تھا فراھم کیا تھا - اس کتاب میں پارسیوں کے اعتقادات کی نسبت جو کچھہ لکھا ہے وہ بہت کم ہے اور ژند و اوستا کی بابت تو اتنا بھی نہیں کہ براہ راست تو درکنار بالواسطہ واقفیت پر ھی مبنی ھو —

(۱۱) سفر نامہ سیموئل فلوور (سنہ ۱۶۶۷) —

ان کے علاوہ متعدد عربی، فارسی، ترکی، عبرانی، اور سریانی زبانوں کے مخطوطات تھے جن کو ھائڈ نے ایسے حسن لیاقت سے استعمال کیا ھے کہ ذھن عش عش کرتا ھے - اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دوستوں کے ذریعہ جو اُس وقت ھندوستان میں موجود تھے وھاں کے پارسیوں سے زبانی طور پر مزید حالات دریافت کرکے اپنے گلزار معلومات کو آراستہ کیا - مختصر یہ کہ اُس کی تالیف علم و فضل کی ایک یادگار ھے اور جب ھم اس زمانے کی مشکلات اور ذرائع تحقیقات کی کمی پر نظر دوڑاتے ھیں تو اس کتاب کی جامعیت پر رشک آتا ھے - مصنف کی براقی طبع کا یہ عالم تھاکہ بعض باتوں کو جن کی تصدیق و توثیق مدتوں بعد ھوئی اس نے اپنی پیش بینی سے پہلے ھی جان لیا تھا - چنانچہ اس نے عربی " ماہ " سے جو بعض مقامات کے ناموں کے ساتھہ لگا دیا جاتا تھا لفظ " سیڈیا " کا تعلق دریافت کرلیا تھا (صفحہ ۴۲۴)، وہ با خبر تھا کہ ایران کے پارسیوں میں ایک عجیب " گبری " بولی رائج ھے (صفحہ ۳۶۴ - ۴۲۹)، اُسے معلوم تھا کہ فرقۂ حروفی مانوی مذھب کی جدید صورت ھے (صفحہ ۲۸۳)، اُس نے البنداری کے نایاب عربی ترجمہ شاھنامہ کو خوب کھنگالا، پارسیوں کے آخر زمانے کی تصنیفات مثلاً " زر تشت نامہ " " صددر " اور فارسی ترجمہ " اردہ وراف " وغیرہ کا مطالعہ کیا بلکہ " صددر " کا پورا لاطینی ترجمہ بھی اپنی کتاب میں شامل کردیا ھے، اس کے سوا وہ " ژند " کے

رسم الخط* سے بھی واقف تھا —

ڈاکٹر ھائڈ کی قدیم فارسی زبانوں سے واقفیت

ڈاکٹر ھائڈ کی لیاقت و ذھانت کا تو یہ حال تھا مگر وہ پہلوی یا اوستا کی زبان سے بالکل نا بلد تھا' ژند اوستا یا اوستا و ژند کے معنوں کو بالکل غلط سمجھا اور اس نے ثابت کرنا چاھا ھے کہ قدیم ایرانی کتبے کوئی تحریر نہیں بلکہ محض عمارتی نقش و نگار ھیں - آنکتیل دوپیروں نے بھی اپنی کتاب کی تمہید صفحہ ۴۸۹ ' ۴۹۸ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ ھائڈ فارسی کی پرانی زبانوں میں سے ایک بھی نہ جانتا تھا بلکہ اوس کا سوءظن یہاں تک دوڑتا ھے کہ ھائڈ کی تصنیف میں اول سے آخر تک ژندی حروف گویا فارسی جملوں کا لباس ھیں جو پارسیوں کے بعد کے مرقومات سے لیکر نقل کردئیے گئے ھیں - لیکن آنکتیل کا یہ حملہ بےجا ھے اور اس کا ثبوت غیر ضروری ' کیونکہ ھائڈ کے پاس اوستا کا ایک قلمی حصہ واقعی موجود تھا اور اس نے " یاسنا " کے اُس

---

* سر ڈبلیو جونس نے ایک خط میں جس کا حوالہ بعد میں آئے گا (صفحہ ...) یہ لکھا ھے کہ ڈاکٹر ھائڈ نے جن " ژندی " حروف کا نمونہ اپنی کتاب میں درج کیا ھے اُس کا سانچہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے تیار کرا لیا تھا' یہ سانچہ نہایت عمدہ تھا اور جو سانچہ اوستا کی سب سے آخری طبع میں (باھتمام گیلڈنر) استعمال ھوا ھے اُس سے کہیں خوبصورت ھے —

قلمی نسخے * کو بھی دیکھا تھا جس کو سترھویں صدی کے وسط میں ایک انگریز تاجر موتی نے کیمبرج کے عمانویل کالج میں تحفے کے طور پر دیا تھا ، مگر وہ ان کو سمجھتا نہ تھا، کیوں‌کہ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں پڑھ سکتا تو ان بیش بہا مرقومات سے کام لیتا - اب یہ صاف ہوگیا کہ بجز حرفوں کے جنہیں ہائڈ نے استعمال بھی کیا ہے وہ قدیم فارسی زبان سے نا اشنا تھا - زرتشتی کتاب الہامی کے نام کی بابت اُس نے فرض کرلیا تھا کہ وہ غیر زبان کا دوغلہ لفظ ہے جس کا ایک جزو " ژند " بمعنی چقماق عربی ہے اور دوسرا 'اِشدا' بمعنی آتش ' عبرانی -

---

* دیکھو ہائڈ کی کتاب موصوف‌الصدر صفحہ ۳۴۴ وغیرہ - عمانویل کے نسخہ پر آجکل نمبر ۳ - ۲ - ۹ پڑے ہوے ہیں اور انگریزی میں یہ لکھا ہے " اس کتاب کا نام ' اِجاسلے ' (یاسدا) اور اس کی زبان ' جیزن وستا ' (ژند اوستا) اور اس کا موضوع قدیم مذہب پارسیاں ہے " - اس کے ساتھ ایک ردی کاغذ بھی ہے جس پر بزبان جرمن یہ تحریر ہے کہ یہ کتاب یاسدا کا نسخہ ہے غیر مکمل ' صرف دو باب ۵۰ سطر ' (ویسٹر گارڈ) تک جاتاہے یعنی آخری چوتھا حصہ اس میں سے غایب ہے؛ اس نسخے پر کوئی تاریخ بھی نہیں ' غالباً سترھویں صدی کے وسط کا ہو - گو کہ یہ نسخہ خود تو قدیم نہیں مگر ہے کسی اچھے نسخہ کی نقل - اس کی عبارت مستند نسخوں سے ملتی ہے مگر کامل طور پر ایک نسخے سے بھی نہیں ملتی- نسخہ ک - ۱۱ سے بہت ہی مطابق پایا جاتا ہے ' املا درست ہے - چونکہ یہ بھی بجائے خود ایک مستقل قلمی نسخہ ہے اس لئے متن قائم کرنے کےلئے خاص اہمیت رکھتا ہے —

کلدانی (کتاب ھائڈ صفحہ ۳۳۵ و بعد)۔رھے قدیم فارسی کتبات ان کو وہ فضول چیزیں تصور کرتا ھے اور کہتا ھے کہ ان کو دیکھکر لوگوں کو استعجاب ضرور پیدا ھوا ھے مگر بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان پر توجہ مبذول کی جاے (صفحہ ۵۴۶) - الغرض وہ نہایت شد و مد کے ساتھہ یہ بیان کرتا ھے کہ کتبے نہ تو کتبے ھیں اور نہ ان کی عبارت فارسی قدیم (۵۴۷) بلکہ وہ اصل معمار کے اختراعی نقش و نگار ھیں (۵۵۶ - ۵۵۷)—

نقش رجب پر دوسری عبارتوں کے قریب جو پہلوی سطریں کندہ ھیں اُن کے خط کو بھی وہ کسی قسم کا فارسی خط تسلیم نہیں کرتا ، نیز ساسانی پہلوی کے کتبے نمبر ایک اور چار کی بابت وہ خامہ فرسائی کرتا ھے کہ ''یہ حروف قدیم فارسی کے حروف نہیں ھو سکتے، قدیم فارسی کی قدیم کتابیں ھمارے پاس موجود ھیں اور یہ حروف ان کتابوں کے حروف سے بالکل مختلف ھیں'' صفحہ (۵۴۸) —

آنکتیل دوپیرون ۱۷۵۴ - ۱۷۷۱ ع

سنہ ۱۷۵۴ ع تک ایران کے متعلق معلومات کی یہ حالت تھی جو مذکور ھوئی، اوستا کے خیالات سربستہ کو زیادہ سمجھنے کی کوئی مزید کوشش نہیں ھوئی تھی حالانکہ اس وقت تک اُس کے دو ایک نسخے انگلستان پہونچ چکے تھے مثلاً وندیداد کی ایک جلد جس کو جارج بوث شیر (باؤ شیر) نے ھندوستان کے پارسیوں سے سنہ ۱۷۱۸ ع میں حاصل کیا تھا اور ریچرڈ کاب نے سنہ ۱۷۲۳ ع میں انگلستان پہونچا کر بوڈلین لائبریری

میں پیش کیا جو اب تک وہاں موجود (ہے بوڈلین نمبر ۱ ۳۲)؛
اور یاسنا کے دو نسخے جن کو فریزر نے سورت میں خریدا تھا،
فریزر نے بعض پارسی دستوروں سے خواہش بھی کی تھی کہ وہ
اُس کو پہلوي اور اوستا کی زبانیں سکھا دیں مگر وہ اس
خواهش میں تشنہ کام رہا - آخرش سنہ ۱۷۵۴ ع میں وینڈیداد
کے بوڈلین والے نسخہ کے چار صفحوں کی نقل ایک نوجوان
فرانسیسی آنکتیل دو پیرون کے ہاتھہ لگ گئی جس کا سن
اس وقت بیس سے زیادہ نہ ہو گا، ورقوں کو دیکھکر اس
نو جوان سے جس کے پہلو میں سچا فرانسیسی دل تھا، نہ رہا
گیا، تحقیق و طلب علم کے جوش نے گدگدایا اور وہ اپنے ملک و
وطن کے واسطے شرف دوام حاصل کرنے کو کھڑا ہو گیا، اس
نے عزم بالجزم کیا کہ اس قدیم مذہب کے دفینوں کو پارسی
دستوروں کے قبضہ سے نکال کر علمی دنیا کے سامنے آئین زرتشت
کا ایک ایسا جامع حال پیش کرنا چاہئے جو غیر پارسی یا
موجودہ زمانے کی پارسی تحریروں سے ماخوذ نہ ہو بلکہ
خود قدیم اور الہامی کتابوں پر مبنی ہو۔ علمی شوق اور
جوانی کی اُمنگ نے سفر کے لئے اُس کو اس قدر بے چین کر دیا
تھا کہ سلطنت کی جانب سے مالی امداد اور سامان سفر کا
وعدہ تھا مگر اُس کو تاب انتظار نہ ہوئی اور وہ فوراً
فرانسیسی ایست انڈیا کمپنی میں بہ حیثیت ایک معمولی
سپاهی کے بھرتی ہو گیا تاکہ جلد سے جلد ہندوستان جا پہنچے:
اُس کا ارادہ اس قدر پختہ اور اس کا جوش اس قدر سچا تھا
کہ با وجود مشکلات و مایوسی، مخالفت و بے اعتنائی، صعوبت

و بیماری، آفات بحر اور خطرات جنگ کے وہ سات برس چھہ
ماہ تک اپنی دھن میں لگا رہا حتیٰ کہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۷۶۲ع
کو طویل و پر خطر جلا وطنی کے بعد اپنے وطن پیرس پہنچا
اور اپنی فوق البشر کاوشوں کے جواہرت یعنی قیمتی نسخوں
کو شاہی کتب خانہ (بب لیوتھک تورائے) کی گود میں لا ڈالا۔
لیکن اُس کی جد و جہد یہیں ختم نہیں ہوتی، ترتیب مضامین
اور تنقید مسائل میں اُس کو نو برس تک صبر و خاموشی کے
ساتھہ اور دماغ سوزی کرنی پڑی - بالآخر سنہ ۱۷۷۱ع میں اُس
کی مساعی کا آخری مگر مدلل کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں
تیار ہو کر اس طولانی نام کے ساتھہ دنیا کے سامنے آیا:—

ژند اوستا یا کتاب زوراستر جس میں
اس مقنن کے مذہبی، مادی اور اخلاقی
خیالات اور اُس کی قائم کردہ مذہبی رسوم
درج ہیں جن میں ایرانیوں کی قدیم تاریخ
کے مضامین فرانسیسی ترجمے و حواشی کے
ساتھہ شامل ہیں اور جس میں چند ایسے
رسالے بھی داخل کر دئے گئے ہیں جو کتاب
کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں—

یہ تالیف یورپ میں کامل طور پر دور آفریں یا بقول
جرمنوں کے " راہ تراش" کتاب تھی۔ آنکتیل نے جس کام کا بیڑا
اُٹھایا اس کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا۔ رہی تفصیل کی
چھان بین یہ اُس کے جانشینوں کا کام تھا - آنکتیل کی کتاب
اس عنوان کی پہلی کتاب تھی اس لئے قدرتی طور پر اس میں

غلطیوں * کا ہونا ضرور ہے تاہم اس کتاب کا پایہ نہایت بلند ہے ، اُس وقت سے آج تک زرتشتی مذہب اور زبان کی بابت جس قدر ادبی ، لسانی ، قومی اور فلسفیانہ انکشافات ہوے ہیں وہ سب آنکتیل کی کاوش کا طفیل ہے —

آنکتیل کی اُلوالعزمیاں

آنکتیل کی تفصیل سفر کے لئے یہ مقام موزوں نہیں ، اس کا جامع حال خود اُس کی کتاب جلد اول (صفحہ ۱ — ۴۷۸) میں ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفحات صرف اس کے ذاتی حالات سے بھرے ہوے ہیں جن کا حذف کردینا شاید ایسا ہی مفید ہوتا جیسا ان کا اندراج ، بہر حال اس میں کچھ کلام نہیں کہ ان حالات کی بدولت اس کتاب کو تحقیر و ملامت کا نشانہ بنانے میں اس کے دشمنوں کو بہت آسانی ہوئی ، گویہ تحقیر جو اس کتاب کو نصیب ہوئی صرف عارضی تھی - بہر کیف اس کے سفر کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اُس نے تھوڑا سامان لیا جس میں چند کتابوں کے علاوہ دو قمیصیں ، دو رومال اور ایک جوڑہ جراب کا تھا ، بھائی کے سوا جو اخفاے حال کا پابند کرلیا گیا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہ کی اور ۷ نومبر سنہ ۱۷۵۴ ع کو اپنی پلٹن کے ساتھہ جس کے افراد کو وہ ناپسند کرتا تھا اور جن کو وہ " یہ وحشی " کہہ کر یاد کرتا ہے اور پیرس سے لوریاں

---

* مثال کے لئے دیکھو ہوگ کی کتاب " پارسیوں پر مضامین " مرتبہ ویسٹ (دوسری ایڈیشن لندن ۱۸۸۴ ع) صفحہ ۲۴ —

(" مشرق ") کی جانب روانہ ہوا - ۱۶ نومبر کو جب یہاں
پہنچا تو اُس کو سرکاری اطلاع موصول ہوئی کہ شاہ فرانس
نے بطور مراحم خسروانہ پانسو فرانک کا وظیفہ اور فرانس
سے ہندوستان تک فرسٹ کلاس کا کرایہ منظور فرمایا ہے -
اس کے بعد ۷ فروری سنہ ۱۷۵۵ ع کو وہ جہاز میں سوار
ہوکر ہندوستان روانہ ہوا اور چھہ ماہ کی مسافت کے بعد
۹ اگست کو پانڈی‌چری پہنچا جہاں گوپل کمانڈر فرانسیسی
افواج نے تپاک کے ساتھہ اُس کا خیر مقدم کیا - پہنچتے ہی
اُس نے فارسی شروع کردی جو بعد میں پارسی دستوروں
اور اُس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنی ' تین سال
سے زیادہ کے بعد یکم مئی سنہ ۱۷۵۸ ع کو وہ سورت آیا جو
اُس وقت تو فرانسیسوں کے قبضہ میں تھا مگر مارچ سنہ
۱۷۵۹ ع میں ان کے ہاتھہ سے نکل کر انگریزوں کے مقبوضات
میں داخل ہوگیا - اس اثنا میں آنکتیل نے اپنے مقصد کے لئے جو
کچھہ کیا وہ کچھہ نہ تھا ' بظاہر اس تعویق کا باعث کچھہ تو
یہ ہوا کہ وہ پورے ہندوستان کے مذاہب ' رسوم ' السنہ '
اور نوادر و عجائبات کے معلوم کرنے میں لگ گیا (کیوں کہ
اُس کی اصل تجویز میں پورا ہندوستان شامل تھا) اور
کچھہ یہ کہ اُس زمانے میں سیاسی پیچیدگیوں کا جال سا
پھیلا ہوا تھا - تاہم گونا گوں دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا وہ
تاریخ مذکور کو سورت آیا اور یہاں دو پارسی موبدوں سے جن
میں سے ایک کا نام داراب اور دوسرے کا کاؤس تھا ربط‌ضبط پیدا
کیا- تین ماہ کی تھک بازیوں اور لیت و لعل کے بعد ان پارسیوں

نے آنکتیل کو وینڈیداد کا ایک نسخہ دیا اور کہا کہ یہ بالکل صحیح اور مکمل نسخہ ھے مگر آنکتیل نے بنظر احتیاط ایک دوسرے نسخے کی فکر کی اور اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔منوچہر جی ایک اور دستور تھا' فروعی اختلافات مذہبی کے سبب داراب اور کاؤس سے اُس کا دل صاف نہ تھا ' ان کی ضد پر اُس نے فرانسیسی محقق کو ایک دوسرا قدیم اور عمدہ نسخہ وینڈیداد کا لاکر دیا - آنکتیل نے اُس کو پہلے سے ملایا تو اُس کو جلد پتہ چل گیا کہ پہلے حضرات نے دیدہ و دانستہ اُس کو ناقص نسخہ دے دیا تھا - آنکتیل نے اُن سے اس حرکت کی شکایت کی اور قائل معقول کیا'اب یہ دونوں ذرا زیادہ کھل گئے اور دھوکے کی باتوں سے بچنے لگے ' آنکتیل کو نئی نئی کتابیں لاکر دیں ' مثلاً داستان سنجان ' جس کا خلاصہ اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۸ - ۳۲۴ میں دیا ھے ' داستان سنجان میں یہ بیان کیا گیا ھے کہ ھندوستان میں وینڈیداد اور اُس کی پہلوی تفسیر کے جس قدر نسخے موجود ھیں وہ سب ایک فارسی کے اصل نسخے کی نقلیں ھیں جس کو ایک موبد مسمی ارد شیر چودھویں صدی عیسوی کےقریب سیستان سے لایا تھا ' اس کے علاوہ ان تعلقات کی تفصیل بھی درج ھے جو وقتاً فوقتاً ھندی اور ایرانی پارسیوں کے درمیان قائم رھے—

آنکتیل کی تصنیف | ۲۴ مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع کو آنکتیل نے لغت " پہلوی فارسی " کا ترجمہ پورا کیا اور اس کے چھہ روز بعد وینڈیداد کا ترجمہ شروع کردیا ' دوران ترجمہ میں اس کتاب کے دونوں نسخوں کو مطابق

کرتا جاتا تھا ' آخرش ۱۶ جون کو اسے بھی ختم کیا - پھر علالت نے آدبوچا ' اسی حالت میں اس کے ایک هموطن نے اس پر وحشیانہ طریق سے حملہ کیا اور پانچ ماہ تک اسے کام کا هوش نہ رها - صحت پائی تو ۲۰ نومبر کو پھر اپنی دھن میں مصروف هوا - دستور داراب بھی برابر مدد دیتا رها - اس اثنا میں بعض انگریزوں نے بھی اس کی حفاظت و اعانت کی' خاص کر مسٹر اسپنسر نے جس کی تعریف میں وہ رطب اللسان ھے (صفحہ ۳۴۶) اور ارسکن نے - جب آنکتیل یاسنا ' وسپیرو' وینڈیداد' پہلوی بندهش' سی روزہ ' روایات وغیرہ کے ترجموں سے فارغ هوا تو اس نے آتش کدہ میں جاکر " آتش پاک " کو دیکھا اور دخموں کی سیر کی مگر اس کی بیماری عود کر آئی اور اس مرتبہ اس کو اندیشہ پیدا هوا کہ مبادا اوس کی جانکاهیوں کا قیمتی ثمر تلف نہ هوجائے اس نے اور سفروں کا خیال جس میں سفر چین بھی شامل تھا دل سے نکال ڈالا اور سورت سے بمبئی کا عزم کیا - سفر میں انگریزوں نے پھر اس کی مدد کی حالانکہ انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑی هوئی تھی لیکن آنکتیل ذرا نہ جھجکا اور ان سے مدد چاهی جن کو وہ مقدمہ کتاب صفحہ ۴۳۱ میں " عالی ظرف " کے لقب سے یاد کرتا ھے ' بمبئی پهونچکر ایک ماہ سے زیادہ قیام کیا۔ ۲۸ اپریل سنہ ۱۷۶۱ ع کو برسٹل جہاز میں اپنے قیمتی نسخوں کو جو تعداد میں ایک سو اسی (۱۸۰) [دیکھو ان کی فہرست

جلد اول صفحہ ۵۲۹ - ۵۴۱ پر] تھے ۱۷۵۱ ' خود سوار ہوا اور
اسی سال ۱۷ نومبر کو پورٹس متھہ پہنچ گیا ' یہاں
ایک پریشانی اس کی منتظر تھی ' جونہی بندرگاہ پر اُترا
اس کے مسودات اور نسخے تو چنگی کی تحویل میں
چلے گئے اور وہ خود معہ دیگر فرانسیسوں کے جنگی قیدی
بن کر وکہم میں داخل ہوا - لیکن چونکہ وہ انگریزی
حفاظت میں بسر کر رہا تھا اور صحیح معنوں میں اسیر جنگ
نہ تھا لہذا اس کو بہت جلد فرانس جانے کی اجازت
مل گئی - تاہم اگرچہ طویل بے وطنی کے بعد وطن کا شوق
اس کے پہلو میں موجزن تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ
اپنے بیش بہا اور مشکل یاب مرقومات کو جن کا خیال اس کے
دل میں سمایا ہوا تھا ' سلامتی کے کنارے پر پہنچانے کے
لئے بےچین تھا لیکن اوکسفورڈ کی مختصر زیارت اور
اوکسفورڈ کے نسخہ جات اوستا کا مطالعہ کئے بغیر وہ
انگلستان سے ہلنا نہیں چاہتا تھا - اس نے ایک مقام پر
(صفحہ ۴۵۴ خود بیان کیا ہے :—

'' میں نے صاف صاف کہدیا کہ چونکہ
انگریزوں نے مجھکو خلاف قاعدہ قید کیا
اس لئے جب تک کہ میں اوکسفورڈ کی
سیر نہ کر لوں گا اس وقت تک انگلستان
سے نہ جاؤں گا - یورپ کو واپسی کے وقت
مجھے انگلستان کی راہ مجبوراً اختیار
کرنی پڑی ' مجبوریوں میں ایک بات یہ

بھی تھی کہ میں اپنے نسخوں کو اس مشہور
یونیورستی کے نسخوں سے مقابلہ کرنا
چاھتا تھا '' —

الغرض تعارفی خطوط کافی تعداد میں لےکر ۱۷ جنوری سنہ ۱۷۶۲ع کو اکسفورڈ پہونچا ' یہاں دو دن قیام کیا اور وکہم پورٹس متھہ اور لندن ہوتا ہوا گریوسینڈ گیا جہاں سے ۱۴ فروری کو جہاز میں بیٹھہ کر آستنڈ چلا آخرکار ۱۴ مارچ سنہ ۱۷۶۲ ع کو پیرس پہنچ گیا اور دوسرے دن اپنے قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانے میں داخل کردیا —

تصنیف آنکتیل کی نا مقبولیت

آنکتیل نے اپنی کتاب کو سنہ ۱۷۷۱ع میں شایع کیا لیکن اس کے ذریعہ سے اوس نے علم و فن کی جو اهم خدمت انجام دی تھی وہ علمی دنیا کے ذہن نشین نہ ہوسکی۔ زرتشت کے عمیق فلسفی خیالات کی قدر همیشہ سے ہوتی چلی آئی تھی حتیل کہ یونان و روم بھی ان کا ثناخواں تھا لہذا اس کتاب سے علما و شایقین کو امید تھی کہ وہ عقل و دانش کا ایک مرقع ہوگی لیکن اس کی بجاے انہوں نے طفلانہ خرافیات ' خشک اعتقادات' تھکا دینے والے مکررات اور مضحک احکام کا ایک لا یعنی انبار دیکھا تو ہر طرف مایوسی کا عالم طاری ہوگیا ' آنکتیل بھی اس حالت سے آگاہ تھا بلکہ اُس نے مقدمے کے صفحہ ۱-۲ میں اس امر کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی

مگر یہ مایوسی سر ولیم جونس کے مشہور خط میں بلائے بے درماں کی طرح نمودار ہوئی - سر ولیم اس زمانے میں آکسفورڈ کے ایک نو جوان* گریجویٹ تھے - یہ خط جو فرانسیسی زبان اور والٹیر کے لہجے میں ہے ان کے کلیات (لندن ۱۷۹۹ع) کے آخر میں جلد چہارم صفحہ ۵۸۳ تا ۶۱۳ پر ہے، ۱۷۷۱ کا نوشتہ ہے اور یہ وہی سال ہے جبکہ آنکتیل کی کتاب شایع ہوئی تھی، اس کا طرز بیان جس قدر شستہ اور پر زور ہے اُسی قدر اس کے مطالب غضب آلود اور حقیقت سے دور ہیں - جونس نازک مذاق ادیب تھا اور آنکتیل کی عبارت میں طوالت بہت، اور حسن بیان مفقود تھا، پہلے تو جونس یوں برہم ہوا، اس پر آنکتیل نے کتاب میں جہاں حالات سفر لکھے ہیں وہاں ذرا خود ستائی سے بھی کام لیا ہے پھر انگریزوں کو بالعموم اور آکسفورڈ کے فضلا کو بالخصوص مذمت کا نشانہ بنایا ہے، اس انداز کو دیکھکر جونس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، بلکہ ان خیالات نے اُس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ مبتذل ہجو و دشنام پر اُتر آیا اور اس کے حریف نے جو کچھہ انکشافات کئے تھے اُن کی زبردست اہمیت حتی کہ اُن کی حقیقت سے قطعاً انکار کر دیا حالانکہ یہ انکشافات اس پایہ کے تھے کہ آنکتیل کی سخت تر لغزشوں کی تلافی کرسکتے تھے - ڈارمشتیٹر نے اس موقع پر خوب کہا ہے کہ "ژند اوستا

---

*جونس کو بی - اے پاس کئے تین برس ہوئے تھے - عمر پچیس سال کی تھی - یونیورسٹی کالج کا فیلو تھا - ۴۸ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۷۹۴ع میں مرا --

کو اپنے پیش کرنے والے کے قصور کا خمیازہ بھگتنا پڑا ' آنکتیل کی بدولت زوراسٹر کی پوری قدر نہ ہوئی—

آنکتیل کی حمایت

حقیقت یہ ھے کہ اُس زمانے میں انگلستان و فرانس مصروف پیکار تھے' فرانسیسی ھمارے ھاتھہ سے زک اُٹھا چکے تھے' آنکتیل کو با وجود جنگی قیدی نہ ھونے کے ھمارے حدود میں قید کر لیا گیا تھا ' اگر ھم انگریزوں کے متعلق آنکتیل کی تحریر کو ان حالتوں کی عینک سے دیکھیں تو وہ انتہا درجے معقول اور مناسب نظر آئے گی بلکہ بحیثیت مجموعی وہ ھمارے لئے باعث مسرت و ناز ہو سکتی ھے - ثبوت میں اُس کی وہ پر جوش تعریف موجود ھے جو اس نے مسٹر اسپنسر کے لئے قلمبند کی (تمہید صفحہ ۳۴۶)' وہ الفاظ موجود ھیں جو اُس نے انگریزوں کی عالی ظرفی کے متعلق لکھے ھیں کہ یہ لوگ ایک مصیبت زدہ بلکہ دشمن قوم کے مصیبت زدہ شخص کے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرتے ھیں (تمہید صفحہ ۴۳۱)' وہ بیان موجود ھے جس میں اُس نے مہماں نوازی اور نزاکت احساس کا اعتراف کیا ھے' اور اسی قسم کی اور تعریفیں - رھا یہ کہ وہ آکسفورڈ کے ایک دو عالموں اور ڈاکٹر سونٹن کے ڈیل ڈول اور سہ گوشہ ٹوپی پر منہ آیا یا اُس نے ڈاکٹر ھنٹ کے بے موقع مزاح اور ڈاکٹر بارٹن کے مغرور اور مجسٹریٹ نما تیوروں کی تحقیر کی' یہ باتیں فی نفسہ مضرت و عناد سے پاک ھیں - مختصر یہ کہ آنکتیل کی کتاب میں کوئی مقام ایسا نہیں کہ جونس کی شدید تضحیک یا رکیک الفاظ کا سزاوار ھو سکے

اور یہ تو کسی عنوان جائز نہ تھا کہ جونس نے اس کتاب کی اهمیت اور علمی حیثیت سے انکار کر دیا اور اس ماہ نو پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جو ایسے غیر متوقع اور یقینی طور پر تاریخ و زبان علم اللسان اور دینیات مقابلی کے اکثر مسائل کو روشنی میں لانے والا تھا ۔ ذیل میں چند نمونے درج کرتے هیں جن سے اُس کے خط کا عام لب و لہجہ معلوم هو جاے گا :—

سر ولیم جونس کے خط کے اقتباسات

" اے جناب، ایک اجنبی کا خط موصول هونے پر تعجب نہ کیجئے گا۔ یہ اجنبی سچی قابلیت کی قدر جانتا ھے اور آپ کی قیمت بھی دریافت کرنے سے قاصر نہیں ' اجازت دیجئے کہ هم آپ کو آپ کے گراں قدر انکشافات پر مبارکباد دیں ؛ آپ نے اکثر موقعوں پر اپنی جان گرامی کو خطرے میں ڈالا، متلاطم سمندروں کو کاٹا، پہاڑوں کو جن میں شیروں کی کثرت تھی ' طے کیا ' جیسا کہ آپ نہایت صفائی اور انکسار کے ساتھہ خود بیان کرتے هیں آپ کی رنگت سوسن آزاد اور گل گلاب کی طرح سرخ و سفید تھی' آپ نے اس رنگت کو بگاڑا بلکہ اِن مصیبتوں سے بھی زیادہ آپ نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور یہ محض علم و ادب اور ان لوگوں کی خاطر جو آپ

کے مثل ہونے کی نادرالوجود مسرت رکھتے ہیں —

آپ نے وہ دو قسم کی قدیم زبانیں حاصل کیں جن سے یورپ آشنا نہ تھا اور فرانس میں وہ کتابیں پہنچائیں جو آپ کی محنتوں کا ثمر اور زوروآستر کی تصانیف ہیں ' آپ نے اپنے دلچسپ ترجمے سے اہل علم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ' آپ نے اپنی ہوس کے منتہا ' اپنی پر جوش تمناؤں کے مقصد کو پالیا اور آپ جمعیت کتبات کے رکن بن گئے ہیں —

جیسا کہ ہمارا فرض ہے ہم اس ممتاز اور عالی مرتبہ جمعیت کی عزت کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ اس جمعیت کی رکنیت سے بھی زیادہ معزز لقب کے مستحق ہیں .... کادموس سے بھی بڑے سیاح ہیں اور کادموس کی مثل آپ نے نئے نئے اشخاص اور نئے نئے دیوتاؤں سے ہمیں روشناس کرایا ہے - سچ پوچھئے تو آپ کو کم از کم مجوس اعظم یعنی گبروں کا لاٹ پادری بنا دینا چاہئے' زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس جدید عہدے پر مقرر ہونے کے بعد آپ اپنی تحریروں میں گرمی بیان کو قدرے بیشتر

کام میں لانے کا موقع پائیں گے —

آپ ایک سیاح ہیں ، فاضل ہیں ، محقق نوادر ہیں ، ہیرو ہیں ، ہجو باز ہیں ، غرض وہ کون سا خطاب ہے جس کے آپ مستحق نہیں —

اب جناب! آپ ہمیں صحیح صحیح کہنے کی اجازت دیں کہ آپ کی الوالعزمی، آپ کے سفر و سیاحت ، آپ کی تین مجلدات اور آپ کے علم و تبحر کی نسبت ، جس کا آپ نے جی کھول کر اظہار کیا ہے ، ارباب فضل کیا خیال کرتے ہیں - ہر شخص کو چاہئے کہ وہ حقیقی علم و فضل کا اعتراف کرے لیکن ہر چیز اس قابل نہیں کہ اُس کا حال معلوم کیا جائے - سقراط نے جب ایک جوہری کی دکان کی کھڑکی دیکھی تو بولا ''کس قدر چیزیں ایسی ہیں جن کی مجھے حاجت نہیں '' اسی طرح جس وقت ہم مدعیان فضل و کمال کی تصانیف پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ''کس قدر باتیں ایسی ہیں جن کے حاصل کرنے کی ہمیں پروا نہیں ؛ اگر آپ اس آخری بات پر غور فرما لیجئے تو آپ ان لا طائل فضول معلومات کو ہم تک پہنچانے کے لئے موت کا مقابلہ

نہ کرتے .... اگر یہ دلائل کامل طور
پر غلط نہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ آپ کا
مقصد نہ تو پاکیزہ تھا اور نہ اھم ' مہذب
یورپ کو آپ کی ژند وستا کی مطلق ضرورت
نہ تھی ' آپ نے اس کا ترجمہ فضول کیا اور
آپ نے ۱۸ سال میں خواہمخواہ وہ وقت
ضائع کیا جو آپ کے لئے انتہا درجہ
قیمتی ہوگا —

کس قدر بے وقعت ھے اُس بات کا
جاننا جسے کوئی شخص نہ تو جانتا ھے اور
نہ جاننا چاھتا ھے - عام طور پر خیال کیا
جاتا ھے کہ آپ یورپ کے ھر ایک عالم سے
زیادہ ژند کے الفاظ جانتے ھیں یا بالفاظ
دگر سخت اور ثقیل اور وحشیانہ الفاظ
کا ذخیرہ جو آپ کے ذھن میں محفوظ ھے
اوروں سے زیادہ ھے' کیا آپ کو خبر نہیں
کہ زبانوں کی ذاتی قیمت کچھہ نہیں .....
علاوہ ازیں' کیا آپ کو واقعی یقین ھے کہ
آپ نے ایران کی قدیم زبانیں سیکھی ھیں؟
آپ کی اجازت سے ھم یہ عرض کرنا چاھتے
ھیں کہ اگر ایران کی بولیاں زوروآستر کی
صرف ان مفروضہ کتابوں ھی میں محفوظ
ھیں اور جو علاوہ اور عیوب کے مکررات

لاطائل سے پر هیں تو همارے لئیے ممکن نہیں
کہ اُن زبانوں کو کبھی حاصل کر سکیں —
لیکن شاید آپ کہیں گے " تو پھر کیا
تمہارا یہ شبہ ھے کہ میں نے لوگوں کو دھوکا
دینا چاہا ھے" - نہیں جناب همارا خیال یہ
نہیں ھے، بلکہ تم خود دھوکے میں ھو - اس
وقت تک هم کو آپ سے اس کے سوا اور کوئی
شکایت نہیں کہ آپ نے هم کو سلا دیا اگرچہ
سلانا بجائے خود کوئی جرم نہیں، کیونکہ
جو لوگ ان خواب آور بخارات سے ڈرتے
هیں اُن کے لئیے آسان صورت یہ ھے کہ وہ
اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں جس میں سے
یہ بخارات اُٹھتے هیں یا مطالعہ کریں تو اسے
بھلا دیں؛ پرهیز بھی ایسا هی اچھا ھے جیسی
کہ دوا قدرتی ھے -آپ کے طرز بیان کے متعلق جو
ٹھوس، پست، ناشستہ، ثقیل، موضوع سے
عموماً نا مربوط، انمیل اور بہر حال ناگوار
ھے، هم کچھ کہنا نہیں چاهتے........البتہ
آپ کی تحریر کے آخری حصے کی نسبت
کچھ کہنا باقی ھے........آپ کے زوروآسٹر
صاحب نے نا شکر گزاروں کی کیا سزا رکھی
ھے؟- انہیں بیل کا پیشاب کسقدر پینے پر
مجبور کیا جاتا ھے ؟ - جناب کو مشورہ

دیا جاتا ہے کہ جناب بھی اس پوتر اور پوترساز عرق کی ایک خوراک استعمال فرمائیں —

بندہ نواز! ڈاکٹر ھنٹ کی ملاقات کا ہمیں بھی شرف حاصل ہے اور ان کی تعظیم پر ہم کو ناز ہے، وہ کسی شخص کو دھوکا دینے کے ناقابل ہیں؛ ڈاکٹر موصوف نے نہ تو ہم سے اور نہ آپ سے کبھی یہ دعوی کیا کہ وہ ایران قدیم کی زبانیں جانتے ہیں، ہماری طرح اُن کا بھی خیال ہے کہ ایران کی زبانیں کوئی شخص نہیں جانتا اور جب تک وہ تمام تاریخیں، نظمیں اور مذہبی کتابیں جن کو خلیفہ عمر اور ان کے سپہ سالاروں نے سخت عناد کے جوش سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر برباد کیا دوبارہ دستیاب نہ ہو جائیں اُس وقت تک کوئی شخص اُن کو جان بھی نہیں سکتا، اس بنا پر دنیا کی خاک چھان کر اپنی پھول سی رنگت کو تباہ کرنا فضول حرکت ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر موصوف کو ان زبانوں کی لاعلمی کا ذرا افسوس نہیں ؛ وہ اس نعمت کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اُنھیں موجودہ فارسی میں کمال حاصل ہے، وہ فارسی جو سعدی، کاشفی

اور نظامی کی زبان ہے اور جن کی کتابوں
میں نہ تو 'برسوم' اور نہ 'لنگم' آیا ہے نہ
مضحک رسوم اور نہ وہمیات کا ذکر ہے
بلکہ ناسپاسی اور دروغ بافی کی سخت
مذمت کی گئی ہے—

جناب کو اس بات پر فخر ہے کہ ڈاکٹر
ہائڈ ایران کی قدیم زبانوں سے واقف نہیں؛
لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں......... آپ نے
ڈاکٹر ہائڈ پر اعتراض کیا ہے کہ وہ
'پانچ گاھوں' کے معنی "دن کے پانچ حصے"
سے نا آشنا ہیں؛ 'توں' کی بجائے 'تو'
کہتے ہیں اور وہ اس بات سے بے خبر ہیں
کہ اہرمن' جو آپ کے ایرانی شیطان کا
نام ہے' انگری مینیوش جیسے خوش آواز
لفظ کا مخفف ہے اور یہ محض اس وجہ
سے کہ آپ کے نزدیک انگری اہر سے اور
مینیوش من سے بدل کر اہرمن بن گیا ہے۔
اسی طرح ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ
انگری کو ڈی اور مینیوش کو آبل سے
بدل کر لفظ ڈی آبل (شیطان) بنا لیا
گیا ہے"—

اس کے بعد سر ولیم آنکتیل کے ترجمے کا خاکہ اُڑاتا ہے'
لیکن یہ مشکل ہی کیا ہے' ایک ایسی کتاب کا ترجمہ جو

ہمارے نزدیک اُن مزخرافات سے لبریز ہو جیسی کہ ہر ایک قوم کی ابتدائی تصنیفات میں کسی نہ کسی حد تک ضرور ہونی چاہئیں' آنکٹیل کے ترجمے سے بہتر بھی ہو' تو بھی اُس پر اعتراض وارد ہو سکتے ہیں' سر ولیم نے اپنے دلائل کی تلخیص اس طرح کی ہے :—

"یا تو زوروآسٹر میں معمولی عقل بھی نہ تھی یا اُس نے وہ کتاب ہی تصنیف نہیں کی جو تم اُس سے منسوب کرتے ہو؛ اگر وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھا تو عامۃ الناس کی صف اور تاریکی میں اُس کو چھوڑ دینا چاہئے تھا؛ اگر یہ تصنیف ہی اُس کی نہیں تو اُس کے نام سے اس کو شائع کرنا بے شرمی ہے۔ لہذا تم نے یا تو مزخرافات پیش کر کے اپنے ناظرین کے ذوق کی توہین کی یا کذب فروشی سے انہیں دھوکا دیا : دونو حالتوں میں تم اُن کی تذلیل و نفرت کے مستحق ہو"—

آنکٹیل کو بدلہ مل گیا

جونز کے خط نے اگرچہ آنکٹیل کی فیروزمندی اور جائز فخر میں مشکلات پیدا کیں اور اس سے زیادہ یہ کہ بعض ماہران فن اور اہل علم کو اُس کی تحقیقات کی اصل قیمت سمجھنے سے قاصر بھی رکھا مگر اب خود اُس خط کی کیا قدر رہ گئی؟۔ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اس موضوع کی تاریخ میں ایک

دلچسپ کرتی ھے - زمانے نے جہاں آنکتیل کو اُس کی جانکاھی کی یہ داد دی کہ ھر لائق مصنف اس کی کتاب کو اعلی پایے کی کتاب تسلیم کئے بغیر نہیں رھتا وھاں اُس نے جونز کو اُس کی تیزیوں کا مزہ بھی چکھا دیا - یا تو جونز کا یہ عالم تھا کہ وہ آنکتیل کی پیش کردہ ژند اوستا سے ناک بھوں چڑھاتا تھا یا ایسی ٹھوکر کھائی کہ ایک سرتا پا غلط جعلی کتاب کو صحیح دساتیر سمجھہ بیٹھا - اس انوکھی کتاب کی اصل جلد اُس نے دیکھی نہ تھی کیونکہ لے دے کے اُس کے صرف ایک نسخے کا پتہ چل سکا ھے اور اگرچہ اُس کو مُلّا کاؤس ۱۷۷۳ع میں ایران سے ھندوستان لے آیا تھا مگر کتاب کو شائع اس کے بیٹے مُلّا فیروز نے سنہ ۱۸۱۸ع میں کیا تھا * - جونز نے دساتیر کے حالات ایک

---

* اس کتاب کا پورا نام یہ تھا : "دساتیر یعنی ایران کے قدیم پیغمبروں کے ملفوظات مقدسہ : بہ زبان اصلی معہ قدیم فارسی ترجمہ و تفسیر از ساسان پنجم : باھتمام و نگرانی تمام ملا فیروز بن کاؤس جس نے فارسی مصطلحات اور متروکات کے معنی درج کئے ھیں : کتاب میں اصل متن و تفسیر کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ھے - دو جلدوں میں"- (بمبئی سنہ ۱۸۱۸ع) اس نادر نسخے کی تفصیل مقدمہ جلد دوم صفحہ ۷ میں موجود ھے - محقق دے ساسی نے کتاب کا معائنہ کیا ھے اور یورنال دے سوانت ھائڈ برگ کی سالیانہ فہرست مطبوعات (صفحہ ۱۶ - ۳۱ اور ۶۷-۷۹) بابت جنوری و فروری سنہ ۱۸۲۱ع میں اس کے دعووں کی قلعی کھول دی ھے- نیز دیکھو Heidelberger Fahrbucher
(باقی بر صفحۂ آئندہ)

عجیب مگر بالکل جدید فارسی کتاب ' دبستان مذاهب '
میں پڑھے تھے جو وسط سترھویں صدی * میں ھندوستان میں لکھی
گئی تھی ' تاھم جونز ھی وہ پہلا شخص ھے جس نے یورپ میں
علما کی توجہ اس (" دبستان ") کی جانب سب سے پہلے
مبذول کی اور اس لحاظ سے وہ ھماری تحسین کا مستحق ھے ۔
مگر سنہ ۱۷۸۹ع † میں اُس نے دبستان کی تعریف جن الفاظ
میں کی ھے وہ مبالغہ سے چھلکتے ھیں اور یہ ھیں :—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳)

H. E. G. Paulus از der Litteratur بابت ۱۸۲۳ جلد اول
نمبر ۹ ' ۱۲ ' ۱۳ ' ۱۸ اور ۲۰ اور اس کی کتاب جلد دوم میں
" روئداد انجمن علوم بمبئی "— اس کتاب کی اصلیت کے متعلق
ایس گویار نے اپنے قابل قدر مضمون " امام اعظم اسماعیلیوں "
(مطبوعہ جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۷۷) طبع علیحدہ صفحہ
۹۱ - ۹۲ میں جو کچھ رقم کیا ھے وہ بدرجہ غایت قرین قیاس معلوم
ھوتا ھے یعنی یہ کتاب اسماعیلیوں کی تالیف ھے اور اس میں
اسماعیلی فرقے کے عقائد و اصول درج ھیں—

* " فہرست نسخہ جات قلمی فارسی موجودہ برٹش میوزیم "
صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۲ مرتبہ ریو - اُس کتاب کی ایشیائی ایڈیشن
کئی ایک ھیں اور ایک انگریزی ترجمہ بھی از شی وٹرائر (مطبوعہ
پیرس سنہ ۱۸۴۳ ع " برائے فنڈ مشرقی تراجم ") موجود ھے —

† اس نے ایشیاٹک سوسائٹی ' کلکتہ ' ۱۹ فروری سنہ ۱۷۸۹ع
کے ایک جلسے میں " ایرانیوں پر چھٹے سالانہ لکچر " میں اس
کا ذکر کیا ھے (کلیات جلد اول صفحات ۷۳ - ۹۴)

سر ولیم جونز کی خوش اعتقادی اُن کی تشکیک کے برابر بوابر اور بے محل ہے

ایک عجیب انکشاف ہوا ہے ' اس کے متعلق میر محمدحسین ہندی کی مہربانی سے ' جو ہندوستان کے ایک نہایت ذہین مسلمان ہیں ' ہم کو سب سے پہلے علم ہوا۔ اس انکشاف نے تاریک مطلع کو دفعتاً منور کردیا اور قدیم ایران بلکہ بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ہمارے سامنے کھول کر رکھہ دیا ہے ' ہم اس تاریخ کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکے تھے اور معلومات کے آفتاب کی بھی کسی دوسری سمت سے طلوع ہونے کی توقع نہیں رہی تھی"—

سر ولیم جونز کا دساتیر اور دبستان کی بابت مبالغہ آمیز خیال

یہ نایاب مگر دلچسپ رسالہ بارہ مذہبوں کے حالات پر مشتمل اور ایک کشمیری مسلمان سیاح محسن فانی کی تالیف ہے۔ اس کا پہلا باب عجیب وغریب ہے۔ شروع کا بیان یہ ہے کہ زرتشتی مذہب سے ایک مدت پہلے ہوشنگ کا مذہب رائج تھا جو ابتدا سے مؤلف کتاب کے زمانے تک تعلیم یافتہ ایرانیوں کا خفیہ مذہب رہا؛ ملت گبری اور اس میں بڑا اختلاف تھا ' شاہان ایران نے اس کے بعض ممتاز پیرؤں

پر بڑے ستم توڑے اور وہ لوگ ہندوستان
کی طرف چلے آے؛ یہاں آکر انہوں نے بہت سی
کتابیں لکھیں جو اب ناپید ہیں مگر
جن کو محسن نے دیکھا ہے بلکہ وہ ان کے
مصنفین میں اکثر سے بخوبی شناسا بھی
ہے؛ ان سے محسن کو معلوم ہوا ہے کہ
کیومرث کی تخت نشینی سے ہزاروں
سال پہلے ایران میں سلاطین کا ایک
سلسلہ گزرا ہے جنہیں ماہ آبادیاں
کہتے تھے، اس کی وجہ تسمیہ آگے بیان
کی جائے گی، ان میں سے اکثر تاجداروں
نے دولت ایران کو انتہائی معراج پر پہنچا
دیا تھا، سات آٹھ کے نام دبستان
میں بھی مذکور ہیں، انھی میں ایک کا نام
ماہ بُل یا ماہ بلی ہے - اگر ہم محسن
کے بیان کو جو راقم کے نزدیک مستند ہے،
یقین کے لائق سمجھہ لیں تو یہ ثابت ہوتا ہے
کہ ایران کی سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ
پرانی سلطنت ہے - البتہ یہ پہلو مشتبہ
رہ جائے گا کہ اس سلسلے کے پہلے بادشاہ
نسلاً عرب تھے یا ہندو یا تاتاری یا ان
سب سے جدا : ہمارا خیال ہے کہ یہ شبہ
اُس وقت رفع ہوسکتا ہے جب کہ ہم قدیم ایران

کے علم و ادب ' السنہ و مذھب ' فلسفہ و
حکمت اور ضمنی طور پر علوم و فنون
پر عبور حاصل کرلیں '' —

قدیم تاریخ عجم پر
جونز کے خیالات

" اب میں عجمی السنہ و
حروف پر چند اچھوتے اور
اهم خیالات پیش کرنا چاهتا
هوں ' ان میں بعض بیانات ایسے هوں گے
جن کو میں سر دست ثابت نہیں کرسکتا
لیکن ناظرین سے توقع رکھتا هوں که وہ
ان پر اعتبار کریں گے کیونکہ یہ مناسب
نہیں معلوم هوتا که اس بحث میں ناظرین
کے سامنے جستہ جستہ الفاظ کا اعادہ اور
مضمون کی بجاے فہرست الفاظ پیش کر کے
ان کی توجہ پر بار ڈالا جاے؛ لیکن چونکہ
میں کوئی علیحدہ نظام قائم نہیں کرنا
چاهتا اور نہ میں نے اپنی قوت فیصلہ کو
اپنے تخیل کے هاتھہ سے دھوکے میں پڑنے دیا
ھے (کیونکہ میری عادت ھے کہ میں شہادت
کے بل پر اشخاص و اشیا کے متعلق
راے قائم کیا کرتا هوں - اجتماعیات کی
بنیاد اسناد پر قائم هوتی ھے جیسے
طبیعیات کی بنیاد تجربے پر)؛ اور چونکہ
میں نے مسائل زیر بحث پر عمیق نظر

قال ای ھے اس لئے مجھے یقین ھے کہ آپ
میری شہادت پر شبہ نہ کریں گے اور
نہ یہ سمجھیں گے کہ میں صحیح جادہ سے
متجاوزھورھا ھوں' خصوصاً ایسی حالت میں
جب کہ میں آپ کو یقین دلاتا ھوں کہ
میں کسی ایسی چیز کا دعوی نہ کروں گا
جسے میں پورے طور پر ثابت نہیں
کرسکتا " —

ولیم جونز کی غلطیاں

ان بیانات سے صاف ظاھر ھوتا ھے کہ سر ولیم جونز اثبات و انکار میں مکابرہ سے کام لیتا تھا اور بدبختی سے بارھا دونوں صورتوں میں بر سر غلط ھوتا تھا - وہ بہ تیقن اور " بلا خوف تردید " سائی رس، اور شاھنامے کے غیر تاریخی کیخسرو (کاوہ ھسروہ یا ھسرونہ مذکور اوستا) کو ایک ھی شخص اور غیر تاریخی سلاطین پیشدادي کو شاھان آسور سمجھتا ھے- کم بی سیز (قدیم عجمی کتبوں پر کمبوجیا) کو فارسئی حال کے " کام بخش" سے مشتق اور بجاے نام کے خطاب شاھی ٹھیراتا ھے' اسی طرح زرکسیز کو (جسے کتبوں میں خشیارشا لکھاھے) شیروئی سے مشتق بیان کرتا ھے (اور لطف یہ ھے آنکتیل نے اھرز کو انرہ میلیوش سے مشتق کیا تو اس صحیح اشتقاق کو نفرت کے ساتھ رد کردیا اور اس کے بعد یہ خیال پیش کرتا ھے): وہ اس غلط گمان پر برابر جما رھا کہ ژند اور پہلوی میں کوئی اصلی کتاب باقی نہیں' دلیل یہ کہ دبستان

کے وسیع‌النظر مصنف کا بیان ھے کہ زراتشت کی تصنیف ناپید ھوچکی ھے اور اس کی جگہ ایک نئی تالیف گھڑلی گئی ھے؛ وہ اس رائے کا حامی تھا کہ ایران کی سب سے پرانی زبانیں جو آج تک دریافت ھوسکی ھیں وہ کلدانی اور سنسکرت ھیں، نیز جب یہ دونوں ساقط الرواج ھوئیں تو کلدانی سے پہلوی اور سنسکرت سے ژند نکال لی گئی اور پارسی زبان یا تو ژند سے پیدا ھوئی یا براہ راست برھمنوں کی زبان سے - ایرانیوں کی طرح اس کا بھی خیال تھا کہ جمشید (جو اوستا میں یمہ اور ھندؤں کی کتھاوں میں یمہ کے نام سے مذکور ھوا ھے اور جو ایک ظلی سی ھستی ھےجو ھند ۔ آریائی روایات میں مشرقی طور پر مذکور ھے) وھی شخص ھےجس نے پرسی پولس (استخر) کو بسایا، ھخدا منشی کتبے جو اس‌وقت پرسی پولس میں پائے جاتے ھیں ان کی نسبت اس کی رائے تھی کہ ان‌کے نقش‌ونگار اگرحقیقت میں زبان کے حروف ھیں‌تو وہ مقدس نشانات اور اسراری‌علامات یامحض‌رموز ھیں جن‌کی کلید مطالب شاید مذھبی پیشواوں کے قبضہ میں تھی- آخر میں سر جونز جعلی دساتیر کو اصلی تسلیم کرتاھے، اس‌کی زبان کو آسمانی زبان کہتا ھے (حالانکہ در حقیقت بعد تحقیق ثابت ھوتا ھے کہ وہ کوئی زبان ھی نہیں بلکہ لایعنی کلمات کا مجموعہ اور مروجہ فارسی کا ایک ناقص چربہ ھے جس میں "تفسیر" قلمبند ھے) اور اُس کے معانی و مطالب کو دور قدیم کے ایسے بیش بہا تاریخی واقعات بتاتا ھے جن سے آرین قوم کی اصلیت پر بالکل نئی روشنی پڑتی ھے اور یہ ثبوت بہم

پہونچتا ھے کہ " کیومرث کی تخت نشینی سے قبل ایران کا مذھب برھمنوں کا مذھب تھا ...... اور اھل ایران کیومرث کو تعظیماً سب سے پہلا انسان مانتے تھے اگرچہ وہ اس کے بھی قائل تھے کہ کیومرث کے عہد سے پیشتر ایک " طوفان عالمگیر" بپا ھوچکا تھا " - درحقیقت آنکتیل کو پورا بدلہ مل گیا اور یہ مزخرفات اس قانون کی ایک روشن مثال ھے کہ " ناواجب شک اور ناواجب زودہ اعتقادی " ان دونوں کا ساتھہ چولی دامن کا ھے —

سر ولیم جونز کی راے کا اثر

سر ولیم جونز نے اگرچہ قدیم ایران کی تاریخ و زبان کے متعلق فاش غلطیاں کیں لیکن پبلک زندگی میں وہ ایسا ممتاز ھوچکا تھا، معاملات میں وہ ایسا وسیع القلب اور غیر متعصب مانا جاتا تھا، علم و ادب میں ایسا فاضل اور تحقیق و تفحص میں ایسا پاکیزہ طبع سمجھا جاتا تھا کہ اس کی راے بالخصوص اس کے وطن میں انتہا درجہ وزن رکھتی تھی —

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اصلی اوستا کے بارے میں اس کا شک آواز بازگشت بن کر انگلستان میں سر جان چارتین اور رچرڈسن، (فارسی کا مشہور لغت نویس)، جرمنی میں مائنر اور تائخ زین کے منہ سے نکلا، لیکن آخرالذکر بعد میں آنکتیل کا نہایت سر گرم حامی بن گیا تھا اور جس شخص نے ابتداھی سے آنکتیل کی حمایت میں جوش دکھایا وہ جرمنی کا فاضل کلیوکر تھا - اس نے آنکتیل کی کتاب کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور اس کے ساتھہ کئی ضمیمے لگائے، تاھم انگلستان میں

اُس وقت سر ولیم جونز کی راے کے سامنے کوئی چیز نہیں تہر سکی اور آنکتیل کا ترجمہ " ایک جعلی اور ناقابل توجہ شے کی طرح الگ پہینک دیا گیا * " بر خلاف اس کے فرانس میں ابتدا سے اس‌کو قدر و منزلت کا وہ رتبہ بخشا گیا جو آج عالمگیر طور پر اُس کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس قدر شناسی کے تدریجی مدارج کی تفصیل معلوم کرنا اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے، اس لئے ہم صرف چند موتی موتی باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ جن صاحبوں کو پوری تفصیل کی تلاش ہو وہ ہوگ اور دارمشتیتر کے بیانات ملاحظہ کریں جن کا حوالہ اس صفحہ کے حاشیہ میں درج ہے، نیز گیلدنر کا مضمون " کتب متعلقۂ اوستا " جلد دوم صفحہ ۱ -۵۳، خصوصاً صفحہ ۴۰ تاریخ تحقیق اوستا) جو گیگر و کوہن کی " اساس لسانیات عجم " (ستراس برگ ۱۸۹۶) میں طبع ہوا ہے —

دے‌ساسی اور آنکتیل

آنکتیل کی حمایت میں جس شخص نے سب سے پہلے قلم اُٹھائی وہ اُس کا ممتاز ہمعصر ایس دے ساسی تھا، اُس نے سنہ ۱۷۹۳ ع میں " رسالہ علما " میں قدیمیات اہل ایران پر پانچ مشہور مضامین شایع کئے جن میں خصوصیت کے ساتھ آل ساسان کے پہلوی کتبوں پر بحث

* " اہل ایران " از ہوگ صفحہ ۱۶ - ۵۳، مرتبہ ویست، طبع سوم، اور مقدمہ ترجمۂ اوستا از دارمشتیتر جو میکس ملر کے صحائف مقدسہ " مطبوعہ اوکسفورڈ (۱۸۸۰) جلد چہارم صفحہ مقدمہ ۱۳ - ۲۵، میں طبع ہوا ہے، کتاب کے اس حصے میں ہم نے ان دونوں کتابوں سے بہت استفادہ کیا ہے —

کی گئی ھے - تےساسی نے کتبوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں یونانی تراجم کے علاوہ ' جو بعض کتبوں کے ساتھ شامل ھیں ' آنکتیل کی فہرست الفاظ (مشمولۂ جلد سوم ۴۳۲-۵۲۶) سے خاص طور پر استفادہ کیا ھے - دارمشتیتر کا قول ھے کہ " اس طرح تحقیقات کی ترقی کا باعث ھوکر آنکتیل کی تصنیف نے اپنا انتقام خوب لیا کیوں کہ یہ صورت تردید ہزاروں دلائل سے بہتر ھے "- اوستا کے کہنہ ترین نسخے جو اب تک معلوم ھوسکے ھیں ' چودھویں صدی عیسوی تک کے ھیں اور دور ساسانی کے کتبے ' تیسری صدی تک کے ' اس لئے اُن کا فرضی ھونا ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا' اگر آنکتیل کی فہرست الفاظ ان کتبوں کی کنجی ثابت ھوئی تو اس کے صاف معنی یہ ھیں کہ آنکتیل نے جو پہلوی اپنے دستوروں سے سیکھی تھی وہ ساسانی عہد کی اصلی زبان تھی اور نیز یہ کہ اس میں سامی الفاظ مثلاً ملکا (بادشاہ) شنت (سال) اب (باپ) شمسا (سورج) لا (نہیں) کا اختلاط ایک امر واقعہ ھے ' اس کی صحیح توجیہہ خواہ کچھہ ھو تاھم سرولیم جونز نے ان الفاظ کو عربی* سمجھہ کر (گو بعد میں اُس نے اُن کو کلدانی† تسلیم

---

* خط بنام جناب الف......... باشندہ پ کے .... صفحہ ۱۰ :— جب ھم یہ دیکھتے ھیں کہ عربی کے یہ بگڑے ھوے الفاظ ژند و پہلوی کے الفاظ بیان کئے گئے ھیں تو ' ھم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ھیں کہ اس مکار (یعنی مقدس داراب) نے آپ کودھوکا دیا اور ' آپ اپنے ناظرین کو دھوکا دینا چاھتے ھیں —

† سر جونز کی تصنیفات کی جلد اول صفحہ ۸۱ —

کرلیا) دعوی کیا تھا کہ یہ الفاظ اپنی عبارت کی نسبت
عدم قدامت کی شہادت دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ
آنکتیل کا ان کی عبارت کو قدیم سمجھنا ایک زود اعتقادی
حماقت تھی اور اس کے معلم دستوروں نے اُس کو دھوکا
دیا تھا مگر آنکتیل کو تو کیا دھوکا دیا گیا تھا جونز نے
خود ہی دھوکا کھایا - چنانچہ تائیح زین بھی نہایت شد و مد
کے ساتھہ اس کی تائید کرتا ہے :—

یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلوی
آل ساسان کے عہد میں رائج تھی کیونکہ
یہی وہ سلاطین ہیں جنھوں نے یہ کتبے
کندہ کرائے اور یہی وہ لوگ ہیں بلکہ
ان کا پہلا بادشاہ اردشیر بابکاں وہ شخص
ہے جس نے تعلیم زرتشت کو دوبارہ فروغ
دیا - اب یہ بات بخوبی سمجھہ میں آجاتی
ہے کہ ژندی کتابیں پہلوی زبان میں کیوں
ترجمہ کرائی گئی تھیں' یہاں پر ہر چیز
گواہی دیتی ہے اور بآواز بلند پکارتی ہے
کہ وہ اصلی ہیں اور قدیم ہیں*—

الغرض تے ساسی نے جن کتبوں کو مذکورۂ بالا طریق سے
پڑھا تھا یورپ اُن سے اُس وقت واقف ہو چکا تھا جبکہ

---

* اس حوالہ کو دارمشتہٹر نے ترجمہ ویندیداد کے (صفحہ
۱۹-۲۰) دیباچہ میں نقل کیا ہے دیکھو گذشتہ دو نوٹوں سے قبل
کا نوٹ (اہل ایران از ہوگ.........) —

سیموئل فلوور نے سنہ ۱۷۶۷ع میں اُن کے چربے اُتار کر " رسالہ اعمال فلسفیانہ " بابت جون سنہ ۱۶۹۳ع (صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۷) میں اُنھیں شائع کیا تھا - ان کتبوں کی مزید نقلیں شارتن (سنہ ۱۷۱۱ع) نی بور (سنہ ۱۷۷۸ع)

پہلوی کتبے

اور کچھ عرصے بعد دوسرے سیاحوں* کی تصنیفات کے ساتھ طبع ہوئیں اور گو کہ ڈاکٹر ھائڈ نے بھی اپنی کتاب میں اُن کو چھاپ دیا تھا لیکن ڈے ساسی وہ پہلا محقق ھے جس نے کم و بیش صحت کے ساتھ اُن کا ترجمہ پیش کیا - ڈے ساسی کے مضامین (طبع ۱۷۹۸) کی اشاعت کے پانچ برس بعد

سین پارتھے لے می

پال ڈے سین پارتھے لے می نے (جو آباء کرملیہ میں سے تھا) بمقام روم اپنا مضمون " السنۃ سنسکریتیہ و جرمنیہ کی قدامت اور باھمی قرابت " شائع کیا جس میں اُس نے قدامت اوستا پر دلائل قایم کی ھیں بلکہ یہ ظن بھی ظاھر کیا کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت† دونوں میں کوئی

---

* دیکھو ویسٹ کے مضمون ادبیات پہلوی میں ساسانی کتاب کا حال جو " سیاست لسانیات عجم " جلد دوم صفحہ ۷۶-۷۹ میں طبع ہوا ھے؛ نیز دیکھو " مضمون بر پہلوی " از ھوگ (طبع بمبئی اور لندن سنہ ۱۸۷۰ع)' اُس مضمون کے شروع میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ھے کہ پہلویات میں یورپ نے عہد بعہد کتنی اور کیونکر ترقی کی —

† ڈارمشٹیٹر کی کتاب مذکور صفحہ مقدمہ ۲۱' یہی خیال

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نہ کوئی تعلق ضرور ہے—

قدیم فارسی کتبوں کی تحقیق۔ گروٹ فنت

عجمیات کے متعلق دوسرا کارنامہ اور جو شاید اس فن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، پیکانی کتبوں کا حل کر لینا ہے (یہ وہ کتابے تھے جن کا خط اور زبان دونوں نا معلوم تھے)۔ ان کتبوں کے حل کے متعلق پہلی اہم منزل گروٹ فنت نے ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں طے کی۔ اس محقق کی تحریریں صفائی استدلال اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، جن کو گاٹن‌جین کی جمعیۃ العلوم شاہی کے کاغذات میں سے حال ہی میں نکالا گیا ہے اور ڈبلیو میئر نے سوسائٹی مذکور کی روداد بابت ۱۳۔ ستمبر سنہ ۱۸۹۲ع صفحہ ۵۷۱ – ۶۱۶ میں شائع کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی تحریر ابتداءً ۴۔ ستمبر سنہ ۱۸۰۲ع کو پڑھ کر سنائی گئی تھی، دوسری ۲ اکتوبر، تیسری ۱۳ نومبر سنہ مذکور کو اور چوتھی ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰۳ع کو۔ اس وقت یعنی ۱۹ ویں صدی سے پہلے اگرچہ ٹائخ زین اور میئر ان کتبوں کے پڑھنے میں کچھ کوششیں ضائع کر چکے تھے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر ھائڈ کی تصنیف کی تنقید میں ہم دیکھ چکے ہیں عوام بلکہ علماء کا یہ بھی خیال تھا کہ کتبوں کے حروف کسی زبان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

جواب مسلم الثبوت ہو گیا ہے (کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت آپس میں دو بہنیں ہیں) ڈے ساسی نے "رسالہ علماء" بابت مارچ سنہ ۱۸۲۱ع صفحہ ۱۳۶ میں نہایت صحت و صفائی کے ساتھ قائم کیا تھا—

حروف نہیں ہیں، وہ یا تو عمارات کے نقش و نگار ہیں یا کیڑوں مکوڑوں کا کام، اور یہ نہیں تو معماروں کے بنائے ہوئے نشانات یا اعدادی علامات ہیں۔ حسن اتفاق کہ اس مسئلہ پر گروٹ فنٹ اور اس کے ایک دوست فائی اوری لو کے درمیان جھگڑا ہوگیا؛ گروٹ فنٹ اس نکتے پر زور دیتا تھا کہ جن کتبوں کی زبان اور حروف نامعلوم یا گمنامی میں مدفون ہوں ان کا انکشاف حال بالکل ممکن ہے، چنانچہ اس ضد پر اس نے تحقیقات کی طرف قدم بڑھایا اور پہلے نوشتے میں ذیل کے اہم مگر عام نتائج مرتب کئے :—

گروٹ فنٹ کے عام نتائج

(۱) کتبوں کی علامتیں علامات خط ہیں —

(۲) کتبے تین مختلف زبانوں میں قلمبند ہیں، ہر ایک زبان کا رسم الخط جدا ہے اور ایک کتبہ دوسرے کا ترجمہ ہے —

(۳) بالخصوص پہلی قسم (قدیم فارسی) کے کتبے اور دوسری کے بھی "حروف" سے مرتب ہیں نہ کہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات ہیں، جیسے کہ آسوری اور چینوں کے ہاں رائج ہیں —

(۱۴) معلوم پیکانی کتبوں کی سمت
تحریر یکساں ھے یعنے ان میں
سے ھر ایک متوازی الافق سطور میں
بائیں سے دائیں طرف لکھا ھوا ھے -

گروٹ فنت کا طریق تفحص

یہ نتائج آج مسلم الثبوت مانے جاتے ھیں - گروٹ فنت نے ان کی روشنی میں پہلی قسم کے دو کتبوں کو تفصیل کے ساتھہ جانچا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی زبان ژند (یعنی اوستائی) ھے (یہ قیاس اگرچہ بعد میں صحیح ثابت نہ ھوا لیکن صحت کے قریب نکلا) اور ان کا تعلق " کسی قدیم تاجدار ایران سے ھے جو سائی رس اور سکندر کے درمیانی زمانے میں گزرا ھے " یا بالفاظ دیگر سلاطین ھخامنشی * سے - آل ساسان کے پہلوی کتبوں کو دے ساسی پہلے پڑھ چکا تھا لیکن جب گروٹ فنت نے ان کو دیکھا تو ان کی مدد سے اس کو خیال آیا کہ پہلے کتبے کا پہلا لفظ ضرور اس خاندان کے بادشاہ کا نام ھے اور دوسرا بادشاہ کا لقب ' پھر اس نے دیکھا کہ جو نام دوسرے کتبے کے شروع میں آیا ھے وہ پہلے کتبے میں لقب کے بعد لکھا ھوا ھے - ساسانی کتبات کے نمونے پر گروٹ فنت نے اس سے یہ صحیح نتیجہ اخذ

---

* کتبات قسم اول کی نسبت اس کا یہ خیال کہ وہ خسروان ھخامنشی کے عہد سے متعلق اور فارسی قدیم میں ھیں اس وجہ سے پیدا ھوا کہ ان بادشاھوں کے نام کتبات میں ھمیشہ صدر میں مذکور ھیں ---

کیا کہ اس لفظ سے شہنشاہ مراد ہے اور آخر میں جو خفیف سا فرق ہے وہ علامت مضاف الیہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے، پھر اس سے یہ پتہ لگایا کہ پہلے کتبے کے دو ناموں میں سے ایک باپ کا نام ہے اور دوسرا بیٹے کا، ان میں سے ایک کو، تائخ زن نے ملکیوش تجویز کیا تھا، گروٹ فنت نے اس کو دارا سے زیادہ مطابق پایا جو دانیال عزرا اور نحمیاہ کی کتابوں میں داری یا ووش (دریاویش) کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے کو تائخ زن نے اوش پت شہ پڑھا تھا، گروٹ فنت نے زر کسیز (حشیر شہ) بیان کیا، کیونکہ قدیم فارسی کتبات میں یہ دونوں نام سات سات جداگانہ حروف سے مرکب ہیں (جیسا کہ اب یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے ان میں سے پہلے کے سات حروف یہ ہیں :- د، ا، ر، ے، د، و، ش - دوسرے کے یہ :- ک، ش، ے، ا، ر، ش، ا) ، ان میں سے ایک حرف الف دونوں ناموں میں تین بار آتا ہے اور تین حروف یعنی ر، ے، ش ، دو بار اور ہر نام کے مجموعہ حروف میں ان حروف مکررہ کے محل سے ان کی تعیین میں مزید امداد ملی۔ اچھا، مورخان یونان کے نوشتوں سے اس وقت معلوم تھاکہ دارا، ہستاس پیز کا بیٹا تھا جو آنکتیے کی تصنیف میں گشتا سپ، و شتاسپ وغیرہ کی اصل شکلوں میں لکھا ہوا ہے اور کتبہ زر کسیز کی مثال سے یہ گمان غالب معلوم ہوتا تھا کہ دارا نے بھی اپنے کتبے میں اپنے باپ کا نام

ضرور لکھا ہوگا بلکہ فی الحقیقت دارا کے اس کتبے میں مناسب مقام پر دس حرفوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس کے آخری تین حروف کو (جو اب ہ' یے' ا' تسلیم کرلئے گئے ہیں) پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مضاف الیہ کا لاحقۂ حالت ہیں' باقی ماندہ سات حروف میں سے دو یعنی تیسرا حرف ش اور پانچواں حرف الف پہلے سے معلوم ہو چکا تھا اور اس نام کی اوستائی اور یونانی شکلوں میں جو اجزا مشترک تھے اُن کے لحاظ سے اس مجموعے کا چوتھا حرف ت' چھٹا س' اور ساتواں پ فرض کیا جاسکتا تھا - اب ابتدا کے دو حروف باقی رہ گئے' ان میں سے ایک کے متعلق تو صاف ظاہر تھا کہ وہ حرف صحیح یعنی گ' یا و' ہے اور دوسرا حرف علت (لیکن یہ پیش کا حرف نہ تھا جو معلوم تھا لہذا قیاساً زیر کا حرف خیال کیا جاتا تھا) مگر گروٹ فنٹ نے دراصل ان کے مجموعے کو "گو" بجائے 'وِ' پڑھا تھا —

تفحص کا ٹھہر

ایسے مہتم بالشان اور معین نتائج تھے جن کی طرف گروٹ فنٹ کا ذہن منتقل ہوا' اس نے مزید کاوش کی لیکن رہ گیا' کیونکہ ایک طرف تو اُس کو یہ دھوکا ہوگیا تھا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان ہے' اس پر یہ غلط فہمی مستزاد کہ اوستا کے متعلق آنکتیل کے بیانات ناقص اور بہت سی جزئیات بالکل غلط ہیں اور دوسری طرف کتبوں کے انکشاف و افہام کے لئے اُس کے پاس جو کچھ مواد موجود تھا وہ قطعاً ناکافی تھا - پس جیسا کہ اس وقت معلوم ہوچکا ہے گروٹ فنٹ کا تعین

حروف کتبات بہ مشکل نیم صحیح تھا اور متن کتبات کا ترجمہ و نقل فقط تقریبی طور پر قرین صحت ' چنانچہ استخر کے کتبوں میں ایک کتبہ (نی بور پلیٹ ۲۴ ' اشپیگل کی تصنیف مسماری (میخی) کتابے ' مرتبہ ۱۸۶۲ صفحہ ۴۸ ب) جس پر گروٹ فنت نے خاص عرق ریزی کی تھی آج کل بالفاظ ذیل تسلیم کیا جاتا ہے :—

داریاوُش ، خشایتھیہ ، وزرکہ ،
خشایتھیہ ، خشایتھیا نام ، خشایتھیہ
دھیُنام ، وشتاسپھیہ ، پُتوہ ھخا
منیشیہ ، ھیدہ اِمم تخرم ، اکونوش
دارا ، شاہ اعظم ، شاہ شاھان ،
شاہ صوبجات ، ابن گستاسپ
ھخامنشی ، جس نے یہ معبد
تعمیر کیا

گروٹ فنت کی نقل اور ترجمہ یہ ہے :—

دارھیوش ، خشی ھی او ، اَیگریے ،
خشی ھی او ، خشی ھی اوھیت
چاؤ ، خشی ھی او ، داھوت چاؤ ،

گشتاسپاھی، بون، آخیوت
چوشوہ، آلا، اوو مورو، ایزت
چوش
دے ری آس، ریکس فارتس،
ریکس ریگم، ریکس دھووم
(ٹی لی آس)، ھستاس پس،
استر پس منڈی ریک تورس،
اِن کونستیلیشون میسکولا، مورو
ایزو ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰

تفحص کی قدر و قیمت | تاهم اگرچه گروٹ فنٹ کی هر ایک کوشش سر سبز نهوی لیکن اس نے جو کچھه کر دکھا یا اس کی کوشش کی همت بهی غالباً کسی کو نهوتی - اس کا طریق تفحص اور مستنبط نتائج آینده تحقیقات کے لئے چراغ هدایت ثابت هوے اور ان کی بدولت چیستان کتبات کا ایک ایک حرف حل هوگیا - ڈے ساسی نے، جس کے نقش قدم پر گروٹ فنٹ نے اپنا قدم ڈالا تھا، سب سے پہلے گروٹ فنٹ کے نتائج کی منزلت بلند کو سمجھا اور چار دانگ عالم میں اس کی اشاعت کی، بخلاف اس کے سین مارٹا ن کے پیش کردہ لیکن مخالفانه طریق تفحص کو

ایوان مقبولیت میں بار یابی نہ ہوئی *—

رولنسن، برنوف اور لاسن کی مزید ترقی

اس کے بعد مگر تقریباً اسی زمانے یعنی سنہ ۱۸۳۶ - ۱۸۳۷ع میں تین اشخاص لاسن، برنوف، اور رولنسن نے حل کتبات میں معتدبہ ترقی کی، آخرالذکر علحدہ طور پر ایران میں مصروف تھا اور اس کو انکشافات گروٹ فنٹ کا مطلق علم نہ تھا، اس نے دارا کے بے ستون والے عظیم الشان کتبے کے پہلے جزو میں یہ نام پڑھ لئے تھے :- ارشامہ، اریارامنہ، چیش پیش اور ھخامنش - برنوف سنسکرت داں تھا اور اس زبان سے کچھہ مقابلی طریق پر اور کچھہ نیر یو سینگ کے ترجمہ سنسکرت کے ذریعہ اوستا کے مطالب معلوم کرنے میں کام لے چکا تھا اور اب وہ یاسنا پر اپنی مہتم بالشان † تصنیف کو ختم کر کے پیکانی کتبوں کی تدقیق میں مصروف ہوا، اس سلسلے میں اس کو وہ تازہ مواد ھاتھہ لگ گیا جسے بد نصیب سیاح شولتز نے اضلاع وان ‡ اور الوند سے فراھم کیا تھا، گو برنوف کی

---

* انکشاف کتبات کی تفصیل و ترقیء مزید کے متعلق دیکھو "حل کتبات کی تاریخ مختصر" جو اس کی کتاب "مسماری کتابے" محولۂ بالا میں شامل ھے، نیز "اساس لسانیات عجم" از گیگرو کوھن جلد دوم صفحہ ۶۳ - ۷۴ اور کتاب "تاریخ قرات و حل کتبات"—

† "تفسیر یاسنا" (پیرس ۱۸۳۳ - ۱۸۳۵)

‡ "دو کتبے" (پیرس ۱۸۳۶)

تحقیقات کو لاسن کے زرین نتائج نے کسی قدر ماند اور نظروں سے اوجھل کردیا تھا - مگر سب سے پہلے اسی نے ممالک کے ان ناموں کی فہرست کی طرف توجہ دلائی جو دارا کے کتبۂ اعظم میں درج ہیں - اس کے علاوہ اُس نے ذات باری کا نام یعنی اھورمزد اور چند دیگر الفاظ پڑھ لئے اور بتایا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان سے قریبی تعلق رکھتی ہے' لیکن بعینه وهی نہیں اور کتبوں کی عبارت میں حروف اعراب شروع کے علاوہ کسی اور مقام پر ظاہر نہیں ہیں - فہرست مذکورہ اس نے ۱۸۳۵ ع کے موسم گرما میں لاسن کو بھیجی' اس ذریعہ سے لاسن نے حروف کا تعین صحت سے انتہا درجہ قریب کردیا اور اس امر کو دامن ثبوت تک پہنچا دیا کہ سنسکرت کی طرح کتبوں کی زبان میں بھی اکثر حروف صحیح بوئے فتحه اپنے ساتھ مستتر رکھتے ہیں (یعنی اکثر حروف کو اِشمام فتحه کے ساتھ تلفظ کرتے ہیں)' مثلاً اس نے بیان کیا کہ س پ' ر د' سپردہ (ہ کی آواز الف * کے مثل اور نہایت خفیف سمجھنی چاهئیے) کا قائم مقام ہے- آیندہ چار سال کے اندر اندر (یعنی ۱۸۴۰ ع) تک لاسن کے انکشافات واستنباط نے محققان بیرا و یاقے کے هاتھوں توسیع و تشریح و تصحیح پائی ' کلاڈ جیمس رچ ' برطانوی ریذیڈنٹ مقیم بغداد کا فراھم کردہ سرمایۂ معلومات شائع ھوا اور ویسٹر گارڈ کتبات استخر کی نئی مگر زیادہ صحیح نقلیں اُتار کر لایا —

---

* یہ " ھا " ھائے مختفی ہے —

قدیم فارسی کی مزید تحقیق

عجمیات (پرشین اسٹڈیز) کے شعبۂ زیر بحث کی مزید ترقی پر تفصیلاً گفتگو کا یہ موقع نہیں، صرف اتنا بیان کئے دیتے ہیں کہ ۱۸۵۲ ع میں لاف ٹس اور ۱۸۸۴ میں ڈی لا فوئے نے بعض چیزیں سوس میں دریافت کیں؛ ۱۸۷۶ ع اور سنین متعاقب میں شٹولہ نے استخر پہونچکر کچھہ تصویریں اُتاریں اور ۱۸۸۲ ع میں بمقام برلن "پرسی پولس" نام کی دو جلدوں میں طبع کرایا؛ اس کے بعد بھینگ، بار تھولومے، بالن سین، فائے، ھالیوی، ھتسخ، حیبشن مان، کرن، ملر، میگان، سایس، تھمب اور دوسرے محققوں نے بعض مسائل پر روشنی ڈالی - موسیو کو منٹ ڈے گوبی نو نے اپنی کتاب موسومہ "مسماری کتبوں پر رسالہ" (پیرس ۱۸۶۴ ع) میں کتبوں کی عبارت کو طلسمی ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہمل خیالات اس لایق نہیں کہ ایک لمحے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوں، البتہ کتبوں کے رسم الخط، ان کی حقیقت و نوعیت پر اپرٹ نے جو نکتہ آفرینی کی ھے وہ بالاختصار ذیل میں قلم کے حوالہ کرتے ھیں :—

فارسی کے پیکانی حروف پر محقق آپرٹ کی راے

قدیم فارسی اور آسور کے پیکانی حروف بظاھر ایک دوسرے سے مشابہ ھیں، لیکن اس مشابہت کے باوجود ایک نہایت اھم خصوصیت میں اختلاف رکھتے ھیں - جیساکہ اوپر بیان ھوچکا ھے فارسی قدیم کے حروف میں حروف ابجد کی پوری شان پائی

جاتی ھے ، ان کی مجموعی علامات تعداد میں ۴۱ ھیں ، ان میں سے چار " علامات لفظ * " یعنی بار بار آنے والے الفاظ اھرمزد ، بادشاہ ، ملک ، زمین کے لئے مختصر سے اشارے ھیں اور ایک وقفے کی علامت ھے جو الفاظ کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کام دیتی ھے - آسوری حروف چند مقاطع ھیں بلکہ یوں کہنا چاھئے کہ وہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات کا ایک مجموعہ ھیں جو چینی یا مصریوں کے تصویری رسم الخط سے ملتا جلتا ھے ، دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ھے کہ آسور کی تحریری علامتیں خیال یا معنی پر دلالت کرتی ھیں اور اُن آوازوں کو پیش نہیں کرتیں جو معانی کا قالب صوتی ھیں ، ظاھر ھے کہ اس قالب صوتی کو ان علامات سے ایک اتفاقیہ تعلق ھے ، چنانچہ قدیم تر اکادی زبان کا لفظ آسوری زبان میں منتقل کیا جاتا اور اس کے معنی بجنسہ قایم رھتے لیکن اس کی آواز بدل جاتی - اب آپرٹ یہ قیاس لاتا ھے کہ فارسی قدیم کے حروف اس وقت ایجاد ھوے تھے جب کہ دولت میڈیا کو زوال اور ھخا منشی طاقت کو عروج ھوا تھا اور یہ حروف آسور کے تصاویر مقاطع سے بہ اسلوب ذیل اخذ کئے گئے تھے :-

آسوری سے ایک تصویر لیکر اُسے
فارسی لفظ کی تصویر مقطع کی آواز
عطا کردی جاتی تھی یا بالفاظ دیگر
آسوری فارسی کی تصویر تصور کرلیا

---

* جیسے (ص) صلعم کے لئے — (مترجم)

جاتا، پھر اس تصویری علامت کو تحلیل
کرکے ایک سادی صورت میں لے آتے
اور اس کو فارسی لفظ کی پہلی آواز
کے لئے بطور ایک حرف کے مقرر کردیتے،
یہ عمل تحلیل و تعین اس وقت تک
برابر جاری رہا جب تک کہ فارسی
زبان کی کل اوزاروں کے لئے تحریری
علامات یا حروف پورے نہ ہوگئے۔ اس
ترکیب سے چھٹی صدی قبل میں اہل
ایران نے نظام تصاویر مقاطع سے
(جو غالباً ابتدا میں تصویروں کا
مجموعہ تھا) ترقی کرکے مکمل حروف
تہجی پیدا کرلئے؛ لیکن اس تحلیل
و تجزیہ کا عمل اُس مقام پر آکر رک
گیا جہاں حروف صحیح سے وابستہ
علامات حرکت (یعنی فتحہ، کسرہ، ضمہ)
کو جدا کرنا پڑتا تھا، لہذا مندرجۂ ذیل
اجزا کے لئے ایرانیوں کو مختلف حروف
ایجاد کرنے پڑے :-
کا، کو؛ گا، گو؛ جا، جی؛ دا، دي، دو؛
ما، می، مو؛ وغیرہ * —

* ان اجزا میں حروف علت کو حرکات کا قائم مقام سمجھنا
چاہئے (مترجم) —

فارسی پر آسوری اثر

یہ موقع اس امر کا ایک مزید ثبوت ہے کہ ایران سنین ماضیہ سے کس درجے سامی اثرات کا تابع رہا ہے' پہلے پہل آسوری اثر محیط ہوا' پھر آرامی اور سب کے بعد عربی۔ استخر اور بے ستون والے منقوشات میں یہ اثر ایسا ہی نمایاں ہے جیسا کہ کتبات میں' اور حسب تحقیق اشپیگل ("ایران قدیم" جلد اول صفحہ ۱۴۸۵-۱۴۴۹) اس کے نشانات اقلیم مذہب میں بھی ایسے ہی روشن اور نمایاں ہیں' نیز غالباً سیاسیات' نظام اجتماعی' شعبہ قانون اور فنون حرب میں بھی سامی اثرات کی حکومت آشکارا ہے۔ ایران کا "شاہ اعظم' شاہ شاہاں' شاہ فارس' شاہ صوبجات" صرف طرز بیان اور القاب ہی میں اس "شاہ اعظم' شاہ آسوریہ" کا متقلد نہ تھا' بلکہ اور بہت سی باتیں تھیں جن میں وہ آسوریوں کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ شاید ان تعلقات سے وہ معمہ بھی حل ہوسکتا ہے جو پہلوی میں ہز واش نے پیدا کر رکھا ہے اور جس نے پہلوی کی صحیح ماہیت کی نسبت ارباب تلاش کو ایک مدت تک مغالطوں میں غوطہ زن رکھا —

پہلوی خط کی خصوصیات

ایک معاصر مورخ ایم میانس مارسی لینس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلوی زمانے میں آج کل کی طرح ایرانی سپاہ اور رعایا اپنے بادشاہ کو شاہان شاہ کے لقب سے خطاب کرتی تھی (یہ لقب اُس زمانے میں قدیم لقب کھشا یتھیا' کھشا یتھیانام کی بجاے مروج تھا)' لیکن باوجود اس کے اُسی زمانے کا پہلوی محرر پہلوی حروف تہجی سے واقف ہوکر شاہان شاہ کے پرانے لقب

کی بجائے ملکان ملکا لکھتا تھا - اسی طرح پہلوی کاتب
گوشت کے لئیے لفظ بسرا اور روٹی کے لئیے لحمہ لکھتا تھا۔
صاحب الفہرست اور آغاز دور اسلامی کے دیگر با خبر مصنفوں
کی شہادت سے پایا جاتا ھے کہ وہ ان آرامی الفاظ کو
پڑھتے وقت فارسی الفاظ گوشت اور نان پڑھ جاتا تھا۔ اب
سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ آخر ایسا کیوں کیا جاتا تھا۔ ھماری
نگاھوں میں یہ عجیب اور بالکل خلاف قدرت چیز معلوم ھوتی
ھے؛ اگرچہ ھم بھی چند صورتوں میں تقریباً اسی کے عادی
ھیں-اور i. e. کو 'دیٹ از' e. g. کو 'فار اکزامپل' اور
& کو 'اینڈ' پڑھتے ھیں- تاھم یہ عمل و ضابطہ اُن لوگوں کےلئے
بالکل قدرتی اور آسان تھا جو ایسے تصویری خط اور محض
علامات الفاظ کے عادی تھے جن سے قوت سامعہ کی اعانت بغیر
صرف فہم و ادراک سے کام نکالا جاتا تھا۔ اگر آسور کا باشندہ
مفہوم پدر کے لئے اکادی زبان کی ایک "علامت لفظ" اختیار
کرکے اس کو پڑھتے وقت اپنی زبان کا مرادف لفظ پڑھ جایا
کرتا تھا اور اصل اکادی لفظ کا جس کے لئے یہ علامت مخصوص
تھی اُسے تصور بھی نہ آتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عجم کا
باشندہ آرامی الفاظ ملکا، بسرا، لحما کے ساتھہ اسی قسم کا
سلوک نہ کرتا اور ان کو مجموعۂ حروف کی جگہ محض علامات
نہ گردان لیتا - اس میں شک نہیں کہ سابق بحث کے مطابق
پہلوی کا عام رواج اُس زمانے سے تعلق رکھتا ھے جب کہ آسور
کو نابود ھوے عرصۂ دراز گزر چکا تھا یعنی دور ساسانی کے
ساتھہ (یعنی ۲۲۶ سے ۶۴۰ ع تک) اور اس کے بعد ابتدائی

اسلامی دور سے، لیکن پہلوی کے آثار تیسری اور چوتھی صدی قبل مسیح تک جاتے ہیں اور بقیاس غالب ممکن ہے کہ وہ اس سے بھی قبل کے سنوں میں موجود ہوں۔ ایشیا کی قدامت پسند آب و ہوا میں اس کا تعجب ہی کیا ہے؛ سیاق، جو ایران میں مالیات و حساب و کتاب میں آج بھی عالمگیر طور پر استعمال کیا جاتا ہے، مذکورالصدر بحث کی تقریباً ایک متماثل نظیر ہے، اس میں رقموں کی علامتیں، جو عربی کے معمولی اعداد کی بجائے کام آتی ہیں، دراصل مختلف اعداد کے عربی ناموں کی مختصر و مقطوعہ صورتیں ہیں۔ لیکن ایک ایرانی محاسب ان رقموں کو استعمال کرتے وقت ان کی حقیقت سے یا تو آشنا نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو اسے فراموش رکھتا ہے —

اوستیات کی مزید ترقی پہلوی مسائل پر مزید روشنی ڈالنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوستا کی تحقیق و مطالعہ میں مسلسل طور پر جو محنتیں کی گئیں ان کی طرف توجہ منعطف کریں۔ ہم دکھاچکے ہیں کہ لاسن اور برنوف نے کتبات ہخامنشی کے حل میں سنسکرت سے کیا کیا مدد لی اور ضمناً بیان ہوچکا ہے کہ برنوف نے سنہ ۱۸۳۳ – ۱۸۳۵ میں یاسناپر ایک معرکۃالآرا کتاب لکھی۔ اس کتاب کی تیاری میں اُس کی پہلی فکر یہ تھی کہ متعدد نسخوں کا باہمی مقابلہ کرکے یاسنا کا صحیح متن معلوم کیا جائے، جس کے لئے اُس نے آنکتیے کے فراہم کردہ مواد کو، جو فرانس کے قومی کتب خانہ میں طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا، استعمال کیا اور نیریو سینگ کے ترجمۂ سنسکرت کو بھی کام میں

لایا جو اُس وقت سب سے پرانا ترجمہ سمجھا جاتا تھا اور قدیم روائیوں پر دار مدار رکھتا تھا - مگر برنوف نے اس ترجمے کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر کس کر اس کا ایک ایک حرف جانچ لیا تھا ' اس کے ساتھہ ساتھہ اُس نے اوستا کی زبان کے قواعد اور تدوین لغت کا کام بھی کیا ' لیکن وہ اس سے زیادہ کچھہ نہ کر سکا کہ دوسروں کو ایک راستہ بنا دیا اور مطالعہ و تحقیق اوستا کے لئے عملی بنیاد قائم کردی - اُس کی مبسوط کتاب کا مبحث یاسنا کے ۷۲ بابوں میں سے پہلا باب ہے جو بجائے خود پوری اوستا کا پانچواں حصہ اور آداب عبادت پر مشتمل ہے اور اگر چہ کچھہ زمانے کے بعد (۱۸۴۴ - ۱۸۴۶ ع) اُس نے یاسنا کے باب نہم کو بھی ویسے ہی اصولوں سے مگر مختصر طور پر کھنگالا لیکن اُس کی کاوشیں اس سے آگے نہ بڑہ سکیں —

جنگ مسالک | اسی زمانے کے قریب محقق بوپ کی مہتم بالشان قواعد شائع ہوی جس میں اُس نے مختلف آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی صرف‌ونحو کا مقابلہ کیا ہے - اس کی اشاعت نے محققان اوستا کے درمیان ایک نیا اختلاف پیداکر دیا ' اور دو مسلک ایک دوسرے کے مخالف قائم ہو گئے - ایک نے روایات کو رہبر بنایا اور دوسرے نے مقابلۃ السنہ کو - اس وقت تک ہر ایک سمجھدار اور لائق محقق کو اوستا کے اصلی ہونے میں کوئی شک نہ رہا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اوستا کے سمجھنے میں پارسیوں کی

روایتوں پر کہاں تک اعتماد ہونا چاہئیے - برنوف نے اپنی تصنیف میں نیریو سینگ کی تفسیر بالروایت کو اپنا رہنما بنایا تھا (کیونکہ اُس وقت تک اوستاکے قدیم تر پہلوی تراجم اچھی طرح سے سمجھہ میں نہ آئے تھے اور اس لئے زیادہ کار آمد نہ ہو سکتے تھے) ؛ اس لئے وہ حامیان روایت کے ساتھہ تھا اور پوپ اہل مقابلہ کا حامی؛ کیوں کہ وہ سنسکرت کا ماہر اور زبانوں کو اصول مقابلہ سے جانچنے میں مشاق تھا اور وہ اوستا کے مطالعہ کو سنسکرت کی لسانیات کی فقط ایک شاخ قرار دیتا تھا - اسی اثناء (۱۸۵۴ - ۱۸۵۸) میں ویسترگارد اور اشپیگل نے اوستا کے متن کو طبع کرا کے محققین کا ایک لشکر صف آرا کر دیا جس کا ہر ایک فرد اپنے اپنے طور پر اوستا کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہو گیا اور اہل مقابلہ و حامیان روایت کے در میان ایک جنگ ، جس کا نام دارمشتیتر نے جنگ مسالک رکھا ہے ، برپا ہو گئی - حامیان روایت کے ارا کین میں برنوف کے بعد شپیگل اور یوستی کا مرتبہ ہے اور ان سے اتر کر دے ہارلتس اور گائگر کا - مقابلئین میں بنفی اور روتھہ صف اول میں ہیں - ونڈش مان کی حیثیت خط وسط پر قائم ہے ، ہاگ ابتداً بنفی (یعنی اہل مقابلہ) کا سرگرم مقلد تھا ، لیکن جب وہ ہندوستان سے واپس آیا تو روایات پارسی کا دم بھرتا ہوا ، اور اس نے پہلویات میں اسقدر کام کیا کہ اس کا نام سالاران قافلہ میں درج ہے ، ہاگ کا تتبع ویسٹ نے کیا اور یہ اس قدر کامیاب ہوا کہ اس سے بھی

زیادہ کامیابی حاصل کی' بقول گیلڈنر* اس کی صحت نظر اور بے مثل تبحر نے پہلویات کو ادنی درجے سے اُٹھاکر بلند مرتبے پر پہنچایا اور بالواسطہ اوستیات کے طریق مطالعہ کی اصلاح کی۔ لیکن پہلوی روایات کو جس بے نظیر شخص نے نہایت فراست وجامعیت کے ساتھہ استعمال کیا وہ بے نظیر فاضل مرحوم ڈارمشٹیٹر تھا' اس نے نہایت احتیاط اور صحت اور کامل طریقہ پر روایتوں کے ساتھہ اصل متنوں کا مطالعہ بھی کیا۔ نہایت مسرت کا مقام ھے کہ اگرچہ اُس نے گیلڈنر کی تنقیدِ متون کے طریقوں پر سخت نکتہ چینی کی تھی لیکن آخرالذکر نے اس کی تصنیف اور طرز استدلال کو ان شریفانہ الفاظ میں بیان کیا ھے † :—

ڈارمشٹیٹر اور اس کے تاریخی طریقہ پر گیلڈنر کی تحسین	"ڈارمشٹیٹر ابتدا ھی سے ساسانی ترجمے کا سرگرم حامی اور پہلوی کے اسراروں سے واقف تھا' لیکن اُس نے اپنی آراء کاماخذ صرف ان ھی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے بخوبی محسوس کرلیا کہ

* دیکھو گیلڈنر کا پاکیزہ مضمون "تحقیق اوستا کی تاریخ" جو گائگر و کوھن کی کتاب "اساس لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۴۰-۴۶ میں درج ھے اور جہاں مطالعہ اوستا کے متعلق ھر ایک قسم کی تفصیل و صراحت موجود ھے —

† مضمون مذکور صفحہ ۴۵ —

استدلالات کے بہترین طریقے کے لئے
میدان تحقیقات میں وسعت پیدا
کرنی نہایت ضروری چیز ہے جس کی
بدولت انسان کورانہ جستجو اور
قیاسات سے نکل کر یقین و صحت کی
طرف آتا ہے - چنانچہ اس کا بلا واسطہ
ماخذ پارسیوں کے تراجم ہیں، جن کو
اس نے نہایت تفصیل مگر احتیاط کے
ساتھہ مطالعہ اور استعمال کیا اور
بالواسطہ ماخذ وہ روایات ہیں جو
ساسانی دور سے آج تک متداول ہیں،
یعنی تمام پہلوی اور پاژندی لٹریچر،
پورا شاہنامہ، عرب مورخین کے نوشتہ
حالات، قدما کے تاریخی بیانات، زندہ
پارسیوں کی زبانی اطلاعات، اُن کے
رسوم و خیالات، موجودہ مذہبی
دستور و رواج جو بجاے خود صحیح
روایت پر مبنی ہیں، ایرانی لسانیات
کا تمام مواد جس میں اس کا ہر دور
ارتقا اور بولیوں کا اختلاف شامل
ہے اور خود سنسکرت بالخصوص
ویدوں کی سنسکرت - اس میں کلام

نہیں کہ دارمشتیٹر سے قبل ان
عنوانات پر کچھہ نہ کچھہ عرق ریزیاں
ہوچکی تھیں، نامکمل طور پر اور
ناکافی مواد کی بنا پر - مگر
دارمشتیٹر نے تمام اجزا کو ایک جگہ
جمع کیا اور ان کی ایک معین صورت
پیدا کر کے ان سے یقینی نتائج اخذ
کئے، اُس کی محنتوں کا ثمر پختہ،
اُس کی تازہ ترین مگر بہترین کتاب
" ژنداوستا " ترجمہ جدید حل تاریخی
و لغوی ھے (عجائب خانہ یعنے موزۂ
گومے کا سال نامہ جلد ۲۱، ۲۲، ۲۴
پیرس سنہ ۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) - دارمشتیٹر
نے حامیان اهل روایات کے مسلک
میں ایک نئی جان ڈال دی اور
انصاف یہ ھے کہ اوستا کی تحقیق
میں وہ طریقہ جس کو وہ تاریخی
طریقے کے نام سے موسوم کرتا ھے،
خالص اُس کی ایجاد ھے اور اس کی
توضیح کے لئے اُس نے بے نظیر اور
کثیر مواد فراھم کیا - اب رھا یہ امر
کہ وہ اپنی بے مثال ذکاوت اور
بے عدیل محنت میں کہاں تک

کامیاب ہوا یا جزئیات کی بحث
میں اس کے تیر فشانے سے کتنے فاصلے
پر گرے اس کا فیصلہ مستقبل کے
ہاتھہ میں ہے"—

پہلوی کتبات کا مزید حل

نا مناسب نہ ہوگا کہ اب ہم پہلوی متون اور کتبوں کے حل کی جانب متوجہ ہوں - لسانیات عجم کی اس شاخ میں باوجود تے ساسی اور اس کے جانشینوں کی (جن کا ذکر آگے آتا ہے) کامیاب محنتوں اور حال میں ویسٹ' اینڈریس' نویلڈکے' ڈارمشٹیٹر' الہان وغیرہ کی بہم رسانی معلومات کے بہت کچھہ کام کرنا باقی ہے—

نقش رستم کے ساسانی کتبے

نقش رستم دریاے پلوار کی داہنی چٹانوں پر واقع ہے جہاں دریاے مذکور وادیوں میں پھیر کھاکر 'سیوند' اور 'زرگوں' کے درمیان مرودشت میں آنکلتا ہے اور اس کے دوسری جانب مشرق میں دو یا تین میل کے فاصلے پر سامنے استخر نظر آتا ہے' یہاں ساسانی عہد کے کتبے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے' ان میں سے بعض کو حل کرنے میں تے ساسی نے جس قدر کاوش کا ثبوت دیا وہ بے حد ستائش کے قابل ہے - ایک کتبہ جس کے حل میں اُس نے خاص جد و جہد کی اگر سب سے قدیم نہیں ہے تو بہت قدیم کتبوں میں سے ایک ضرور ہے' جن کو سلاطین ساسان نے ہخا منشی کتبوں کی تقلید میں کندہ کیا تھا' اس کا سن خاندان ساسان کے بانی اردشیر (ارتخشتر) ابن

پاپک کا عہد حکومت (۲۲۶ تا ۲۴۱ ع) ہے اور پہلوی کی دو جدا جدا صورتوں میں لکھا ہوا ہے جن میں سے ایک کو کلدانی اور دوسرے کو ساسانی کہتے ہیں - ہر ایک صورت کا رسم الخط وہی جداگانہ ہے' اس کے ساتھہ یونانی زبان کا ترجمہ بھی کندہ ہے جس کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے* :—

کتبے میں ساسانی پہلوی کی عبارت کچھہ اس قسم کی ہے :-

پت کری زنا مزدیسن بگی ارتخ
شتر ملکان ملکا ایران مینو چتری من
یزتان برا پاپ کی ملکا †

---

* کتبے کا متن هاگ کے مضمون "پہلوی" (اسٹٹ گرٹ ۱۸۷۰) صفحہ ۴-۵ سے لیکر نقل کرتے ہیں اور هاگ کے طریق پر یونانی عبارت کے مقفے ہوے حروف کو حروف کلاں کی بجاے حروف خورد میں درج کریں گے' ۱۸۸۸ ع میں جب کہ ہم شمال ایران سے شیراز کی جانب سفر کر رہے تھے تو ہم نے اس کتبے کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ یہ اور بھی دھندلا ہوگیا ہے —

† جو الفاظ نسخہ میں لکھے گئے ہیں وہ ہزوارش کے ہیں (اس اصطلاح کی تشریح آگے آتی ہے) پڑھتے وقت ایک ایرانی ان کے مرادفات پڑھ جایا کرتا تھا جیسے زنا (= یہ) کی بجاے آن' ملکان ملکا کی جگہ شاہنشاہ' بن (بیٹا) کے لئے' از برا (پسر) کے لئے' پور یا پوهر اور ملکا کے لئے (شاہ) —

ترجمہ

[شبیہہ آن معبود ارتخشتر پرستار مزد، شہنشاہ
ایران، منوچہر یزدان پاپک شاہ] —

اس مزداہ کے پوجنے والے ارتخشتر بھگوان کی شبیہہ جو ایران کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کی روحانی نسل سے ھے اور پاپک بادشاہ کا بیٹا ھے —

ساسانی سکے

اس تحقیقات کی کامیابی نے دے ساسی کی ھمت بڑھائی اور جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب کے تیسرے اور چوتھے حصے میں بیان کیا ھے اب اُس نے اُسی دور کے پہلوی سکوں پر مندرجہ عبارتوں اور ساسانی عہد کے دیگر کتبات ِ بیستون کا مطالعہ شروع کیا - اوپر بیان ھو چکا ھے کہ دے ساسی کی کاوشوں نے پیکانی کتبوں کے دریافت مطالب میں گروٹ فنت کے لئے کس طرح نقطۂ آغاز کا کام دیا، اس کے بعد اول الذکر کی تحقیق کے اُس حصے کو جس میں سکے اور تمغوں سے تعلق ھے اوسلے نے (۱۸۰۱) جاری رکھا اور ساسانیوں کے تقریباً چالیس سکوں کو پڑھ ڈالا، پیٹر ۱۸۰۸ سے ۱۸۱۳ تک تائخ زن بوی اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہا —

کتب و کتبات کی پہلوی

ایک ھی زمانے کی پہلوی کتابوں اور ساسانی یادگاروں (کتبے اور سکے) کے حروف تہجی میں نمایاں فرق ھے اور کتابوں کے حروف زیادہ مبہم ھیں، مگر یہ نظر انداز نہ کرنا چاھئے کہ بائیس برس پہلے فیوم مصر میں کاھی کاغذ پر جو تحریروں کے اجزا برآمد

کئے گئے تھے اور جو اب تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑے
ہوے ہیں بلکہ ھنوز پورے طور پر پڑھے بھی نہیں گئے
اُن کے علاوہ تحریری پہلوي کے قدیم ترین نمونے صرف ۱۳۲۳ ع
تک کے ہیں' گویا مندرجۂ بالا ساسانی کتبے سے ایک ہزار
سال بعد کے - اس مدت میں (جس کے دوسرے نصف میں
پہلوی رسم الخط کو صرف پارسی حاملان ملت ایسی قدیم
کتابوں کو نقل کرنے کے کام میں لاتے تھے جو باقی رہ گئی
تھیں) تحریری حروف بگڑ کر بغایت ابتر حالت میں پہنچ گئے
یہاں تک کہ وہ حروف جو بلحاظ شکل ایک دوسرے سے بالکل
جدا تھے اب ہم شکل ہوگئے اور ایک حرف متعدد آوازوں کا
قائم مقام بن گیا - اگر چہ تعدد اصوات کا نقص ساسانی کتبوں
میں بھی پایا جاتا تھا لیکن کتابی پہلوی میں اس نقص کو
کو انتہا درجے وسعت حاصل ہو گئی' مثلاً اب ایک حرف واحد
چار مختلف حروف یعنی ز' د' گ اور ے کی آوازیں دیتا ھے
حالانکہ قدیم کتبوں میں ان آوازوں کی تحریري علامتیں
بالکل جداگانہ ہیں - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ھے کہ کتابی
پہلوي کی عبارتیں کس درجہ مبہم اور مشکل ہوں گی اور
ان عبارتوں کے حل میں کتبیات سے کس قدر امداد مل سکتی ھے'
اس امداد کی اهمیت کو میونک کے پروفیسر مارک جوسف ملر
نے پوری طرح سے سمجھا اور اس پر بعنوان "پہلوی زبان"

ملر کا مضمون

ایک مضمون لکھ کر اپریل سنہ ۱۸۳۹ ع کے
یورسال ایشیاٹک میں شائع کرایا جس کی
بابت ہوگ کا خیال ھے کہ اس مضمون سے پہلویات میں ایک نیا

انقلاب پیدا کردیا ہے - پیروان زرتشت بالخصوص پارسیان بمبئی کے ہاں پہلوی کتب کے پڑھنے کا ایک روایتی لیکن مخرب طریقہ رائج ہے جس کے باعث بالکل جعلی اور مہمل الفاظ پیدا ہو گئے، انھیں دنیا میں آج تک کسی قوم نے نہ تو زبان سے ادا کیا اور نہ قلم سے، مثلاً 'بومن' (دراصل برا تہا = پسر)، مودا (دراصل ملیا = لفظ)، انہومہ (دراصل اوہرمزہ = خدا)، جم قن تن (دراصل یمللونتن = بولنا) وغیرہ۔ مبہم پہلوی رسم خط اوپر کے ہر غلط تلفظ بلکہ ہر لفظ کے اور درجن بھر غلط تلفظوں کا متحمل تھا - لیکن نسبتاً کم مبہم کتیباتی پہلوی سے مقابلہ کرنے پر بعض الفاظ کا صحیح تلفظ اور ان کی صحیح شکلیں دریافت ہو گئیں، ضبط تلفظ کے اس طریق کی ایجاد ملر کی کوشش کا نتیجہ ہے اگر چہ قدرتاً وہ ہر لفظ کا صحیح تلفظ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا ـــ

اس مسئلے کی مزید صراحت سے قبل ہم یہ چاہتے ہیں کہ پہلوی کی ایک لاینفک خصوصیت پر متوجہ ہوں جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بارہا آچکا ہے یعنی پہلوی میں آرامی الفاظ کے ہزوارش یا زوارشن عنصر پر جو بحالت اکثر فارسی حرف کے لاحقوں یا صوتی ضمیموں کے باعث کم و بیش مسخ کردیا گیا ہے - جس وقت ایک پہلوی متن پڑھنے میں آتا ہے تو اس کی عبارت میں ایسے کثیرالتعداد الفاظ ملتے ہیں جو نسلاً ایرانی زبان کے نہیں بلکہ سامی زبان کے ہوتے ہیں یا بالفاظ معینہ آرامی

بولی کے جو سریانی یا کلدانی زبان سے بہت ملتی جلتی
ہے - اچھا ' چونکہ جدید فارسی میں بھی سامی زبان یعنی
عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ہیں اور جیسے لکھے جاتے ہیں
ویسے ہی پڑھے جاتے ہیں لیکن در اصل ہیں غیر ملکی اور
فارسی زبان میں اس طرح ایک جگہ ہوگئے ہیں جس طرح
یونانی ' لاطینی ' فرانسیسی اور دوسری غیر زبانوں کے
الفاظ ہماری موجودہ انگریزی زبان میں پیوست ہوگئے
ہیں ' اس لئے اول اول یہ خیال کیا گیا تھا کہ پہلوی میں
آرامی عنصر کا شمول ایک ایسی ہی چیز ہے جیسے کہ
جدید فارسی میں عربی عنصر کا وجود - لیکن کاوش عمیق
سے پتہ چلا کہ ان دونوں صورتوں میں ایک بین فرق ہے '
عربی کو جدید فارسی سے جو تعلق ہے وہ آرامی کو پہلوی
سے نہیں ہے - ایک زبان دوسری زبان کی خواہ کتنی ہی
گرانبار احسان ہو لیکن احسان و استعانت کی ایک حد ہے
جس سے تجاوز کرنا امکان سے بعید ہے - ہم کسی مرصع نگار
ادیب کی مسجع و رنگین ' فارسی عبارت کا ایک ٹکڑا
سامنے رکھیں تو ہم کو بلا دقت ایسے جملے نظر آئیں گے
جن میں تمام مصادر و اسما اور صفاتی الفاظ بلکہ اقتباس
و مقالات خالصاً عربی ہوں گے ؛ لیکن جملوں کی عام ساخت
اور ضمائر و افعال فارسی ہوں گے اور ان سے مفر بھی
ناممکن ہے - چنانچہ انگریزی کے اس فقرے کے

I regard this expression of opinion as dangerous

آٹھ لفظوں میں صرف چار انگریزی نسل کے ہیں ' لیکن

فقرے کا اسلوب منہ سے بولتا ہے کہ میں انگریزی ہوں' یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آئی (I) ' دس (this) ' آف (of) اور ایز (as) کی جگہ بدیسی الفاظ استعمال ہونے چاہییں - لیکن پہلوی میں معاملہ اس کے برعکس ہے - ہوگ کا یہ خیال (" پہلوی زبان " صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) تو قدرے مبالغہ آمیز ہے کہ :—

" اسم کی علامات حالت وجمع ' ضمائر
منفصلہ ' اشارہ ' موصولہ یا استفہام '
ایک سے دس تک کے اعداد ' روزمرہ
استعمال کے افعال (بشمول افعال امدادی)
مثلاً ہونا ' جانا ' آنا ' چاہنا '
کھانا ' سونا ' لکھنا وغیرہ ' تقریباً جملہ
حروف ربط ' متعلقات فعل ' حروف
عطف ' وضع اسم کے متعدد اہم لاحقے
اور عام الفاظ کی ایک بہت بڑی
تعداد (کم از کم ساسانی کتبوں میں)
یکسر سامی الاصل ہے "

لیکن حقیقتاً واقعہ بہت کچھ یہی ہے ' پہلوی کے اکثر جملوں میں صرف اواخر فعل و ضمائر متصلہ اور جملے کی عام ساخت عجمی ہوتی ہے ' گو ہم مانتے ہیں کہ یہ اجزا جملے کا اہم اور لازمی حصہ ہوتے ہیں - ان خصوصیات پر مستزاد متعدد عجیب الخلقت دوغلے الفاظ ہیں جو کچھ نیم فارسی نیم آرامی ہیں ' جو ایک صحیح دماغ کے نزدیک کسی زبان

کے الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں - مثلاً لکھنے کے معنوں میں سامی لفظ کا مادہ تین حروف ک ، ت ، ب سے مرکب ہے ، اس سے صیغۂ جمع غائب یکتبون (عربی یکتبُون) بنتا ہے، حالانکہ اس معنی کا فارسی مصدر نبشتن ، نپشتن ، یا نوشتن ہے - مگر پہلوی محرر ایک نیا لفظ " یکتبون تن ، گھڑ لیتا تھا ، تاہم جب وہ اس کو پڑھتا تو " یکتبوتن " نہیں پڑھتا تھا ، اس کے نزدیک یہ لفظ جو آرامی میں ایک بامعنی منصرفہ لفظ ہے محض ایک علامت لفظ یا تصویری لفظ تھا جو " نپش " کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا ، پس وہ فارسی کا مناسب لاحقہ " تن " یکتبوں کے ساتھ ملا کر اپنے خیال میں ایک پورا مصدر "یکتبون تن " بنا لیتا اور اس کو پڑھتا " نپشتن " - اس طرح " مرد " (آدمی) کے لئے وہ سامی لفظ " گبرا " لکھتا لیکن جب وہ چاہتا کہ مرد کا مرادف مردم پڑھا جائے تو وہ گبرا کے آخر میں " مُ " ملا کر ، گبرا مُ " اختراع کر لیتا تھا اور پڑھنے والا " گبراُم " کو " مردم " پڑھتا تھا —

اوپر بالاختصار بیان کر چکے ہیں کہ اس عجیب و غریب طرز تحریر و طریق تلفظ کی مثال آسوری زبان میں بھی موجود ہے - توران کی قدیم تر اکادی زبان میں باپ کے لئے لفظ اڈّہ تھا اور حسب بیان ہوگ جب اہل آسوریہ باپ لکھنا چاہتے تو وہ اڈّہ کا ایک رکن " اد " یا " ات " لکھ دیتے تھے مگر اس کو پڑھتے تھے لفظ " اب " جو ان کی زبان میں باپ کے لئے آتا تھا اور اگر ان کو " میرے باپ "

لکھنا منظور ہوتا تو وہ اتویہ لکھتے مگر اس کا تلفظ ابویہ
کرتے - و اسوری قوعد میں علامت فاعلی ہے اور لاحقہ ی
بمعنی "میرے"، آسوری ان دونوں کو غیر زبان کے ایک جزو
"ات" کے ساتھ اضافہ کردیتے تھے - اِسی طرح ایک پہلوی محرر
جب باپ لکھنا چاہتا تو بجاے پتر (= پدر) کے آسوری اِبتو
لکھتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ آسوری " اب " کو وہ محض ایک
ایک تصویری علامت سمجھتا تھا اور اس کے فارسی مرادف کو
لاحقۂتو سے ظاہر کرتا تھا —

ایک اور تعجب انگیز لیکن مفید خصوصیت پہلوی
رسم الخط کی یہ تھی کہ فارسی کا وہ لفظ جو اس زمانے
میں مرکب اور تحلیل و تجزیہ کے قابل خیال کیا جاتا
تھا اُس کا ہو ایک رکن سامی یا ہزوارش مرادف رکن سے
ظاہر کیا جاتا تھا ، مثلاً فارسی کا مصدر پنداشتن بمعنی
سوچنا ، خیال کرنا لو - اِس زمانے کے ایرانی کو خیال بھی
نہ ہوگا کہ یہ مرکب ہے اور اس کے اجزا جدا کئے جا سکتے
ہیں ، لیکن پہلوی محرر کو علم تھا کہ یہ مفرد نہیں
ہے ، چنانچہ جب وہ اس کو لکھتا تو اس طرح سے ، پون
(براے پ = واسطے) ھانا (براے این ، اس) ، یخسنونتن (داشتن ،
پکڑنا یا لینا) ، نولتیکے نے لفظ مگر (= تا وقتیکہ = اگر نہیں)
کے ایسے ہی تجزیہ کی جانب توجہ دلائی ہے ، یہ بھی
دو آرامی یا ہزوارش اجزا سے ظاہر کیا جاتا ہے جن میں سے
پہلے کے معنی نہیں اور دوسرے کے اگر ہیں - اس اصول

کا ایک اور عجیب مگر سبق آموز اطلاق ہے - جدید فارسی میں ضمیر واحد کے لئے "من" آتا ہے جو قدیم فارسی کے مرادف "ادم" (— اوستا میں اژم) کے اُس مادے سے مشتق ہے جو حالت فاعلی کے علاوہ ہر ایک حالت سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی حالتِ جر منا ہے - پہلوی لکھنے والا جس وقت من کا ھز وارش مرادف "لی" (مجھے یا میرے لئے) لکھتا ہے تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتا ہے —

اگر خارجی شہادتیں بھی موجود نہ ہوتیں تو ان مثالوں کو دیکھ کر ایک نہایت تیز ذہن آدمی کو یہ ظن پیدا ہو سکتا تھاکہ پہلوي زبان کی خصوصیت حروف یا علامت تہجی میں مرکوز ہے جو عبارت کے پڑھتے ہی غائب ہو جاتی تھی لیکن خوبیٔ قسمت سے شہادتیں موجود ہیں جو اس امر کو تمام و کمال ثابت کرتی ہیں : -

پہلی خارجی شہادت مورخ اے می آفس مار سے لی فس کی کتاب میں درج ہے - وہ (باب ۱۹ ، ۲ - ۱۱) میں لکھتا ہے :—

"اہل ایران اُسے ساپورم اور ساں ساں
(یعنی شاہ پور اور شاہاں شاہ) اور
پای رُوزن (یعنی پیروز یا فیروز)
کہتے تھے جس کے معنے بادشاہوں کا
بادشاہ اور فاتح جنگ ہیں"

یہ حوالہ شاپور دوم (۳۰۹ - ۳۷۹ ع) کے متعلق ہے جس کا خطاب سِکّوں پر" ملکان ملکا"اور لوگوں کی زبان پر آجکل کے

مانند "شاهنشاہ" تھا ـــ

دوسری شہادت علامہ محمد بن اسحاق مؤلف الفہرست (۹۸۷ – ۹۸۸) کی ھے ' علامہ نے پہلوی کی نسبت نیز دیگر مسائل میں جو کچھہ ساسانی ایران کے متعلق حوالۂ قلم کیا ھے وہ فقیہ‌الدھر ابن المقفع کی سند سے ھے ' یہ فاضل

ابن المقفع

آتش پرست تھا' آٹھویں صدی کے وسط میں گزرا ھے' مسلمان ھوگیا تھا مگر دل شک سے خالی نہ تھا' ۷۶۰ع کے قریب قتل کردیا گیا. مقرر اور صاحب علم ایسا زبردست تھا کہ وزیر و کاتب ابن مقلہ (متوفی قریب ۹۳۹ ع) نے ان دس لوگوں کی صف میں اس کو جگہ دی ھے جو فن تقریر اور عربی انشاپردازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے' ابن خلدون بھی اس کی زباں دانی کا اعتراف کرتا ھے - ان کمالات کے ساتھہ ابن‌المقفع نے پہلوی پر بھی کامل عبور حاصل کیا تھا' چنانچہ اس نے متعدد اھم پہلوی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا جن میں سے صرف ایک ترجمہ باقی بچا ھے اور اتفاق سے وہ بھی سب سے کم دلچسپ کتاب یعنی کلیلہ و دمنہ کا. اس عالم کے بیانات کو مستند تسلیم کرکے مؤلف‌الفہرست نے سات قسم کے خط (کتابہ) جو اسلام سے قبل ایران میں رائج تھے' گنوائے ھیں اور آگے چل کر ھزوارش کی بابت جو کچھہ تحریر کیا ھے اس پر سب سے اول کاترمیر نے سنہ ۱۸۳۵ع میں یورپ کو متوجہ کیا لیکن اس کا اصل متن سنہ ۱۸۶۶ع تک شایع نہ ھوا تھا - سن مذکور میں چارلس کانو نے متن کو اپنے ترجمے کے ساتھہ طبع کرایا

اور کاترمیر کے ترجمے پر حرف گیری بھی کی ہے- ابن اسحاق کا بیان ہے :-

"اور اسی طرح ان کے ہاں ایک قسم کے ہجے (متن میں ہجا ہے، کتابہ نہیں ہے)، رائج ہیں جن کو زوارشن (یا هزوارش) کہتے ہیں، الفاظ کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی، انہیں ملاکر بھی لکھتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی- ان ہجوں سے مقصود یہ ہے کہ ہم شکل الفاظ کو ایک دوسرے سے تمیز کیا جاسکے اور ابہام نہ پیدا ہونے پائے- مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جب گوشت لکھنا مقصود ہوتا ہے تو اس صورت سے "بسر" لکھ دیا جاتا ہے (یہاں اصل لفظ پہلوی خط میں درج ہے) مگر اس کو پڑھتے ہیں گوشت، اسی طرح نان لکھنا منظور ہوتا ہے تو "لحمہ" لکھ دیتے ہیں (یہاں بھی اصل پہلوی لفظ درج ہے) لیکن پڑھتے ہیں نان- یہی حالت دوسرے الفاظ کی ہے، ہاں جن الفاظ کے لئے اس قسم کے قایم مقام الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سیدھے سادھے

طور پر اسی طرح لکھے جاتے ھیں جیسے
کہ تلفظ میں آتے ھیں'' * —

تیسری شہادت یہ ھے کہ جوں ھی فارسی عبارتیں عربی حروف میں منتقل ھونے لگیں آرامی یا ہزوارش عنصر بالکل غائب ھوگیا، اگر ہزوارش الفاظ تلفظ یا بول چال میں آیا کرتے تو یہ انقلاب ممکن نہ تھا۔ مگر ایسی حالت میں بالکل ممکن اور قدرتی چیز تھا جب کہ ہزوارش الفاظ صرف تحریر کے کام میں آتے ھوں اور محض علامتوں کی قیمت رکھتے ھوں —

چوتھی شہادت کے طور پر وہ روایت پیش کرسکتے ھیں جو آج تک پارسیوں میں رائج ھے یعنی یہ کہ ہزوارش الفاظ کو پڑھتے وقت فارسی الفاظ سے بدل دینا چاھئے۔ یہ روایت جیسا کہ ھم اوپر دکھا چکے ھیں تفصیل میں قابل وثوق نہیں

---

* دیکھو ھاگ کا مضمون ''پہلوی'' صفحہ ۳۷ وغیرہ، جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۳۵ (صفحہ ۲۵۶) اور بابت ۱۸۶۶ (صفحہ ۴۳۰)، اور کتاب فہرست مرتبۂ فلوگل صفحہ ۱۴، ھوگ کے بعض ترجموں سے ھم کو اتفاق نہیں ھے خصوصاً لفظ ''متشابہات'' کے مفہوم سے جس کا ترجمہ اس نے ھم معنی الفاظ کیا ھے، ھم کو اس سے اختلاف ھے، ھمارے نزدیک مشتبہات سے وہ فارسی الفاظ مراد ھیں جو پہلوی حروف میں تحریر ھونے سے مبہم ھوجاتے ھیں، مگر ان کے ہزوارش مرادفات اتنے مبہم نہیں ھوتے، جس کا جی چاھے نان کو پہلوی میں لکھہ کر دیکھہ لے، اس کو معلوم ھوجائے گا کہ یہ لفظ کے طرح سے پڑھا جاسکتا ھے اور ابہام کی اصل وجہ کیا ھے —

ہے تاہم اصولاً اس کا مفہوم ہمارے بیان کا موید ہے' یہی وجہ ہے کہ ایسی پاژند اور فارسی کتابیں وجود میں آگئیں جو عربی اور اوستا کے غیر مبہم حروف میں بعض پہلوی کتابوں کی نقلیں ہیں اور جن میں آرامی یا ہزوارش الفاظ کی جگہ فارسی کے صحیح یا فرضی مرادفات رکھتے چلے گئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ

۱۔ تعریف اصطلاحات

اس باب کو ان اصطلاحات کی تعریف پر ختم کیا جائے جو ایران کی السنۂ ماضیہ کے ذکر میں استعمال ہوئی ہیں' ساتھ میں ان کے صحیح مفہوم کی توضیح بھی کردی جائے اور جہاں تک معلوم ہے ان کے اشتقاق اور مادہ کا بھی سراغ لگایا جائے۔

۲۔ میڈوی

"میڈوی" سے مراد ہے زبان میڈیا' جو موجودہ ایران کا مغربی حصہ ہے۔ کتبۂ دارا میں اس لفظ کو مادہ لکھا ہے اور قرن اولی کے عرب جغرافئین نے اس کو ماہات کا نام دیا ہے۔ ماہات ماہ کی جمع ہے جو سابقہ کے طور پر ماہ بصر' ماہ کوفہ' ماہ نہاوند میں لگا ہوا ہے۔ میڈیا کا قدیم دارالحکومت ایکبتنہ تھا جو کتبوں میں ہگمتانہ آیا ہے اور اب ہمدان کہلاتا ہے۔ میڈوی آج کل ناپید ہے لیکن دارم شتیٹر کے قول کو مان لیں تو میڈوی اوستا کی زبان ہوگی' اور اگر آپرٹ کے خیال کو تسلیم کیا جائے تو ہخامنشی دور کے سہ لسانی کتبات میں دوسرے نمبر کی جس کی عبارت قدیم فارسی سے اور آسوری زبان کے درمیان ہے۔ بہ خیال غالب یہ زبان قدیم فارسی بہت کچھ مشابہ تھی اور اس کے بعض الفاظ سے' جو بعض مصنفین مثلاً ہیرو ڈوٹس کی کتابوں میں محفوظ ہیں'

قوی شبہ ہوتا ہے کہ ایران کی بعض موجودہ بولیاں اسی کی نسل سے ہیں —

اوستائی

"اوستائی" سے مراد ہے اوستا کی زبان جو اکثر غلط طور پر "ژند" اور کبھی کبھی "قدیم باختری" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ آخرالذکر نہایت ہی نا مناسب نام ہے کیونکہ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے دلائل اس کو شمال مشرقی باختر کی زبان قرار دینے کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں، ویسے ہی اس کو شمال مغرب یا آذربائجان کی زبان ثابت کرنے کے لئے بھی دیے جاسکتے ہیں، ثبوت دونوں طرف برابر ہے۔ صرف اوستا ایسی کتاب ہے جو اس زبان میں قلم بند ہے، گو خود اوستا کے چند بھجن جن کا نام گاتھا ہے قدرے مختلف اور باقی حصوں کی زبان سے قدیم تر زبان میں ہیں۔ اوستائی کا رسم خط پہلوی سے ماخوذ ہے لیکن اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ لفظ اوستا کا وجود دور ساسانی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا گو آپرٹ کا عقیدہ ہے کہ دارا کے بیستونی کتبے (کتبہ ۴، فقرہ ۶۴) میں جو ایک لفظ آبستام آیا ہے اس سے اوستا عبارت ہے۔ پہلوی میں اوستا کی صورت "آوستاک" اوستاک (دارم شتیتر اپستاک) سریانی میں "اِپستاگا" اور عربی میں "ابستاق" ہے۔ اینڈریاس کا خیال ہے کہ وہ قدیم فارسی کے لفظ "اُپستا" (= مدد، حمایت) سے مشتق ہے اور اس کے معنی "اصل متن" ہیں۔

ژند

اس میں شک نہیں کہ اوستا و ژند کو جب ملاکر بولتے ہیں تو اوستا

متن کے معنی دیتا ھے۔ "اوستاو ژند" کو الٹ کر "ژند اوستا" بھی کہدیتے ھیں، یہ تقدیم و تاخیر بالکل غلط اور دھوکے میں ڈالنے والی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ پارسیوں کی الہامی کتاب کا متن اوستا اور اس کی مسلسل پہلوی شرح (= ترجمہ و تفسیر) ژند کہلاتی ھے جو عموماً متن کے ساتھ درج کی جاتی ھے۔ پس اگر "زبان ژند" کی اصطلاح استعمال میں آئے تو اس سے ژند یعنی ترجمہ و تفسیر کی زبان یا بالفاظ دیگر "پہلوی زبان" مراد لینی چاھئیے۔ لیکن انسب تو یہی ھے کہ اس اصطلاح کا استعمال قطعاً ترک کردیا جائے کیونکہ یورپ میں ایک غلط فہمی کی بنا پر "زبان ژند" کا اطلاق "زبان متن" پر ہوتا رھا ھے —

قدیم فارسی

قدیم فارسی اوس زبان پر دلالت کرتی ھے جو "ایران خاص" یعنی فارس کی قدیم زبان تھی، ھخامنشی دور کے کتبات کی سرکاری زبان اور بلاریب وہ زبان جس میں سلاطین مثلاً دارا و زرکسیز اور دوسرے تاجدار بات چیت کرتے تھے یہی تھی، بجز کتبوں کے اس کا نشان کہیں باقی نہیں —

پہلوی

اولس ھاؤس کی تحقیق کے مطابق "پہلوی" اور "پارتھوی" ھم معنی ھیں، جس طرح قدیم الفاظ متھر اور چتھر مہذب و سبک ھوکر مہر اور چہر بن گئے ھیں اسی قیاس پر پارتھیہ کا پرانا فارسی نام پارتھوا پہلے 'پرھو' پرھو سے 'پلھو' اور پلھو سے 'پہلو' بن گیا ھوگا۔ جغرافئیین عرب نے اس کو عربی صورت فہلو بنا کر وسط و

غرب ایران کے ایک ایسے حصے کے لئے استعمال کیا ھے جس
میں اصفہان، رے، ھمدان، نہاوند اور آذر بائجان کا کچھ
حصہ شامل تھا۔ اوپر بتایا جا چکا ھے کہ ھم کو پارتھیوں کے
متعلق عجمی ذرائع سے اس قدر کم حال معلوم ہوا ھے کہ ھم
یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ ایرانی تھے یا تورانی۔ قومی
روایات نے ان بادشاھوں کے متعلق جن کو "ملوک الطوائف"
(= شاھان قبائل) کا لقب دیا گیا ھے اس قدر کم مواد محفوظ
رکھا ھے کہ شاہ نامے میں فردوسی نے صرف ایک صفحے میں
ان کی داستان ختم کردی ھے) وہ ان کو جاھلان وحشی اور
ناقابل ذکر قرار دیتا ھے۔ ان کے سکوں پر یونانی عبارت
کندہ ھوتی تھی بلکہ انھوں نے یونانی لقب "فیل ھلینیز"
بھی اختیار کرلیا تھا؛ ان باتوں سے ساسانیوں کا یہ دعویٰ
ایک حد تک صحیح ثابت ھوتا ھے کہ ھم نے سکندر کے استیلا
و استیصال کے بعد قومی خصوصیات و عقائد کو زندہ کیا۔
مگر لفظ "پہلووں کا نام" ھندوستان بھی پہنچ چکا تھا اور ایران
میں آج بھی "دور شجاعت" یا دور مشاھیر یعنے پہلوانان
نامور کے کارناموں اور زبان کے معنوں میں رائج ھے۔ تاھم
بمعنی "زبان" ایران میں پہلوی کا مفہوم اس قدر معین
نہیں ھے جس قدر کہ یورپ میں جہاں پہلوي کو فقط ساسانی
یا فارسی متوسط کا مترادف کہتے ھیں اور یہ سمجھتے ھیں کہ
اُس کا ایک خاص رسم الخط ھے اور اس میں آرامی یا ھزوارش
عنصر کی آمیزش ھے۔ لیکن (وہ) "پہلوی" جس میں فردوسی
کے شاھان نامدار اور پہلوانان گردن‌کش مراسلت کرتے تھے؛

جس میں عمر خیام اور خواجہ حافظ* نے نغمہ سرائی کی، جس میں "فہلویات" (بولیوں کے اشعار) نام کی نظمیں موجود ہیں اور جس کی بابت چودھویں صدی کے مشہور مورخ و جغرافیہ نویس حمداللہ مستوفی قزوینی کا بیان ہے کہ وہ ایران کے متعدد اضلاع خاص کر شمال مغرب میں بولی جاتی ہے، مقابلۃً ایک غیر معنی اور مبہم چیز ہے۔ بقول فردوسی تہمورث "دیوبند" پہلا بادشاہ تھا جس نے نہ صرف ایک زبان بلکہ تقریباً تیس زبانوں مثلاً رومی (یونانی)، تازی (عربی)، پارسی، ہندوستانی، چینی اور پہلوی کو تحریر کی زبان بنایا تاکہ "وہ چیز جس کو تو بولا ہوا سنتا ہے نوشتہ ہو جائے"†۔ تہمورث جمشید کا پیشرو تھا اور جمشید وہ فرضی شخص تھا جو اوستا میں یمہ اور کتب ہنود میں یمہ لکھا ہے اور جس کا وجود صرف ہندیوں اور ایرانیوں کے مشترک افسانوں سے تعلق رکھتا ہے، یعنی ان ازمنۂ بعیدہ سے جب کہ ہنوز فارسی متوسط تو درکنار اوستائی یا قدیم فارسی آرین گروہ کی قدیم زبان سے جدا نہ ہونے پائی تھی۔ بالفاظ مختصر ایک طرف تو فردوسی پہلوی کو گھسیٹ کر دور فسانہ سے بھی صدیوں پیچھے لیجاتا ہے اور دوسری طرف حمداللہ قزوینی اُس کو گاؤں کی بولی بیان کرتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قزوینی کا مطلب اُس جواب سے زیادہ نہیں ہے جو قوہرود (کاشان سے

* مثلاً: با خواجہ مے خورد بغزلہاے پہلوی۔ (حافظ)
† شاہ نامہ مرتبۂ میکن جلد اول صفحہ ۱۸ —

ایک منزل جنوب میں ایک کوهستانی علاقہ اور قدامت کے متعلق
دیہاتی نے راقم کو دیا تھا - هم نے اُس سے د[illegible]شکل پیدا هو جائیگی
کہ تمهارے گاؤں کی زبان کیا هے ؛ تو اُس نے مثلاً منیوےخرد
"فرس قدیم" - زرتشتیوں کے علاوہ خود ایران کا جن کے پہلوی
باشندہ "پہلوی" کو فرس قدیم سمجھتا هے! لیکن اس لتے هیں *،
میں یہ لفظ فارسی متوسط یا فارسی ساسان کے محدود معنو تصنیف
میں استعمال کیا گیا هے - پہلوی اس حد تک پارتھوی زبان هیں)
کہلا سکتی هے کہ اس کے ابتدائی نقوش عہد زهر اور تیسری هی
چوتھی صدی قبل مسیح یعنی عہد پارتھیہ کے نیم پارتھوی
سکوں میں پائے جاتے هیں *

هزوارش

"هزوارش" "زوارش" یا "زوارشن" کی تشریح اوپر گزر چکی هے - لیکن اس لفظ کا اشتقاق بے حد مشتبہ هے اور اس کی نسبت ظنیات کا ایک عجیب عالم هے - دستور هوشنگ جی "هزوان آسور" (زبان آسور) تجویز کرتا هے اور دراں بورگ "هاسوسی" بمعنی "یمسوبانی هے "- لیکن هوگ اور دارم شتیٹر کا سراغ زیادہ قرین قیاس معلوم هوتا هے - هوگ کا خیال هے کہ یہ حاصل مصدر هے جس کے معنی هیں پرانا یا متروک هونا - دارم شتیٹر نے بھی اسی قسم کا ایک فعل سوچا هے جو اس کے

---

* دیکھو هوگ کا مضمون "پہلوی" صفحہ ۳۰ تا ۳۱ اور وبسٹ کا مضمون "ادبیات پہلوی" جو "لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۷۵ میں درج هے -

جس میں عھو خہ هو کر اب اس قدر غائب هوگیا هے که
جس میں "فر میں اُس کی ایک ایک شکل صرف عربی کے
موجود هیں ر " (تزویر مصدر) میں باقی هے اور " زور"
مورخ و هے اُس نے جبر کیا ' چھپایا' بگاڑا یا (متن میں)
هے که ب کی ' دھوکا دیا ' چال کی یا غلط راسته پر ڈالا ' -
بوا کیف جس نظام تحریر میں مثلاً " اینوں گوینه کو "
بق (جو دوسرے هزوارش جملے کا پاژند پارسی مرادف هے)
" آئی تونو یهللونتن ایغ " لکھا جاے اُس کے نام هزوارش
کا مفہوم مطالب پر جبر کرنا ' اُن کا چھپانا یا بگاڑنا هو تو
کسے اچنبھا هوسکتا هے ' حقیقتاً یه جمله معانی هزوارش
پر صادق آتے هیں —

پاژند و پارسی

هم دکھا چکے هیں که متن اوستا کی پہلوی " تشریح " ژند کہلاتی هے - اسی طرح پہلوی ژند کی " تشریح مکرر " (پینتی زینتی) پاژند کہلاتی هے' تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا هے وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم هے اور اُس کے الفاظ هزوارش کی بجاے منا سب فارسی الفاظ هیں' (اس نقل و تغیر کے لئے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے هیں تو نتیجه پاژند کہلاتا هے - اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے هیں تو پارسی کہلاتا هے)- پہلوی کی نقل خواہ پاژند هو خواہ پارسی دونوں سے جدید یا بعدالاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما (قدیم‌نما اس لئے کہنا پڑا که بد قسمتی سے پارسیوں کی

روایتیں اعتبار کے لایق نہیں ہیں اور قدامت کے متعلق ' ان کا بیان سند قاطع نہیں ہوسکتا) مشکل پیدا ہو جائیگی اور آرامی عنصر بالکل معدوم - متعدد کتابیں مثلاً مینوے خرد (= روح فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پاژند یا پارسی دونو قبیل کے نسخے ملتے ہیں* ' لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ہیں وہ اصلی تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں) نقل ہیں' اس لئے کہ تفسیر مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں تک متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے ' اور کاتبان پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ہونے لگے —

جدید فارسی / جدید فارسی یا صرف فارسی سے ہمارا مدعا وہ زبان ہے جو اسلام کے بعد ایران میں بولی جاتی تھی اور جس کی تحریر کے لئے عربی حروف مستعمل ہوتے ہیں' فارسی قدیم (ہخا منشی) فارسی متوسط (ساسانی) فارسی جدید (اسلامی) بس ایسے ہی الفاظ ہیں جیسے کہ قدیم انگریزی (اینگلوسیکسن ' انگریزی متوسط اور جدید انگریزی جو ہماری زبان کے مدارج ترقی کے

---

* مینوے خرد کے پہلوی متن کی نقل مطابق اصل انتر یاس نے لیتھو میں چھاپی ہے (مطبوعہ کیل سنہ ۱۸۸۲ع) ' ویسٹ نے پہلوی کی پاژند نقل رومن حروف میں اور ترجمہ سنسکرت اور انگریزی میں کیا ہے اور اس پر حواشي بھی لکھے ہیں (اسٹٹ گارٹ سنہ ۱۸۷۱ع)

جدا جدا نام ہیں - تقسیم بالا کے لحاظ سے ہم اصطلاح فارسی جدید کو بے تکلف روزمرہ کے کلام پر منطبق کر سکتے ہیں جس کے زمانے کو تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ گزرا اور یہ انطباق اس مفہوم کا ہمسر ہوگا کہ شیکسپیر "انگریزی جدید" لکھتا تھا - لیکن اگر یہ نام ایک ایسی زبان کے لئے جو مدت کے اعتبار سے نویں صدی عیسوی تک پیچھے پہنچتی ہو نامناسب معلوم ہوتا ہے تو ہماری دانست میں دوسرا نام "اسلامی فارسی" مقرر کر لیا جائے گو اعتراض سے یہ لقب بھی کلیۃً محفوظ نہیں - کسی دوسرے موقعہ پر ذکر آچکا ہے کہ تین سو سال میں انگریزی نے جو رنگ بدلے وہ فارسی پر ایک ہزار سال میں بھی نہیں چڑھے اور خاص طرز کے متروکات محض اُن تالیفات تک محدود ہیں جو تیرھویں صدی کے انقلاب اعظم یعنی سیلاب مغلیہ سے قبل وجود میں آچکی تھیں—

ایرانی بولیاں

باب نو سے پیشتر جدید فارسی کی بعض مقامی بولیوں کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا، ان سے ہماری مراد نہ تو افغانستان کی فارسی ہے، نہ بلوچی، نہ کردستانی، نہ پامیری جو ایرانی زبان کی دلچسپ شاخوں میں داخل ہیں اور نہ کوہ قاف کی فارسی، جس کے متعلق پوری تفصیل گائگر و کہن کی مذکورۂ بالا تصنیف لطیف "لسانیات عجم" جلد اول کے آخری حصے میں ملے گی، بلکہ ہماری مراد اُن بولیوں سے ہے جو خاص ایران کے علاقوں میں رائج اور انھی تک محدود ہیں، گو اِن کی تحقیق میں بیریزن، تورن،

ژالمان اور خاص کر روس میں ژکووسکی نے' گائگر' سوت سین'
ھیبش مان اور ھوتم شندلو نے جرمنی میں' ھیوآر اور کیری
نے فرانس میں کافی دیدہ ریزی کی ھے اور انگلستان میں
خود ھم نے قدرے قلیل محنت کی ھے لیکن ھنوز بہت کچھہ
تلاش و تجسس باقی ھے؛ ان کے سمجھنے میں جس دن محققین
کو مہارت ھو جاے گی تو فارسی کے بہت سے تاریک مسائل
یقیناً روشنی میں آجائیں گے' ان کو یا تو گفتگو کے ذریعے سے
دورن کے مثل مازندران و گیلان پہنچ کر سیکھنا چاھئے یا
ژکووسکی کے مثل ایران متوسط بالخصوص کاشان و اصفہان
کے دیہاتوں میں فروکش رہ کر یا سوت سین کی طرح کردستان
جاکر یا ھوتم شندلو کی طرح یزد و کرمان کی خاک چھان کر
یا اُس قدیم سرمایۂ ادب سے حاصل کرنا چاھئے جو غلطی سے
نہایت قلیل سمجھہ لیا گیا ھے - جن شعرا نے بولیوں میں
وسیع پیمانے پر طبع آزمائی کی ھے ان میں سے امیر پازواری
اور بابا طاھر عریاں خاص شہرت رکھتے ھیں' امیر مازندرانی

امیر پازواری اور بابا طاھر

میں کہتا تھا' اس کا کلام دورن نے طبع
کرایا ھے' بابا طاھر کی نسبت ایک فریق
کا تو یہ خیال ھے کہ اس کی رباعیات ھمدان کی بولی میں
ھیں؛ اور دوسرے فریق کا یہ کہ لوری میں' تاھم وہ ھیں
اس قدر مقبول کہ ان کے حوالوں سے تقریر کی گرمی اور
ان کے نغموں سے سرودخانوں کی رونق دوبالا کی جاتی ھے'
ان رباعیات کو ایران میں بارھا اور فرانس میں ھوآر نے
فرانسیسی ترجمے کے ساتھہ یورنال ایشیاتک بابت سنہ

۱۸۸۵ع میں ایک بار شایع کیا ھے' بابا طاھر ایران کا برنز (Burns) تھا' اس کے کلام میں سادگیء خیال اور پاکیزگیء زبان ھے' الفاظ بھی رواں اور نغمہ زا لاتا ھے' اس پر بحر کی سادگی اور یکسانی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا' ھزج مسدس محذوف بہت مطبوع تھی' ذیل کی تین رباعیاں مشہور عام ھیں:—

(۱) چہ خوش بی مہربونی از دوسربی — محبت تو وہ ھے جس میں عاشق و معشوق دونوں بے تاب ھوں

کہ یک سر مہربونی دردسربی — یک طرفہ محبت ایک درد سر ھے

اگر مجنوں دل شوریدۂ داشت — مجنوں عاشق کے دل میں اضطراب تو تھا ھی

دل لیلیٰ ازوں شوریدہ تربی — لیکن لیلیٰ کے دل میں اس سے افزوں تر تھا

اِس رباعی میں دھاتی خصوصیت ایک تو بی (= بود) ھے اور دوسرے "مہربونی" میں بجاے الف کے واو کا استعمال جو اکثر بولیوں میں پایا جاتا ھے بلکہ جنوب کی فارسیء معلیٰ میں بالخصوص اور دوسرے حصوں میں بالعموم رائج ھو چکا ھے—

(۲) مگر شیر و پلنگی اے دل اے دل — اے دل شاید تو شیر ھے یا پلنگ

بموداتم بجنگی اے دل اے دل — ھم سے ھمیشہ دست و گریباں رھتا ھے

اگر دستم فتی خونت وریژم اگر تو میرے ہاتھہ آجاے
تو میں تجکو چیروں -
ودینم تاچہ رنگی اےدل اے دل اور دیکھوں کہ تیرا رنگ
کون عجیب رنگ ہے -

یہاں بہو = بہا ' دستم = دستم براے بہ ستم '
وریژم = بریزم ' ودینم = ببینم —

(۳) وشم واشم ازیںعالم بدرشم میں اُٹھوں گا ' چلدوں گا اور
دنیا سے باہر ہوجاؤں گا
وشُم از چین و ماچین دیر تر شُم چین اور اس سے بھی آگے
نکل جاوں گا
وشم از حاجیاں حج بپرسم وہاں پہنچکر سالکوں سے
پوچھوں گا
کہ اے دیری بسے یا دیر تر شم کہ بس یا اور آگے ؟

ان اشعار میں "وشم " = بشوم ' " واشم " یاتو باشم ہے
(= تھیروں گا) یا باز شوم (پھر جاؤں گا یاواپس لوٹونگا)
دیرتر = دور تر ' ای = این ' بسے = بس است—

پازواری اور بابا طاہر کے علاوہ دوسرے اور معروف شعرا
ہیں جنھوں نے اس زمین میں گاہ گاہ مشق سخن کی ' مثلاً سعدی '
حافظ ' پندار یا بندار رازی ' شاعر اطعم و تضمین ہزل گو
بسحاق (ابو اسحاق) شیرازی وغیرہ جن کی مفصل فہرست
ہمارے مضمون "ایرانی بولیوں کی شاعری" مطبوعۂ جرنل
رائل ایشیاٹک سوسائٹی ' اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ ع صفحہ ۷۷۳ تا ۸۲۵
میں درج ہے - مگر افسوس یہ ہے کہ بعض قدیم اور بہترین

نسخوں کے سوا اس قبیل کا جتنا کلام ھے وہ کاتبوں کے ھاتھہ سے بالکل مسخ اور بے معنی ھو گیا ھے - آنجہانی چارلس شیفر کی شاندار لائبریری میں سلسلہ سلجوقیہ کی ایک عمدہ اور پرانی قلمی تاریخ ھماری نظر سے گزری ھے ' اس کا سال تصنیف ۶۳۵ ھ ھے' غالباً دوسرا نسخہ اس کتاب کا کہیں موجود نہیں ' اس کا نام " کتاب الراحت الصدور...... فی تواریخ کیخسرو وآل سلجوق"ھے اور مصنف کا نام نجم الدین ابوبکر محمد بن علی بن سلیمان بن محمد بن احمد بن الحسین بن ھمت الراوندي - اس تاریخ میں کثرت سے قصباتی زبانوں کے اشعار یا فہلویات منقول ھیں' جن کو سر سری نظر سے دیکھنے پر یہ معلوم ھوا کہ باوجود مشکل ھونے کے وہ ضرور اس لائق ھیں کہ ان کا غور سے مطالعہ کیا جاے کیونکہ قلمی نسخہ پرانا ھے اور اس لئے متن غالباً صحیح ھے-

حمد الله مستوفی کی بلند پایہ کتاب تاریخ گزیدہ مولفۂ سنہ ۱۳۳۰ ع کے باب پنجم ' فصل ششم میں نواسی (۸۹) شعرا و شاعرات کے اسماء اور نہایت مختصر حالات ملتے ھیں ' ان میں سے مندرجۂ ذیل وہ سخن سنج ھیں جنھوں نے قصباتی زبان میں شاعري کی اور جن کے کلام کا نمونہ بھی مستوفی نے شامل تذکرہ کیا ھے ' ان کے نام پر ھم ستارے لگاے دیتے ھیں :—

(۱) ابوالماجد رائکانی * ' متوطن علاقہ قزوین (او اخر ۱۳ ویں صدی) (۲) امیر کاء قزوینی (۳) اُتانیج زنجانی * (؟) (۴) پندار یا بندار رازی - (۵) جولاھہ ابہری *

(٦) عزالدین همدانی (٧) کافیء کرچی * [تیرهویں صدی]

مشہور شاعر، سیاح، اسماعیلی مبلّغ ناصر خسرو اپنے سفر نامے (مرتبہ و مترجمہ شیفر بزبان فرانسیسی پیرس ١٨٨١ صفحہ متن ٦) میں رقمطراز هے کہ سنہ ١٠٤٦ ع میں جب وہ مغرب کی جانب سفر کررها تها تو تبریز میں قطران شاعر نے اس سے شاعر منجیک کے فہلوی زبان کے بعض شعروں کا حل دریافت کیا، اس حوالے سے کامل ثبوت بہم پہنچ جاتا هے کہ "فہلوی شاعری" کا شوق گیارهویں صدی سے اب تک ایران میں برابر موجود هے۔ اسدی کی "لغت فرس" گیارهویں صدی کی تالیف هے، جس کو ڈاکٹر پال هارن نے وتیکن کے نسخہ وحید سے نقل کرکے سنہ ١٨٩٧ع میں بمقام برلن چهاپا هے، اس میں بهی جا بجا فہلوی اشعار پہلوی کے عام لقب سے منقول هیں۔ نثر میں اس قطع کی دو اعلیٰ کتابیں هیں مگر دونو بدعتی فرقوں کی تصنیف هیں، ایک کا نام جاودان کبیر هے اور وہ حروفیوں کا صحیفہ هے جو تیمور کے زمانے چودهویں صدی میں پیدا هوا۔ اس کے کچھ حصے کی زبان غرب ایران کی بولی هے†۔ دوسری کتاب بابیوں کی ایک افسانہ نما تاریخ هے جس میں سنہ ١٨٤٩ع کی بابی بغاوت مازندران کا حال درج هے، اس کی زبان مازندرن کی

---

† دیکھو فہرست فارسی نسخہ جات قلمی موجودہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری۔ مرتبۂ راقم صفحہ ٦٩ تا ٨٦ اور همارا مضمون "ادبیات و تعلیمات معتقدات فرقۂ حروفی" مطبوعۂ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ١٨٩٨ع صفحہ ٦١ - ٩٤—

بولی ھے' تورن نے اس کو ملانژز ایشیاٹیک (سینٹ پیٹرزبرگ سنه ۱۸۶۶ع) کی جلد پنجم ۳۷۷ اور بعد کے صفحوں میں ترجمے کے ساتھہ شایع کیا ھے—

اھم بولیوں کی فہرست | فارسی زبان کی مشہور بولیوں کے اضلاع یہ ھیں :-

ماژندران' گیلان اور تالش شمال میں؛ سمنان شمال مشرق میں؛ وسط میں کاشان' قہرود' نائن اور یزد' کرمان' رت سنجان وغیرہ میں زرتشتیوں کی عجیب و غریب گبری بولی؛ سیوند جنوب میں؛ لورستان' بہبہان (یہاں رضا قلی خاں نام کا ایک حقیقی شاعر موجود ھے) اور کردستان مغرب میں؛ مگر بیرونجات میں اور متعدد بولیاں' جن میں سے بعض کے ناموں سے بھی اھل یورپ واقف نہیں' ضرور رائج ھوں گی۔ ان بولیوں میں سے جو مروج اور معلوم ھیں مگر جن کا ھنوز بخوبی مطالعہ نہیں کیا گیا ھے ایک تو مغرب میں بختیاری ھے اور دوسری مشرق میں سیستانی جو بدرجۂ غایت توجہ کے قابل ھیں—

———:o:———

باب سوم

اسلامی دور سے قبل ایرانیوں کا علم و ادب اور اُن کی مختصر مگر افسانہ آمیز تاریخ جو شاهنامہ سے ماخوذ هے

عرض حال

جس کتاب کا یہ دعویٰ هو کہ اُس میں ایک قوم کی تمام و کمال تاریخ ادب سے بحث کی جائے گی بظاهر اُس کے هر ایک قومی دور اور ذهنی ترقی کی هر ایک منزل پر حتی الامکان مساوی طور پر توجہ کرنا ضروری هے - مگر خصوصیات ایران کی گونا گونی کا اقتضا یہ هے کہ همارے موضوع میں جامعیت و صحت بیان پیدا کرنے کے لئے مصنف تعداد میں کئی اور هر شعبے میں طاق هوں اور متعدد طور پر کام کریں (جیسے کہ گائگر اور کوهن کی بے مثل کتاب ''اساسی لسانیات عجم'' جس کا تذکرہ کئی بار آچکا هے متعدد کوششوں کا نتیجہ هے) یا اگر ایک شخص جسارت کرے تو اُس کو ایسے بوقلموں فضائل و اوصاف کا جامع هونا چاهئے جو ایک ذات واحد میں شاذ و نادر جمع هوتے هیں - باعتبار زبان جو تقسیم کہ باب اول میں کی

گئی ہے - اُس کی رو سے ادب کے چار انواع (ان میں سے ایک مقدار و وسعت میں اس قدر کم ہے کہ اُس کو ایک علحدہ نوع بہ مشکل کہہ سکتے ہیں) جن کا متحدہ ایک نام فارسی ادبیات ہوگا، قائم کئے جا سکتے ہیں، یعنی :-

۱ - کتبات پیکانی جو فارسی قدیم میں ہیں اور سلاطین ھخامنشی سے تعلق رکھتے ہیں -

۲ - اوستا یعنی اس کے وہ اجزا جو ہم تک پہنچے ہیں معہ گاتھا جو باقی حصص سے قدیم تر اور بلحاظ زبان قدرے مختلف ہے اور بخیال بعض خود زوراسٹر کے زمانے کی ہے —

۳ - ادبیات پہلوی جس میں ساسانی دور کے کتبات بھی داخل ہیں —

۴ - ادبیات بعد الاسلامی یا فارسی جدید جو پچھلے ایک ہزار سال پر مشتمل اور عام طور سے "ادبیات فارسی" کے نام سے معروف ہے (اس کے ساتھ ہمیں ایک اور شق کا اضافہ بھی کرنا ہوگا جو نمبر (۵) میں ہے - اس کے وجوہ باب اول صفحہ ۳ و ۴ میں بیان ہو چکے ہیں) —

۵ - عربی تصنیفات کا وہ کثیر حصہ جو ایرانیوں نے لکھا ہے وہ بھی اس آخری تقسیم کے ساتھ شامل کرلینا چاہئے —

مذکورالصدر تین قدیم زبانوں اور ادبوں کی بابت میری معلومات نہ صرف سطحی بلکہ دوسروں کی وساطت پر

مبنی ھے؛ کیونکہ صرف فارسی جدید اور عربی ادب کا
مطالعہ زیادہ سے زیادہ مستعد دماغ کے لئے زندگی بھر کا
سامان ھوسکتا ھے - باقی لٹریچروں کی سرحدیں بعید الفاصلہ
ھیں اور ھر اقلیم کی بادیہ پیمائی کے لئے مطلوبہ اھلیت بھی
آپس میں جدا ھے' فارسی قدیم اور اوستا کے لئے سنسکرت کی
مہارت از بس ضروری ھے' اس میدان میں علوم عربی اور
واقفیت اسلام محض دوسرے درجے کی چیزیں ھیں' فارسی
قدیم کے لئے آسوری' اور اوستا کے لئے پہلوی کی تحصیل کار آمد
ھے' لیکن پہلوی میں اس وقت تک کام نہیں چل سکتا جب تک
کہ آرامی زبانیں خاصۃ سریانی اور کلدانی نہ آتی ھوں- چونکہ
ایک مصنف کا شیوہ یہ ھونا چاھئے کہ وہ جس موضوع پر قلم
اُٹھائے اس میں ذاتی طور پر یدِ طولیٰ رکھتا ھو اور مجھے اپنے
موضوع کی تکمیل و توسیع کے لئے قبل الاسلامی ادبیات و السنہ
میں دوسرے کاملین فن کا دست نگر ھونا پڑا ھے' اس لئے مجھے
زیبا یہ تھا کہ میں فارسی جدید یا بعد الاسلامی ادب کے دائرے
سے؛ جس میں ایک عرصے تک میں نے سرگردانی کی ھے' اپنا قدم
باھر نہ رکھتا- لیکن چونکہ افق معلومات پر ھر جدید طلوع سے
محقق کو احساس ھونے لگتا ھے کہ ایک قوم کے حالات و خیالات
جو تحقیق سے قبل جدا جدا اور ٹوٹے ھوے دکھائی دیتے تھے' کس
درجے مسلسل اور آپس میں گُتھے ھوے ھیں اور خطوط فاصل
جو پہلے نہایت صاف اور جلی نظر آتے تھے کس قدر دھندلے
اور تاریک ھیں' اس لئے راقم کی طبیعت اس امر پر راغب
ھوی کہ اپنے موضوع کے تسلسل کو مصنوعی اور غلط حد بندیوں

سے توڑ کر ناظرین کتاب کو دھوکا دیا جاے- میں نے ترکی زبان سے علوم مشرقیہ کا مطالعہ شروع کیا' لیکن بہت جلد فارسی ادب کی جانب ڈھلک آیا کیونکہ ترکی تہذیب و شائستگی اور ترکی علم و فن بہار عجم کے شگوفے ہیں- لیکن اس گلزار کی پوری سیر نہ کی تھی کہ معلوم ہوا عربی زبان' عربی ادب' عربی تہذیب اور عربی تمدن میں دستگاہ حاصل کئے بغیر عجمیات میں شد بد سے زیادہ نگاہ نہیں ہوسکتی- تاہم ابھی تک میں اس خیال پر جما رہا کہ عرب فاتحوں کی تسخیر ایران اور کثیرالتعداد ایرانیوں کا قبول اسلام عجمی تاریخ کے وہ واقعات ہیں جہاں سے عجمیات کا مطالعہ صحیح طور پر شروع کیا جاسکتا ہے اور جہاں ایرانی تاریخ کے گذشتہ ابواب دریا برد معلوم ہوتے ہیں- رفتہ رفتہ یہ خیال بھی حقیقت سے دور نظر آنے لگا' اور مجھے خیال آیا کہ عباسیوں کی پیچیدہ تہذیب کے کثیرالتعداد پہلو تاریخ اسلام کے ابتدائی حالات' قرآن کریم اور جناب رسالتمآب کی تعلیم' صرف اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ محقق کے سامنے قدیم تر تاریخوں کے اوراق موجود ہوں* الغرض ایک تحقیق کار اسلامی سے ساسانی عہد' ساسانی سے پارتھوی' ھخامنشی' میدوی' آسوری اور قدیم ترین آریائی عہد اور خدا جانے کہاں سے کہاں کھنچا ہوا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ شعر اس کی زبان پر

---

* تہذیب و تمدن اسلام پر قبل الاسلامی نظاموں کے مذہبی و سیاسی اثرات کے متعلق فان کریمر کی تحریریں معلومات سے پر ہیں' خاصةً اس کی چھوٹی سی کتاب حدود اسلام میں غزا —

جاری ہو جاتا ہے :—

مرد خرد مند ہنر پیشہ را
عمر دو بایست درین روزگار
تا بہ یکے تجربہ آموختی
در دگرے تجربہ بردی بکار

لہذا ایک طرف تو میں ان مسائل میں پڑنے سے گھبراتا تھا جو میرے بس کے نہ تھے اور دوسری طرف مجھہ کو ایسی کتاب پیش کرنے سے عار تھا جو نہ صرف ناقص اور ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے والی ہو بلکہ میرے نقطۂ خیال سے ایک قوم کی تاریخ علوم صحیح معنوں میں نہ ہوسکے، جس کا عام خاکہ اور مطمح اور جس کی بحث و ترتیب مضامین غلط ہو۔ اس کشمکش کے درمیان میں نے یہ فیصلہ کیا کہ باب ہذا میں ہخا منشی کتبات کے چیدہ مسائل، اوستا کے مرقومات، پہلوی دور کی یادگاریں اور ادبیات نیز دین زر تشت کے خاص خاص حالات بیان کروں۔ میری دانست میں ان چیزوں کا جاننا ان لوگوں کے لئے بھی کار آمد ہے جن کا شوق صرف فارسی جدید تک محدود ہے، عہد ساسان اور ضمناً پہلوی کا بیان، جو ساسانیوں کی سرکاری زبان تھي، دوسرے باب میں کسی قدر تفصیل سے آئیگا، کیونکہ ایران کی تاریخ میں یہ زمانہ وہ ہے جس میں اوائل اسلام کی دلچسپ جڑیں پھیلی ہوی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جو خلیج ساسانی زمانے کو اس سے قبل کے زمانے سے جدا کرتی ہے اس کا پر کرنا جس قدر مشکل ہے اُس قدر اُس زمانے کو دور اسلام سے ملا دینا مشکل نہیں ہے

اور چونکہ ادب کی بحث میں افسانے اور روایات بھی اهمیت
کا وهی مرتبہ رکھتی هیں جو اصل تاریخ کا مرتبہ هے،
اس لئے میں اس باب میں شاهنامے یعنی قومی روایت کی
ورق گردانی کروں گا، جیسا کہ آئندہ ثابت کیا جاے گا۔
یہ قومی روایت عہد ساسان کے شروع پر پہونچکر قومی تاریخ
بن جاتی هے؛ لہذا اس باب کو هم چار فصلوں میں بعنوان ذیل
تقسیم کرتے هیں :—

(۱) هخا منشی (۲) اوستای (۳) پہلوی (۴) قومی روایت

فصل اول

Achaemeni

سلاطین هخا منشی کی علمی یاد گاریں

ایران کا سب سے اول اور رفعت آشنا خاندان وہ هے جس کا
آغاز ۵۵۹ قبل مسیح میں سای رس کی تاجپوشی اور خاتمہ
۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر کی تلوار سے هوا، جب کہ اُس
فاتح اعظم نے دارائے آخر کو شکست دی اور تاجدار مغلوب
اپنے دونمک حرام صوبوں بیسس اور بزرائن تیز کے هاتھوں
نہایت بے دردی کے ساتھہ مارا گیا۔ اس خاندان کے تمام تر
حالات یونانی مورخوں خاص کر هیروڈوٹس، ٹی سی آز اور
زینوفون (انابیسس، سای روپیڈیا، اے جی سی لاس) کی
قلم نے همارے لئے محفوظ کئے هیں اور بعض لمعات دوسرے
تاریخ نویسوں مثلاً ایس کائی لس کی کتاب " پرسی " میں پائے
جاتے هیں۔ لیکن یہ ماخذ خارجی هیں، ان کے پیش کردہ

حالات کو جنھیں ھخا منشی خاندان کی داستان مرتب کر نے میں رالنسن ' اشپیگل اور یوستی جیسے محققین نے کافی طور سے کھنگالا ھے ' ھم نہیں چھیڑیں گے ' کیونکہ ان کی تلاش و تحقیق ایک مستشرق کی نسبت کلاسیکل * محقق سے زیادہ تعلق رکھتی ھے - تاھم رالنسن نے ھیروڈوٹس کی تاریخ کے قابل تعریف ترجمے میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ھے کہ اس مورخ کے بیانات کی تصدیق نہ صرف ھخا منشی کتبوں سے ھوتی ھے بلکہ ایرانیوں کی قومی سیرت کی سچی اور زندہ تصویر جو اس کی تاریخ میں نظر آتی ھے اُس کے مقالات پر آمنا و صد قنا کہتی ھے - اگر ھیرو ڈوٹس کی شہادت مو جود نہ ھوتی تو اندیشہ تھا کہ ھخا منشی کتبے جو اب اُس کی شہادت سے آئینہ ھوچکے ھیں پڑھ لئے جانے کے بعد بھی بعض اعتبار سے سر بمہرھی رھتے ' مثلاً دارا کے بے ستون والے بڑے کتبے کو لو اور اُس کے پہلے حصے میں (سطور ' ۸ ' ۱۱) ان الفاظ کو دیکھو :- " کہتا ھے بادشاہ دارا ' ھمارے خاندان میں پہلے آٹھہ بادشاہ ھوے اور میں نواں ھوں : ھم دو نسل یا دو سلسلے کے بادشاہ ھیں " - اس بیان کو اُس شجرۂ نسب کی روشنی میں دیکھا جاے جو ھیرو ڈوٹس (پالھیفہ ھفتم ' ۱۰) کے بیانات کی مدد سے مرتب کیا جاسکتا ھے تو اس کے معنی بالکل سمجھہ میں آجائیں گے —

---

* یعنی ادبیات یونان و روم کے محقق —

(۱) ایکی‌می نیز (= هخامنش)

(۲) تیزپیز (چائش پش)

(۳) کیم بی‌سیز (کمبوجیه) —— (۶) ایر یارم‌نیز (اریا رامنا)

(۴) سای رس (کُرش) — (۷) ارسامیز (ارشامه)

(۵) کیم بی سیز (کمبوجیه) — (۸)هستاسپیز (وشتاسپ)

(۹) دَرائس (داریو وش)

زرکسیز (خشیار شا)

هرچند که عام روایت کے مطابق اس سلسلے کا پہلا بادشاہ سای رس (ق م ۵۵۹-۵۲۹) شمار کیا جاتا ھے ' اس کا بیٹا کیم‌بی سیز (ق م ۵۶۲ - ۵۲۲) دوسرا دَرائس (ق‌م ۵۲۱-۴۸۵) تیسرا بادشاہ؛ لیکن دَرائس اپنے (سلسلۂ) نسب کو ھخامنش تک لیجاتا ھے اور اس میں یک جدي دوسرے سلسلے کے تین بادشاھوں کو (یعنی ساي رس کے باپ کیم بي سیز اور اس کے بیٹے کیم بی سیز کو) بھی شامل کرتا ھے ' اس طرح دو وي تا تونم بمعنے "دو سلسلوں سے " (پہلے اس کے معنی " نہایت ھی قدیم زمانے سے " تجویز کئے گئے تھے) اور دارا کے الفاظ " میں نواں ھوں " کا مفہوم بالکل صاف ھوجاتا ھے —

ایک مشاھدہ پسند سیاح اگر استخر اور اس کے گرد و نواح کی سیر کرے تو اُسے کسی قدر حیرت کے ساتھہ نظر آئے گا کہ قدیم ترین کتبے سب سے بہتر اورجدید ترین سب سے ابتر حالت میں ھیں - ھخامنشی زمانے کے پیکانی کتبے

اس قدر صاف اور روشن ھیں کہ مشکل سے باور ھوتا ھے کہ انھیں کندہ کرنے والی ٹانکی نے دوھزار چار سو برس ھوے اپنا کام ختم کیا تھا، ان کے مقابلے میں ساسانی یا پہلوی کتبات جو عمر میں ان سے ساڑھے سات سوبرس کم ھیں، زیادہ مٹے اور مرجھائے ھوئے ھیں، بخلاف ان کے فارسی جدید کے تازے کتبے تقریباً غائب ھوچکے ھیں۔ ھم ان کتبوں کو ان تین دوروں کا قائم مقام اور ان کے اسلوب بیان میں ان دوروں کی خصوصیتوں کا عکس دیکھتے ھیں۔ دارا ے اعظم صرف اس القاب پر قناعت کرتا ھے :—

" بادشاہ اعظم، شہنشاہ، شاہ ایران،
شاہ صوبجات، ابن وشتاسپ ابن ارشام
ھخا منشی " —

مگر حاجی آباد کے پہلوي کتبے میں شاپور ساسانی اپنے نام کو یوں پھیلاتا ھے :—

" پرستار مزدہ الوھیت وجود شاہپور،
شہنشاہ ایران و غیر ایران، روحانی
اصل ایزد نسل، ابن پرستار مزدہ
الوھیت وجود ارتخشتر، شہنشاہ ایران،
روحانی اصل ایزد نسل، نبیرہ الوھیت
وجود شاہ پاپک "

القاب و خطابات کا وہ انبار جن سے اسلامی انحطاط کے زمانے میں چار بیگھہ زمین کا نواب بھی اپنے نام کو

آراستہ کرتا تھا ' ہر ایک فارسی داں کو معلوم ہے اور فارسی نہ جاننے والوں کو ہم ایسے بلند آواز لیکن مشیخت نما الفاظ کے اعادے سے تکلیف نہ دیں گے —

ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ کتبات ہخامنشی کو فارسی قدیم کی علمی یادگاروں کی نسبت زیادہ تر تاریخی یادگاریں سمجھنا چاہئے لیکن ان میں آمد و متانت اور سادگی و صداقت بیان اس درجہ پائی جاتی ہے کہ وہ طرز ادا اور ادب و انشا کے حقیقی نمونے کہلانے کے مستحق ہیں - ان کا ایک نمونہ تو دارا کے کتبۂ بے ستون کا وہ ترجمہ ہے جو صفحات ۵۳ - ۵۴ و ۵۵ میں گزر چکا ہے- دوسرا یہ موجود ہے جو اسی تاجدار نے استخر میں کندہ کرایا تھا

" خدائے بر تر اہر مزدہ ہے جس نے
اِس زمین کو بنایا ' جس نے اُس آسمان
کو بنایا ' جس نے اِنسان کی خوشی کو بنایا '
جس نے دارا کو بادشاہ بنایا جو بہت
سوں کا واحد فرمانروا اور بہتسوں
کا واحد واضع قانون ہے " —

" میں دارا ہوں ' شاہ اعظم ' شاہ شاہاں '
شاہ ولایات معمورہ اقوام عالم ' مدت
سے اس وسیع زمین کا حاکم ' ابن وشتاسپ
ہخا منشی ' عجمی ابن عجمی ' نسل کا
آریائی " —

" کہتا ہے بادشاہ دارا : اہر مزدہ

کے فضل سے فارس کے علاوہ میں ان
ممالک کا مالک تھا، ان پر میری
حکومت تھی، ان سے میں خراج لیتا
تھا، ان پر میرے احکام کی تعمیل
واجب تھی اور ان میں میرا قانون
قائم تھا : میڈیہ، سوسیانہ، پارتھیہ،
هریوہ (هرات)، باختریہ (بلخ)، سغد،
خوارزم (خیوا)، زرنگ (درنگیانہ)
ارخوسیہ، تھت گوش (ستاگیدیہ)،
گندارہ، انڈیا، هومہ ورک سیتھی،
اور تیگرہ خدہ سیتھی، بابل، آسوریہ،
عرب، مصر، آرمینہ، کے پے ڈوشیہ،
سپردہ، یونانی آبادیاں، ماوراءالبحر
کے سیتھی، سکدرہ، تاج پوش یونانی*
ادرا پوتیہ، کوشیہ، ماکیہ، (اور)
کر کہ [لوگوں میں] —
"کہتا ہے بادشاہ دارا: جب اهرمزدہ
نے اس زمین کو دیکھا تو اس نے مجھ
کو اس کا امین بنایا اور بادشاہ کیا،

---

* بعض مورخین تاج پوش کے الفاظ پر معترض ہیں، پروفیسر کاویل کہتا تھا کہ ان سے یونانی کا یہ لفظ .... مراد ہے جس کے معنی "بالوں کی چوٹی" جوسونے کے ٹکڑے سے باندھی جاتی تھی اور تھوسی ڈای ڈیز کے وقت تک یونانی اس طرح کی چوٹی رکھتے تھے —

میں بادشاہ ہوں اور بفضل اھرمزد میں
نے اُس میں امن و امان قایم کیا - جو
کچھہ میں نے ان (رعایا) کو حکم دیا اس
کی تعمیل انھوں نے میری مرضی کے مطابق
کی - اگر تیرے دل میں یہ خیال آئے کہ
وہ کتنی ولایتیں تھیں جن پر دارا
بادشاہ حکومت کرتا تھا تو اس تصویر
کو دیکھہ : لوگ میرا تخت اٹھائے ھوے
ھیں' اس سے تو لوگوں کو پہچان سکتا
ھے- اب تو جان جائے گا کہ ایرانیوں کے
نیزے دور دور تک پہنچتے ھیں؛ اور
تو جان جائےگا کہ اھل ایران ایران سے
دور لڑائیاں سر کرتے تھے''—

"کہتا ھے بادشاہ دارا: جو کچھہ
میں نے کیا اس میں اھرمزد کا فضل
شامل تھا: اھرمزدہ نے مجھہ کو مدد
دي تا آنکہ میں نے کام کو انجام تک
پہونچا دیا- اھرمزدہ .... سے مجھہ
کو میرے خاندان کو اور ان ممالک کو
محفوظ رکھے! اس کے لئے میں اھرمزدہ
سے دعا کرتا ھوں: اھرمزدہ میری دعا
قبول کرے" —

''اے بنی آدم! اھرمزدہ کا فیرمے

لئے یہ حکم ہے: برائی مت سونچ؛ سیدھے
راستے کو نہ چھوڑ؛ گناہ نہ کر!'' —

ایک عجیب فرق جو ہخامنشی کے اخیر زمانے والے ایک کتبے (یعنی اردشیر آخوس کے ق م ۳۶۱ – ۳۳۶)میں نظر آتا ہے اس قابل ہے کہ اس کا سرسری ذکر کیا جائے۔ کیا در حقیقت کوئی نازک تعلق ایک قوم کی پستی یا عارضی انحطاط اور اس قوم کی زبان کی ابتری میں ہوا کرتا ہے؟ ہم نے انگریز محققوں سے سنا ہے کہ جنگ ہیسٹنگز سے پہلے اینگلو سیکسن زبان یا قدیم انگریزی ایک وسیع حد تک گریمر کے قواعد سے آزاد ہونے لگی تھی اور نارمن حملے سے قبل تو نہایت ابتر حالت میں آچکی تھی۔ بہر کیف فارسی قدیم کے معاملے میں یہ زوال اس قدر روشن ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں؛ کتبۂ مذکور میں تغیرات و حالات اسم کی غلطیاں جابجا دکھائی دیتی ہیں، '' بومام''(بمعنی زمین - منصوب) بجائے '' بو مم'' کے ، ''الہافام'' (الہان، منصوب واحد) بجائے ''الہانم'' کے، ''شایتام'' (مسرت، منصوب واحد) بجائے ''شیاتم'' کے، اسی طرح ''مرتیہیا'' بجائے مرتیہیہ (آدمیوں کا بحالت مجرور جمع)، ''کشایتھہ (بمعنی بادشاہ، مرفوع بجائے منصوب واحد کے)، اور علی ہذا۔ قومی زوال کا رنگ نہ صرف زبان نے پکڑا بلکہ یہ رنگ معتقدات میں بھی دوڑ گیا؛ اہرمزد وحدہ لا شریک تھا مگر اب اس کے شریک و ہمسر کھڑے ہوگئے، ایک جانب متھرا (سورج) خدا بن چکا تھا اور دوسری جانب انہ ہتہ (= ناہید) کو مرتبۂ ایزدی مل چکا تھا —

فصل دوم

اوستا

باب اول میں ہم نے اوستا کی اصلیت اور اُس کے عہد و وطن کے متعلق بعض باتوں کو سر سری طور پر بیان کیا ھے - مگر افسوس ھے کہ ان امور کے متعلق بہت صحیح اور یقینی معلومات حاصل نہیں ھیں - یہاں ہم دو انتہای اور متضاد رائیں پیش کرتے ھیں - ان میں سے ایک گیلڈنر ھے جس کا مضمون " زرتشت " انسا ئیکلو پیڈیا طبع نہم (۱۸۸۰) میں دیکھا جاے اور دوسرا ڈارمشٹیٹر جس کا فرانسیسی ترجمۂ اوستا " جلد وقایع " ۲۱ ' ۲۲ اور ۲۳ (۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) ملاحظہ ہو —

گیلڈنر کی پہلی راے سنہ ۱۸۸۸ | گیلڈنر کا بیان ھے کہ اوستا کا ایک حصہ یا کم از کم " گاتھا " یا تو خود زوراسٹر یا ان کے حواریوں کے اصل الفاظ میں ھے ' ان کی تعلیم کا مرکز باختر اور باختر کی زبان ان کی تعلیم کا آلہ تھی - شاہ وستاسپ (گشتاسپ ' ھستاس پیز) جو ان کی ھدایت پر ایمان لایا اور جو بعد میں ان کی جان کا سپر اور اُن کے مذھب کا محافظ بن گیا تھا " وقائع تاریخ میں کہیں مذکور نہیں " - اور اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اُس کا زمانہ سای رس سے کہیں پہلے کا تھا ' تاھم "اس کو دارا کے باپ ھستاس پیز سے

جدا رکھنا چاہئے " اور اس کا عہد ایک ہزار سے (بخیال ڈنکر) چودہ سو برس (بخیال گوٹ شمٹ) قبل مسیح کے اندر اندر سمجھنا چاہئے × دارم شتیتر کو ان باتوں سے قطعی انکار ہے؛ اُس کا بیان ہے کہ اگر ہخا منشی دور کی کوئی زرتشتی کتاب تھی تو وہ بتمامہ حملۂ سکندر کے نذر ہوی؛ اوستا کی تدوین جس کا صرف ایک حصہ اس وقت موجود ہے پہلی صدی عیسوی اور پارتھوی بادشاہ والوگیسیز اول (سنہ ۵۱ - ۷۸ ع) کے عہد حکومت میں شروع ہوی اور ساسانی دور میں شاپور ثانی کے زمانے تک (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹ ع) اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا؛ اس کا آخری حصہ اسکندرانی یا جدید افلاطونی فلسفۂ معرفت میں ڈوبا ہوا ہے؛ تعلیم زرتشت کا جنم بھوم میڈیا تھا اور میڈیا کی زبان ذریعۂ اظہار؛ اور جیسا کہ بعض پہلوی کتب مثلاً اردہ وراف نامک اور بُندہش میں صاف صاف موجود ہے زرتشتی ملت کا آغاز ایام سکندری سے تقریباً تین اور اور حضرت عیسیٰ سے چھہ یا سات صدی قبل ہوا تھا یا بالفاظ دیگر ہخامنشی خاندان کے ظہور سے کسی قدر پہلے —)

دارم شتیتر کی بعد کی راے ۱۸۹۳

گیلدنر کی دوسری راے (۱۸۹۶)

دارم شتیتر کی راے اگرچہ عام قبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اُس نے مخالفین خصوصاً گیلدنر اور اس کے متبعین کے مسلمات کو بہت کچھہ ڈھیلا کر دیا اور اُن روایتوں کی اہمیت کو اس نے منوا لیا جو پہلوی، پارسی اور ابتدای اسلامی مرقومات میں درج ہیں - چنانچہ گیلدنر نے گائگر اور کوہن کی " لسانیات عجم "

(۱۸۹۶) کے لئے جو دلچسپ مضمون لکھا ھے اُس میں اگرچہ مضمون نگار نے اوستا کی تاریخ تصنیف کے بارے میں دارمشتیٹر کے انقلاب انگیز بیانات سے اختلاف ھی رکھا مگر بخلاف سابق پارسی روایات کو بغایت واثق تسلیم کیا ؛(زرتشت کے معتقد هستاس پیز کو دارا کا باپ مان لیا جو تاریخی زمانے کا آدمی ھے اور سای رس اعظم کو زرتشت کا معاصر ' اوستا کا قدیم ترین سال تدوین ق م ۵۶۰ کہنے کو تیار ھو گیا ' اصل نسخہ اوستا کے تلف وگم ھونے پر یقین لے آیا اور زمانۂ تلفی کو وھی زمانہ تسلیم کیا جو سکندر کے حملے اور والوگی سیز کے درمیان ھے اور بالاخر یہ اقرار بھی کر لیا کہ دوسری اوستا کو والوگی سیز نے ازسر نو شروع کیا ' جسے اردشیر بانیء خاندان ساسان نے پھر تازہ کیا ' اور یہ بھی تسلیم کرتا ھے کہ شاپور ثانی (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹) کے عہد تک اس کی تدوین و اجتماع کا کام مسلسل جاری رھا ھوگا - بااینہمہ اُس نے اس خیال کا دامن نہیں چھوڑا کہ اوستا کا حصہ گاتھا نہ صرف سب سے پرانا حصہ ھے بلکہ وہ زرتشت کی اصلی تعلیم زرتشت کے اصل الفاظ میں ھے اور خود بانیء تعلیم ایک تاریخی اور واقعی انسان تھے اور دارم شتیٹر کے خلاف عمدہ تاریخی دلائل پیش کرکے وہ باصرار تمام کہتا ھے کہ گاتھا کو " سکندریا ی ادریت " (Alexandrian Gnosticism) کی ھوا تک نہیں لگی اور نہ یہ کہ لفظ " وھو منو " (بہمن) جو گاتھا میں بار بار آیا ھے فیلوجوڈی اس کے لفظ " لوگوس تھوس " (کلام ربانی) کے بطن سے نکلا —

Samanid
Samanian

ساسانی اوستا

آنکتیے کے زمانے سے آج تک یہ خیال چلا آتا ہے کہ موجودہ اوستا ساسانیوں کی اوستا کا صرف ایک جز ہے اور (ساسانی اوستا بھی حجم میں بس اس قدر تھی کہ "ایک دستور آسانی کے ساتھہ لوح دل پر محفوظ کرسکتا تھا"- نیز وہ اُس کامل اوستا کا ایک حصہ ہے جو "بیل کے مدبوغ چمڑوں پر آب زر سے نوشتہ" اور احترام و احتیاط کے ساتھہ "ستخر پاپکان" میں رکھی رہتی تھی اور جس کو "ملعون سکندر رومی" نے تباہ کردیا) لیکن وندیداد جو موجودہ اوستا کا جزو اعظم ہے ضخامت میں ایک معقول جلد ہے اور ان اکیس نسکوں میں سے ایک نسک ہے جن پر ساسانی اوستا مشتمل تھی' ان نسکوں کے مضامین ہم کو پہلوی "دینکرد" کے ذریعے سے بہت کچھہ معلوم ہیں' یہ پہلوی کتاب نہایت کارآمد اور غالباً نویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے - اکیس نسکوں کو جن کے پہلوی نام علمی دنیا میں پوشیدہ* نہیں' تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا' ایک "گاسانیک" (جس میں زیادہ تر آئین عبادت اور دینی مسائل مذکور ہیں) تھا' دوسرا "داتیک" (زیادہ تر قوانین معاشرت پر مشتمل) اور تیسرا "ہاتک مان سریک" (مشتمل بہ فلسفہ و حکمت) - پہلے سات نسکوں میں سے جن سے یہ حصہ مرتب اور جو دستوروں کے لئے

* دیکھو گیلڈنر کا مضمون مندرجۂ "لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۱۸ اور ۲۰ —

مخصوص تھا تین کے اجزا اب تک باقی ھیں' ان کے نام یہ ھیں: (۱) استوت یشت (۲) بکو (۳) ھاتوخت' دوسرے سات نسکوں میں سے بھی (جو عوام کے لئے لکھے گئے ھیں) تین کسی قدر سلامت ھیں:—

(۱) وندیداد (۲) ھوس پارم (۳) بکان یشت؛ پچھلے دو جزوی حالت میں ھیں' رھا تیسرا نسک جو علماے محققین کے محدود دائرے کے مطلب کا تھا' وہ بدقسمتی سے نابود ھو گیا' غالباً اس کی تباھی کا سبب یہ ھوا کہ وہ مفید خاص و اھل علم و فضل تھا - ویسٹ کے حساب سے ان اکیس نسکوں کی کل تعداد الفاظ ۳۴۷۰۰۰ تھی' جن میں سے اب صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ یا تقریباً یک ربع باقی ھیں - تقسیم مذکورہ پر گیلڈنر کو اعتراض ھے کہ وہ "ایک حد تک مصنوعی تقسیم ھے اور شاید اس وجہ سے پیدا کرلی گئی ھے کہ پوری اوستا اور نظم "اھونہ ویریہ" میں جو اوستا کی جان اور اُس کا لب لباب ھے ایک کامل مطابقت قائم ھو جاے"- گیلڈنر کے اعتراض پر ھم کو دو اور دلچسپ مگر بعد کے زمانے کی نظیریں یاد آگئیں جن سے اس امر کی شہادت بہم پہونچتی ھے کہ مشرق میں کیسے عجیب تواتر کے ساتھہ خیالات کا اعادہ ھوتا رھتا ھے' اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھہ ھم کسی اور مقام پر بحث کریں گے'

ایک عجیب نظیر

پہلی نظیر ایک شیعی روایت میں ملتی ھے جو حضرت علیؑ سے منسوب کی جاتی ھے اور وہ یہ ھے:—

"قرآن کا لب لباب سورۂ فاتحہ میں

هے، سورۂ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ
میں ہے (بسم اللہ سوائے ایک کے
ہر ایک سورۃ کا عنوان ہے اور
مسلمان ہر کام بسم اللہ سے شروع
کرتے ہیں)، بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ
کی ب میں اور ب کا ب کے نقطے میں
اور وہ نقطہ میں ہوں"—

دوسری نظیر میں باب نے اس خیال کو وسعت دیکر استعمال کیا ہے، باب انیسویں صدی میں ایک آخری مگر عظیم الشان مذہبی تحریک کا بانی گزرا ہے، سنہ ۱۸۵۰ع میں بمقام تبریز قتل کیا گیا؛ اس کی تعلیم ہے کہ ۱۹ کا ہندسہ وحدت کا مرادف ہے، کیونکہ بسم اللہ کے حروف بھی تعداد میں ۱۹ ہیں اور لفظ "واحد" کی قیمت بھی بحساب ابجد ۱۹، اس لئے ۱۹ کو خدائے حی قیوم کی وحدانیت کا ایک صاف مظہر اور ہر گنتی کی بنیاد سمجھنی چاہئے - چنانچہ اُس نے اپنی کتابوں کو انیس "واحدوں" میں تقسیم کیا اور ہر حصے کے ۱۹ باب رکھے، ہر سال کے ۱۹ مہینے اور ہر ہفتے کے ۱۹ دن مقرر کئے (=۳۶۱ دن)—

موجودہ اوستا کے حصے

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ساسانی اوستا کے ۲۱ نسک تھے اور موجودہ اوستا صرف ایک نسک پر مشتمل ہے یعنی وینديداد؛ یاسنا جو کم از کم دوسرے چار نسکوں کے اجزا سے مرتب کرلی گئی ہے، نیز کچھ اور جستہ جستہ ٹکڑے ہیں جو بعض پہلوی کتابوں

میں بکھرے ہوے ملتے ہیں - ان میں سے ھسپارم خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو نیرنگستان میں محفوظ ہے - اوستا کے موجودہ اجزا اور مذہبی کلمات کو پارسیوں نے پانچ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کردیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:-

یاسنا

۱- یاسنا، اس میں عبادت کے طریقے اور مذہبی گیت درج ہیں جو مختلف فرشتوں، مقدس روحوں اور پاک ہستیوں کی شان میں گاے جاتے ہیں، اس کے ۷۲ باب ہیں (جو ھائتی یا ھا کہلاتے ہیں) - انہی کی تعداد کے تلازمے سے کُشتی یا زنار کو ۷۲ تاروں سے بناتے ہیں - پارسی طفل کو دین زرتشتی میں داخل کرنے کی رسم اسی کشتی کے پہنانے سے ادا کی جاتی ہے - قدیم گاتھا جس کا تذکرہ بار ہا آچکا ہے یا سنا میں شامل ہے —

وسپیریہ

۲ - وسپیریہ کے ابواب ۲۳ سے ۲۷ تک ہیں اور کردے کہلاتے ہیں، مگر یہ کوئی علحدہ مربوط اور مستقل کتاب نہیں بلکہ مذہبی وظائف اور تسبیحات و تمہیدات کا ایک مجموعہ ہے، یا سنا کے مثل اور اسی کا ضمیمہ، عبادت کے لئے یا سنا کے ساتھ کام میں آتا ہے —

وینڈیداد

۳ - وینڈیداد یا "قانون دافع شیاطین" کو با لفاظ دیگر یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پارسیوں کے احبار یا قوانین مذہبیہ کی کتاب ہے جس میں آداب طہارت و استغفار، اور کفاروں کی ترکیبیں دی ہوی ہیں - وینڈیداد کی تعداد ابواب (= فرگرد) ۲۲ اور پہلے باب میں

ان پاکیزہ اقطاع زمین کی پیدائش کا بیان ہے جو اہر مزد (اہورمزدہ) نے تخلیق کیں اور اہر مزد کے مقابلے میں اہرمن (انرومین یوش) کی خراب سر زمینوں کی تخلیق کا حال ہے، ان ممالک کے متعلق جو اہل اوستا کو معلوم تھے تمام بحثوں کا دار و مدار اسی باب پر ہے۔

یشت

۴ – یشت تعداد میں ۲۱ اور ایک قسم کے بھجن ہیں جو مختلف ملائکہ اور ارواح مقدسہ کے لئے مخصوص ہیں یعنی آمشسپندوں اور ایزدوں کے لئے پارسی مہینے کا ہر دن ان میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہوا ہے اور اس کے نام پر اُس دن کا نام مقرر ہوا ہے۔ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر پاک روح کے لئے ایک یشت مخصوص تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں یشتوں کی مجموعی تعداد تیس تھی۔ ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ مشرق میں قدیم مذہبی عقاید اور رسوم مت مت کر زندہ ہوتے رہتے ہیں، زرتشتوں کے سال و ماہ کی تقسیم سے ہمیں اس کلیہ کی ایک اور مثال یاد آگئی۔ پارسیوں کا سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے جس میں پانچ دن جو گاتھا کہلاتے ہیں جوڑ دئے جاتے ہیں۔ ان کا سال ہمارے مانند ۳۶۵ دن کا شمسی سال ہے اور کچھ اور ایام نسئی کا اضافہ بھی مناسب طریقے سے کرلیا جاتا ہے۔ بابیوں نے جن کی ابتدا کلیۃً ایک اسلامی فرقے کی صورت میں ہوئی اور جو شروع شروع میں غلاۃ شیعہ میں سے تھے، مسلمانوں کا قمری

مشرق میں قدیم مذہبی عقائد و رسوم کی احیا کی ایک اور مثال

سال جو شمسی سے تقریبا ۱۱ دن کم ہے ترک کردیا اور اپنے محبوب عدد ۱۹ کو ہر ایک شمار کی بنیاد سمجھکر انیس ماہ کا ایک شمسی سال اور ۱۹ دن کا ایک ماہ تجویز کیا، تعداد ایام و ماہ کی ضرب سے سال کے (۱۹ × ۱۹ یعنی) ۳۶۱ دن نکلتے ہیں، تقویم اور فصلی سال میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے باقی کے دن یا تو پانچ یا اس سے کم اور ملالیتے ہیں، ان پانچ دنوں کی تعداد اپنے پیر مرشد باب کے (ب = ۲، الف = ۱، ب = ۲) حروف سے نکالتے ہیں، ان کی اصطلاح میں یہ عدد عربی کے حرف ہ کے عدد ۵ کے مطابق مقرر ہوا ہے- اس کے سوا بابی مہینے کا ہر دن اور بابی سال کا ہر مہینہ خدائے تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت یا مظہر فعل کی طرف منسوب اور اسی سے موسوم ہے- یہ صورت وہی ہے جو پارسیوں کے ہاں موجود ہے کہ ان کا ہردن اور ہر مہینہ ان کے فرشتوں کی طرف منسوب اور اس کے نام سے موسوم ہے- ان نظاموں میں ایک قدیم ترین اور دوسرا جدید ترین ہے مگر دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اول تو بابیوں نے پارسی فرشتوں کی جگہ صفات کو رکھہ لیا اور دوسرے پارسیوں کے ۳۰ امشسپند اور ایزدون میں سے جو جدا گانہ طور پر مہینے کے تیس دنوں کی صدارت کرتے ہیں بارہ ایسے ہیں جو سال کے بارہ مہینوں پر بھی اپنا اقتدار و تصرف رکھتے ہیں- لیکن برخلاف اس کے بابی نظام میں انیس نام مہینوں اور ایام ماہ دونوں پر اطلاق پاتے ہیں- غرض دونوں نظاموں میں ہفتہ کسی شمار و قطار میں نہیں، دونوں میں ماہانہ ایک بار دن

اور مہینے کا نام ایک ھی واقع ھوتا ھے اور دونوں میں ایسا دن یوم جشن سمجھا جاتا ھے' پارسیوں اور بابیوں میں یہ مشابہت تو ھے مگر یہ بہت ھی غیر اغلب ھے کہ باب نے براہ راست پارسی مذھب و رواج سے واقفیت پیدا کرنا منظور کیا ھے- ذات کا وہ سید تھا' رسالت کے دعوے (سنہ۱۸۴۴ع) سے قبل بغایت سرگرم شیعہ تھا- کافروں کو نجس اور لائق اجتناب سمجھتا تھا' (وہ اپنی تعلیمات کی فارسی کتاب "بیان" میں حکم دیتا ھے کہ جو لوگ مجھہ پر ایمان نہ لائیں ان سب کو باستثناے مفیدہ اھل حرفہ ایران کے پانچ بڑے بڑے صوبوں سے جلا وطن کردیا جاے') یہی مشابہت بابی و اسماعیلی بلکہ دوسرے فرقوں کی تعلیم حتی کہ ان کی مصطلحات میں پائی جاتی ھے؛ مجبوراً کہنا پڑتا ھے کہ ایران میں مذھبی اور فلسفی خیالات کا ایک دور ھے جو مقامی طور پر ھمیشہ موجود رھتا ھے اور مناسب محرک کے اثر سے متعدی بن جانے پر ھمہ وقت آمادہ رھتا ھے' آئندہ اوراق میں اس مسئلے کا حوالہ متعدد بار آے گا —

خوردہ اوستا

(٥) خورد اوستا یا چھوٹی اوستا ایک قسم کا رسالۂ نماز ھے جو شاپور ثانی (سنہ۳۱۰–۳۷۹ع) کے عہد میں دنیا داروں کے لئے تالیف ھوئی تھی' مؤلف کا نام آذرپاد مہر اسپند ھے' اس کا متن کچھہ تو اوستا کے انتخابات اور کچھہ پاژند میں لکھے ھوے وظائف سے بھرا ھوا ھے اور پانچ نیایشوں یعنی مناجاتوں پر مشتمل ھے جن میں سورج' چاند' متھرا پانی رب النوع اور آتش بہرام کو مخاطب

کیا گیا ہے- اس کے سوا اس مجموعے میں نمازوں کے سوا پانچ
گاہیں، خورد وکلاں‌سی روزہ اور چار آفرینگاں (—برکتیں) بھی
شامل ہیں —

اوستا بحیثیت مجموعی | زرتشتی کتاب مقدس کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اور جس کو اب ہم اوستا سمجھتے ہیں،
وہ یہی اجزا ہیں- ان کے علاوہ وہ قطعات ہیں جو بالکل
علحدہ طور پر بعض پہلوی کتابوں جیسے نیرنگستان (خاص کر
اس کے آؤگ‌مدیگا اور ہادوخت‌نسک میں پائے جاتے ہیں)
اگرچہ اوستا ایک قدیم نوشتے کی حیثیت سے، جس میں زرتشت
جیسے شہرہ آفاق انسان کی تعلیم اور اس انتہا درجہ قدیم
ملت کے عقائد قلمبند ہوں جس نے ایک زمانے میں تاریخ عالم
میں بہت اہمیت پائی اور اس کے پیرو آج کل ایران میں
دس ہزار اور ہندوستان* میں نوے ہزار سے زائد نہیں،
دوسرے زیادہ قوی مذاہب پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے، بغایت
دلچسپ کتاب ہے، لیکن اس کا مطالعہ ناگوار اور گراں گزرتا ہے-
اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض مقامات ہنوز مشتبہ ہیں
اور جب ان کے مطالب صاف ہوں گے تو اس کا پایہ قدرے بلند
ہوجائے گا لیکن میں اپنی بابت تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید
کا میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو
اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر مجھ کو اس میں

---

* دیکھو میڈیموازیل ڈی مینداں کی کتاب ''پارسی'' صفحہ ۵۴ — ۵۶ (پیرس ۱۸۹۸)

زیادہ لطف آتا جاتا ھے لیکن اوستا کو لسانی یا قصص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا دو بھر اور بلائے جان معلوم ھوتا ھے۔ تاریخ مذاھب میں اس کا رتبہ، قدامت اور تدقیق زبان میں اس کا درجہ بعض ارباب تحقیق کو اور اس کی الہامی حیثیت اس کے متبعین کو اپنی جانب ھمیشہ کھینچتی رھے گی - لیکن ھمیں شک ھے کہ اس کا کوئی ترجمہ ایسا بھی کیا جاسکتا ھے جو ایک معمولی عقل اور معمولی شوق کے شخص کو سوائے خاص ضرورت کے اس کا ایک ایک صفحہ ختم کرنے پر آمادہ کرسکے - بہر کیف اوستا کے ترجمے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں کثرت کے ساتھہ ھوچکے ھیں، ان کو پڑہ کر ہر شخص ذاتی طور پر ھماری رائے کا تجربہ کرسکتا ھے - اوستا کے منتخب اقتباسات یہاں نقل کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ھوتا ھے —

فصل سوم

پہلوی ادب

پہلوی افسانے سکوں پر ۳۰۰ ق م سے ۶۹۵ ع تک

بتایا جا چکا ھے کہ پہلوی کی نمایاں خصوصیت ایرانی اور سامی الفاظ کی آمیزش تھی جس کا باعث ھزوارش تھی۔ اب دریافت طلب امر یہ ھے کہ پہلوی کی قدیم ترین مرقومات کیاتھیں - سنہ ۱۸۶۷ ع * میں سب سے پہلے لیوی باشندہ بریسلاو نے سراغ لگایا کہ پہلوی

* زیڈ، ڈی، ایم، جی، ۲۱ - صفحہ ۴۲۱ - ۴۶۵ -

کے قدیم ترین نمونے ان پارتھوی سکوں کے کلمات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے قبل چوتھی صدی کے اختتام اور تیسری کے آغاز میں رائج تھے، یابالفاظ دیگر پہلوی کا رواج دور ہخامنشی کے خاتمے کے بعد جلد ہی شروع ہوگیا تھا اور پہلوی نقوش پارتھیوں کے متاخر، ساسانیوں کے پورے دور اور مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کے ایرانی سکوں پر بھی موجود ہیں ؛ آخرالذکر میں وہ سکے بھی شامل سمجھنے چاہئیں جو طبرستان کے خود مختار سپہبد اور ابتدا کے عربی گورنروں نے ڈھلوائے تھے، لہذا پہلوی کی روایات سکہ ۳۰۰ قبل مسیح سے ۶۹۵ ع تک پھیلتی ہیں، جب کہ اموی خلیفہ عبدالملک نے ایرانی سکہ اڑا کر عربی سکہ جاری کیا اور اس پر عربی کلمات کندہ کرائے * —

پہلوی کتبے

پہلوی کتبے ساسانی دور کے ساتھہ شروع ہوتے ہیں، سب سے قدیم تاریخ کے دو ہیں، ایک اردشیر کا اور دوسرا شاپور کا جو ممتاز آل ساسان کے پہلے دو بادشاہ تھے (۲۲۶ - ۲۴۱ اور ۲۴۱ - ۲۷۲) ؛ ان کتبوں کا سلسلہ گیارھویں صدی تک پہونچتا ہے، آخری کتبے وہ ہیں جن کو بمبئی کے نزدیک بمقام سیلس بدھوں کے کنہیری غاروں میں بعض پارسی سیاحوں نے ۱۰۰۹ع اور ۱۰۲۱ع میں کندہ کیا تھا - قدیم و جدید ترین کتبوں کی درمیانی یادگار

---

* اس سلسلہ میں عربی تاریخیں پڑھنی چاہیئں مثلاً دینوری کی تاریخ (مرتبۂ گرگاس سنہ ۱۸۸۸) صفحہ ۳۲۲ —

دس گواھوں کے پہلوي دستخط ھیں جو ایک فرمان پر ثبت ھیں - یہ فرمان ساحل مالابار کے شامی عیسائیوں کی سند عطیہ ھے جو تانبے کے پتروں پر کندہ ھے - پانچ پتروں پر قدیم تامل کی عبارت ھے اور چھٹے ٹکڑے پر پچیس گواھوں کے دستخط ھیں' ۱۱ عربی کے خط کوفی میں' دس ساسانی پہلوي میں اور چار فارسی زبان میں بحروف عبرانی —

پہلوی ادب

پہلوی ادب کے صحیح زمانے کا حال صفحات ۸' ۹ اور ۱۰ میں آچکا ھے - یہ ادب خالص طور پر ساسانی دور کا فارسی ادب تھا' اس خاندان کے زوال پر بھی کچھہ عرصہ تک اُس کا قائم رھنا ایک قدرتی امر تھا - چنانچہ بیان ھو چکاھے کہ ساسانیوں کے بعد عباسی خلیفہ مامون رشید کے دربار میں (۸۱۳ - ۸۳۳ ع) دستور آتور فرن بگ بن فرخ زاد اور کسی ثنویت پرست (شاید پیرو مانی مذھب) کے درمیان مناظرے کا جو میدان گرم ھوا تھا اس کی قلمبند روئداد پہلوی کتاب گجستک ابالش نامک میں موجود ھے - لہذا اس سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ پہلوی ادب تین سے نویں یا دسویں صدی عیسوي تک زندہ رھا' بظاھر اس کے بعد پہلوی

* دیکھو ھاگ کا نوشتہ مضمون " پہلوی " صفحہ ۸۰ تا ۸۲ اور ویسٹ کا آرٹیکل " پہلوی ادب " جو " لسانیات عجم " جلد دوم صفحہ ۷۹ میں درج ھے' وہ حوالے بھی دیکھنے چاھئیں جو اُس کتاب میں دیے گئے ھیں —

کا قدرتی استعمال معدوم ہوگیا اگرچہ تعلیم یافتہ پارسی ہر زمانے میں حتی کہ آج تک اس میں تصنیف و تالیف کرسکتے ہیں - اس زبان کی جعلی پہلوي کا تصنع عموماً جہت ظاہر ہو جاتا ہے؛ خاص کر اس طرح کہ اس میں صفتی لاحقہ 'اِک' کو اسمی لاحقہ 'اِیہ' کے ساتھہ خلط ملط کردیا گیا، اس لئے کہ اب ان دونوں کی جگہ 'ای' استعمال ہوتی ہے —

پہلوی مسودات

پہلوی کے قدیم ترین مسودے وہ تحریریں ہیں جو بردی کے پریشان قطعات پر قلمبند اور فیوم (مصر) سے برآمد ہوے ہیں - ویست کا خیال ہے کہ ان کا سال تصنیف آٹھویں صدی عیسوی ہے، ان کے بعد پہلوي یا سنا کے قلمی نسخے سے زیادہ پرانا کوئي نسخہ نہیں جو "جے - م" کے نام سے معروف ہے اور جسے ۲۵ جنوری سنہ ۱۳۲۳ کو کاتب نے ختم کیا تھا - پارسی نقل نویس قدرتاً پہلوی کتابوں کو آج تک نقل کرتے چلے آتے ہیں مگر پہلوی ٹائپ اور لیتھو کی ایجاد نے زیادہ قیمتی کتابوں کے معاملے میں دوسری مشرقی زبانوں کے مثل پہلوی کو بھی کتابت کے بار سے ایک گونہ سبکدوش کردیا ہے —

پہلوی ادب کی مقدار و نوعیت

پہلوی ادب پر اول درجے کی زندہ سند ویست ہے، کتاب کے اس حصے میں ہمارا اصلِ رہنما یہی فاضل ہوگا، اس نے پہلوي ادب کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے :—

(۱) متون اوستا کے پہلوی تراجم ، تعداد میں ۲۷ ، بعض مکمل اور بعض ٹکڑوں میں ہیں ، ان کے مجموعی الفاظ ایک لاکھ اکتالیس هزار * تخمینہ کئے جاتے ہیں ، اگرچہ تراجم اوستاکے لئے وہ بیش بہا ہیں لیکن بالفاظ ویسٹ " اُن کا شمار ادبیات میں نہیں ہوسکتا کیونکہ مترجموں نے اوستا کی عبارت کا اتباع اسدرجہ کیا ہے کہ لفظ کے نیچے لفظ رکھدیا ہے " —

(۲) پہلوی متون جو مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں، تعداد متون ۵۵، تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ، ان میں تفاسیر ، ادعیہ روایات، پند و نصائح، وصایا، اقوال مقدس وغیرہ کے علاوہ ذیل کی مہتم بالشان اور دلچسپ کتابیں ہیں :-

دین کرت (نویں صدی عیسوی) | دین کرت (کردارهاے دینی) " ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات ہے - پارسی مسائل ، رسوم و روایات ، تاریخ و ادب کا " آتور فرن بگ ، جو دین زرتشت کا پہلوان بنکر الهامون کے روبرو " مردود ابالیش " کے مقابلے کو آیا تھا ، اس کا مؤلف ہے + کتاب نویں صدی کے آخر میں تالیف ہوئی - بن دهشن (= بنیاد بخش)

---

* اعداد کی تفصیل ویسٹ کے مضمون مطبوعہ " لسانیات عجم " میں ملےگی —

+ ویسٹ نے اس کے مضامین کو نہایت تفصیل کے ساتھ تجزیہ کر کے دکھایا ہے —

بن دهشن (بارهویں صدی)	ایک ضخیم مذهبی رساله* هے ' اس کا ایڈٹ شده نسخه چوبیس ابواب پر مشتمل

هے اور "ایرانی" کے نام سے موسوم' یه غالباً گیارهویں یا بارهویں صدی میں اتمام کو پہنچ گئی تهی ' اگر چه بظاهر اس کا زیاده حصه بہت پہلے لکھا جا چکا تها —

داتستان دینیک (نویں صدی)	داتستان دینیک یا " آرائے مذهبیه " یه کتاب مانوش چیر پسر یووان یم

دستورالاساتیر فارس و کرمان کی تصنیف هے جو نویں صدی کے اواخر میں گزرا هے اس کے بانویں موضوعات هیں اور حسب رائے ویست سمجھنے اور ترجمه کرنے کے لئے یه کتاب جس قدر مشکل هے پہلوی میں اس کی نظیر نہیں —

شکند گهانیک ویجار	شکند گها نیک ویجار † یعنی شرح شک ابا ' نویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی

تهی' اس میں مذهب کے متنازعه فیه مسائل درج هیں' زرتشتی

---

† ترجمه کے لئے " مشرق کی کتب مقدسه " جلد پنجم صفحه ۱ - ۱۵۱ (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ ع) میں ویست کا مضمون " پہلوی متون " اور تجزیهٔ مضامین کے لئے اسی محقق کا مضمون مندرجه " لسانیات عجم " صفحه ۱۰۰ - ۱۰۲ ملاحظه کرنا چاهئے —

† " سلسله مشرق کی کتب مقدسه " کی چودهویں کتاب کے صفحه ۱۱۵ - ۲۵۱ (۱۸۸۵) میں ویست نے اس کا ترجمه کردیا هے اور ۱۸۷۷ ع میں اس فاضل نے پارسی هوشنگ کی مدد سے اس کتاب کو بزبان پاژند چهاپا هے —

ثنویت کی حمایت اور برائی کی حقیقت اور ابتدا کے متعلق یہودی ' عیسوی ' مانوی اور اسلامی خیالات کی تردید کرتی هے ' بقول ویست " موجودہ پہلوي ادب میں صرف یہی کتاب ایسی هے جو فلسفه کی سر حد سے تکراتی هے " —

منیوے خرد	اس کتاب کے دو نام اور هیں " دیناے منیو (یا مائے نوک) خرد " (روح دانش کی رائیں)

اس میں یه روح زرتشتی مذهب کے متعلق ٦٢ سوالوں کے جواب دیتی هے ' کتاب کا پہلو متن اینڈریاس (کیل ۱۸۸۲) اور پاژندی متن معه ترجمه سنسکرت از نیریوسینگ ' ویست نے طبع کرایا هے (اشتت گارت ۱۸۷۱ ع) ' موخرالذکر نے دونوں قسم کے متون کا انگریزی ترجمه بھی کردیا هے (۱۸۷۱ اور ۱۸۸۵) ' اس صورت سے دوسري پہلوی کتب کے مقابلے میں اس کے مطالب پانی هوگئے هیں اور هر شخص اسے آسانی کے ساتھه پڑہ سکتا هے ' نولڈ یکی " کارنامک ارتخ شتر پاپکان" کے ترجمه میں هدایت کرتا هے که کتابی پہلوی سیکھنے کے لئے شروع کی سب سے بہتر کتاب یہی هے —

اردہ و یراف نامک	یه کتاب مشہور پہلوي کتابوں میں سے هے ' اصل نسخے کو دیکھنا چاهیں تو

مطبوعه بمبئي سنه ۱۸۷۲ ع منگانی چاهئے ورنه فرانسیسی اور انگریزی میں اس کے تراجم موجود هیں ' کتاب کا مبحث مختصرا " پارسی بہشت و دوزخ " کہه سکتے هیں ۔ اردہ و یراف اس لحاظ سے دلچسپ هے که اس میں " ملعون سکندر رومی " کے حملے سے ملک پیدا مادي و مذهبی انتشار ' تیسري صدی عیسوی

میں سلاطین ساسان کے مذھبی و قومی احیاء اور حیات بعدالموت
کی نسبت زرتشتی عقائد کا مفصل حال مذکور ھے - دوزخ کے
بیان میں چینوت پل اور اسلام کے پل صراط میں جو بال سے
باریک اور تلوار سے تیز ھے اور جسے بائرن نے اپنے مشہور
اشعار میں نظم کیا ھے اس قدر گہری مشابہت پائی جاتی ھے
کہ اس مشابہت پر ذھن فوراً منتقل ھوتا ھے - اسلام کی
حوروں کا زیادہ روحانی نمونہ بظاھر اُس خوبرو دوشیزہ
میں پایا جاتا ھے جو نیک پارسی کی موت کے بعد اُس کی
روح سے ملاقات کرتی ھے اور روح کے سوال پر اپنے آپ کو
اُن نیک اعمال، نیک الفاظ اور نیک خیالات کا مجسمہ
بیان کرتی ھے جو پارسی سے حیات دنیا میں سرزد ھوے—

ماتی گان گجستک ابالش | "مردود ابالش" کی کتاب کا حوالہ کئی
بار آچکا ھے، سنہ ۱۸۸۷ ع میں بارتیلیمی
نے اس کو پاژندی، پارسیوں کی فارسی اور فرانسیسی ترجمے
کے ساتھہ چھاپا تھا، جاماسپ نامک مکمل تو پاژندی اور
فارسی ترجمے ھی کی صورت میں موجود ھے جس میں ایران
کے قدیم روایتی اور قصے کہانیوں کے بادشاھوں کے متعلق
دلچسپ پرانی روایات و قصص موجود ھیں—

اندرز خسروئے کواتان | اندرز میں وہ وصایا قلمبند ھیں جو
نوشیروان بادشاہ (= انوشک روبان سنہ
۵۳۱-۵۷۸ع) نے بستر مرگ پر اھل ایران کو خطاب کی تھیں،
یہ کتاب ھے تو بہت ھی مختصر مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ھے
کہ زالمان نے اپنی کتاب "فارسی متوسط پر ..." کے (میلانژز

ایشیاٹیک جلد نہم صفحات ۲۴۲-۲۵۳، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۸۷)
میں ایک دلچسپ اور روشن مضمون کو اس پر مبنی کیا ہے اور
اس میں دکھایا ہے کہ ایک پہلوی متن بلند آواز سے
پڑھے جانے پر غالباً کس طرح مسموع ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب
محققانہ طور پر پاژند لکھنے کی ایک قابل داد کوشش ہے۔

(۳) غیر مذہبی پہلوی متون، اس صنف کی کتابیں تعداد
میں گیارہ اور ان کے مجموعی الفاظ ۱۴۰۰۰ ہیں، دلچسپی
میں سب پر فائق ہیں لیکن مقدار میں سب سے کم۔ کچھ
شک نہیں کہ ساسانی دور میں غیر مذہبی کتابیں بہ تعداد
کثیر موجود تھیں لیکن ان میں سے اکثر، خصوصاً خدائے نامک
یا سیر الملوک جس پر آئندہ فصل میں بحث کی جائے گی،
ناپید ہوچکی ہیں اور اس وقت ہم صرف ان کے نام سے واقف
ہیں یا ان کے جستہ جستہ مطالب سے اور وہ بھی ابتدائی
زمانے کے فارسی و عربی لکھنے والے مسلمان اہل قلم کے ذریعے۔
اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اوستا کے محققانہ اور فلسفیانہ نسکوں
یعنی ھاتک مان‌سریک صفحہ ۱۶۹ بالا) کا پتہ نہیں اور اس کا
سبب زرتشتی ہادیوں کی اُن کتابوں کے ساتھ بے اعتنائی
تھی جو ان کی ذاتی اغراض پوری نہیں کرتی تھیں۔ ساسانی
دور کے قدیم مگر غیر مذہبی ادب کے حامل و نگراں زرتشتی
ہادی تھے اور چونکہ اس سے بھی ان کے ذاتی مقاصد کی گرہ
نہیں کُھلتی تھی اس لئے یہ ادب بھی بہت کچھ تلف ہوگیا،
باقی ماندہ کتابیں اس قدر کم ہیں کہ اُن کے نام و حالات
تفصیل کے ساتھ پیش کئے جا سکتے ہیں:-

(۱) ساسانی دور کے زرتشتیوں کے آداب معاشرت

(۲) یات‌کار زریران، اسے شاهنامہ گشتاسپ اور پہلوی شاهنامہ بھی کہتے تھے، گائگر نے رسالہ "تاریخ و زبان" (جلد دوم بابت ۱۸۹۰ع صفحہ ۲۴۳ - ۲۸۴) میں بزبان جرمنی اس کا ترجمہ کیا ھے، دو سال بعد نولدیکی نے بھی اس رسالے* میں اس پر بحث کی —

(۳) خسروے کواتان (= نوشیروان) اور اس کے غلام کا قصہ

(۴) کارنامک ارتخشتر پاپکان یا بانی آل ساسان اردشیر بابکان کے کارنامے، کتاب بغایت دلچسپ ھے، اس کا پہلوی متن بظاهر بلا تنقید کے ۱۸۹۶ع میں کیقباد آذر باد دستور نوشیروان نے مرتب کرکے بمقام بمبئی طبع کرایا تھا، لیکن پروفیسر نولدیکی نے تنقیدی حواشی اور نہایت روشن مقدمے کے ساتھ ۱۸۷۸ع میں بمقام گوتنجن اس کو شایع کیا، شاهنامے کے ضمن میں هم اس کتاب کا مفصل ذکر کریں گے† ساسانیوں کے تاریخی ناولوں میں ایک تو یہ کتاب باقی ھے اور دو اس سے قبل کی، اگرچہ دوسری ناولوں کے نام و مضامین کا حال عربی مصنفین مثلاً مسعودی، دینوری اور قابل قدر الفہرست کے مولف سے معلوم هیں اور ایک کتاب یعنی داستان و وقایع بہرام چوبین کے مواد کے بعض اجزا نولدیکی نے جا بجا سے فراهم

---

* نولدیکی اس کتاب کو سنہ ۶۰۰ع کے قریب کی تصنیف بتاتا ھے —

† بخیال نولدیکی اس کی تاریخ تصنیف سنہ۶۰۰ع کے قریب کی ھے —

کرکے مرتب کئے ھیں (''ساسانیوں کی تاریخ'' ایڈن سنہ ۱۸۷۹ ء صفحات ۴۷۴-۴۸۷) اس قسم کی باقی ماندہ کتابیں بہت چھوٹی اور یہ ھیں :-

(۵) بلاد ایران

(۶) عجائبات سجستان

(۷) درخت آسوریگ (آسوریہ کا درخت)

(۸) چترنگ نامک (= شطرنج نامہ)

(۹) انشا

(۱۰) نکاح نامہ (اس کی تاریخ ۱۶ نومبر سنہ ۱۲۷۸ ع سے مطابق ھوتی ھے) اور (۱۱) مشہور فرنگ پہلویک ۷ یعنی قدیم پہلوی پاژند فرھنگ جس کو سنہ ۱۸۷۰ ع میں موشنگ وھوگ نے بمبئی اور لندن میں طبع کرایا —

فارسی کا زرتشتی ادب

پہلوی کتابوں کے علاوہ خود فارسی میں ایرانی پارسیوں نے تصنیف و تالیف کی، اس قبیل کی اھم تصنیفات حسب ذیل ھیں :-

(۱) زرتشت نامہ، نظم میں ھے، تیرھویں صدی میں بمقام رے تصنیف ھوا —

(۲) صد در (= صد ابواب) ایک قسم کا خلاصہ دین زرتشت ھے، اس کے تین متن ھیں، ایک نثر میں اور دو نظم میں، حصہ نثر قدیم ترین ھے —

(۳) علمائے اسلام —

(۴) روایات یا مذھبی روایتوں کا مجموعہ —

(۵) قصہ سنجان (اسلامی فتوحات کے بعد پارسیوں کے ھند

میں وارد ہونے کا حال) —

(۹) پہلوی کتب کے متعدد فارسی ترجمے ویسٹ نے "لسانیات عجم" کے حصے میں (صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۹) ان سب پر تنقید کی ہے —

جہاں تک ہم کو علم ہے زمانہ حال میں کرمان و یزد کے پارسیوں میں تعلیم و تعلم کا چرچا نہیں اگرچہ وہ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے آپس میں گبری بولتے ہیں مگر جب مسلمان ایرانیوں میں جا بیٹھتے ہیں تو ان کی زبان اور فارسی میں تقریباً کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور ان کے خطوں کی تحریر تو بالکل مسلمانوں کے طرز پر ہوتی ہے —

ساسانی دور میں نظم کا وجود | صفحات ۱۹ لغایت ۲۵ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ دور ساسانی میں یا تو نظم کا وجود تھا ہی نہیں یا اگر تھا تو جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کا آج ایک مصرع بھی نہیں ملتا —

اشارۃً بتاچکے ہیں کہ بعض معدوم پہلوی کتابوں کے اجزا بعض اسلامی اہل قلم خصوصاً اسلام کے ابتدائی زمانے کے عربی لکھنے والے مصنف مثلاً طبری، مسعودی، دینوری وغیرہ نے اپنی تصانیف میں محفوظ کرلئے ہیں، ان کا ماخذ پہلوی کے عربی تراجم تھے جن کو ابن المقفع جیسے ماہران عربی و پہلوی نے پورا کیا تھا۔ ترجموں کے کثیر نام الفہرست میں درج ہیں لیکن مکمل ترجمہ جو ہم تک پہنچا ہے صرف ابن المقفع کا ترجمہ کلیلہ دمنہ ہے، یہ کتاب نوشیرواں عادل کے عہد میں شطرنج کے ساتھ ہندوستان سے ایران پہنچی تھی

اور اسی بادشاہ کے لئے اس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا - اسلام کے ابتدائی مصنفوں میں، جو مسائل عجم سے پوری واقفیت رکھتے تھے، ارباب ذیل شامل ہیں :-

۱ - طبری (ت ۹۲۳*، ت = فوت ہوا)

۲ - الجاحظ (ت ۸۶۹ع)

۳ - الکسروی (ت ۸۷۰ ع)

۴ - بن قتیبہ (ت ۸۸۹ ع)

۵ - الیعقوبی (ت ۹۰۰ ع)

۶ - دینوری (ت ۸۹۰ ع)

۷ - مسعودی ، دسویں صدی کے وسط میں گزرا ہے خصوصاً اس کی تصانیف مروج الذہب اور کتاب التبینہ و الاشراف میں اس قسم کا مواد موجود ہے —

۸ - حمزہ اصفہانی (ت ۹۶۱ع)

۹ - البیرونی ، دسویں کے آخر اور گیارھویں کی ابتدا میں ہوا ہے —

۱۰- البلاذری(ت ۸۹۴ع)

۱۱ - محمد بن اسحاق ، مولف کتاب الفہرست ، (اواخر دسویں صدی) وغیرہ - نقطہ زیر بحث کے لحاظ سے فارسی کی اہم ترین کتابوں میں شاید بلعمی کا ترجمہ تاریخ طبری (۹۶۳ ع)، مجمل التواریخ جس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں اور شاہنامہ فردوسی ہے —

---

* ف = فوت ہوا —

فصل چہارم

ایران کا "قومی افسانہ"

یہاں تک ہم ایران قدیم کی اصل تاریخ پر گفتگو کر رہے تھے اور ہمارا ماخذ کتبات تھے، سکے تھے یا مصنفین ماضیہ جن کی قدامت و صداقت شبہ سے پاک ہے - اب دیکھنا یہ ہے کہ خود اہل ایران اپنے قدیم سلاطین اور شاہی خاندانوں کی بابت کیا خیالات رکھتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اُن کے "قومی افسانہ" کی روئداد کیا ہے جو صرف ساسانی عہد سے حقیقی تاریخ کا ہم عنان ہوکر واقعات بیان کرتا ہے اور مشہور شاہنامے کی صورت میں اوج کمال کو پہنچ جاتا ہے - شاہنامہ ایک مبسوط نظم ہے، عموماً ساٹھہ ہزار ابیات پر مشتمل سمجھی جاتی ہے، فردوسی نے تقریباً چالیس سال کی کاوش سے سلطان محمود کے لئے اس کو ۱۰۱۰ ع میں ختم کیا تھا - اس جلیل القدر نظم کی ادبی حیثیت پر کسی آئندہ باب میں بحث کی جائے گی لیکن چونکہ اہل ایران اس کو آج بھی اپنی قوم کی قدیم تاریخ کا سر چشمہ مانتے ہیں اس لئے مناسب ہو گا کہ اس کی نوعیت و قدامت کو اس جگہ مجمل تنقید کے حوالے کیا جائے - پروفیسر نولدیکی نے شاہنامے کو

اس لحاظ سے اپنے (مضمون " ایران کا قومی افسانہ " میں نہایت تحقیق و جامعیت سے کھنگالا ھے اور مضمون کو) "لسانیات عجم" جلد دوم کے سوا علحدہ بھی طبع کرایا ھے (تریب ذر استراس برگ ۱۸۹۶ ع) ' یہ پاکیزہ مضمون اس قدر مبسوط و مکمل ھے کہ غالباً اس مبحث پر علم اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ ذیل کے مختصر بیان میں ' جو " قومی افسانہ " کے تاریخی پہلو کو پیش کرتا ھے یہ مضمون نہایت آزادی و بسط کے ساتھہ استعمال کیا گیا ھے —

شاہ نامے کے مضامین

شاہ نامہ قبل الاسلامی تاجداران عجم کے چار خاندان پیش کرتا ھے (۱) پیشدادی (۲) کیانی (۳) اشکانی (یا پارتھوی جو عربی میں ملوک‌الطوائف بھی کہلاتا ھے) اور (۴) ساسانی - ان میں سے پہلے دو خاندان بالکل غیر تاریخی ھیں اور جیسا کہ بیان ھوچکا ھے اوستا کی کتھاؤں اور ھندی - ایرانی افسانوں سے تعلق رکھتے ھیں ' تیسرا خاندان ایک لحاظ سے تاریخی کہا جا سکتا ھے مگر اسماے ملوک کے سوا جو بے ترتیبی سے مذکور ھیں باقی حالات روایت کے حافظے سے اتر گئے ھیں ' البتہ اتنا یاد رھا ھے کہ سکندر آعظم اور اردشیر ساسانی کے درمیان کا وقفہ اشکانیوں کی حکومت کا زمانہ ھے - چوتھا خاندان اس اعتبار سے کامل طور پر تاریخی ھے کہ اس کے مالکان تاج رجال التاریخ ھیں اور ان کا حال صحت ترتیب کے ساتھہ لکھا گیا ھے ' اگرچہ ان کے خصوصاً ابتدائی اورنگ نشینوں کے واقعات اور کار نامے افسانے کے رنگ میں

توڑے ہوئے ہیں —

پیشدادیاں | پیشدادی خاندان کا پہلا بادشاہ گیو مرث، اوستا کا پہلا شخص گیو مریتہ اور زرتشتیوں کا باوا آدم ہے ۔ وہ پہاڑوں میں بود و باش رکھتا ہے، تیندوے کی کھال خود بھی پہنتا ہے اور اپنی قوم کو بھی پہناتا ہے، میدان کے درندوں کو مطیع بناتا ہے، دیووں پر فوج کشی کرتا ہے اور لڑائی میں اس کا بیٹا سیامک مارا جاتا ہے، آخرش سی سالہ حکومت کے بعد وہ خود جاں بحق تسلیم اور اس کا پوتا ہوشنگ (عربی اوشنج) اس کا جانشین ہوتا ہے - ہوشنگ تخت سلطنت کو چالیس سال تک زینت بخشتا ہے، اتفاقاً چقماق سے آگ نکالنے کا گر اس کے ہاتھ آتا ہے اور اس عظیم‌الشان انکشاف کی یادگار میں جشن " سدہ " قائم کرتا ہے - اس کے بعد اس کا بیٹا تہمورث تاج شاہی سرپر رکھتا ہے، دیووں کو زیر کر کے " دیوبند " کا لقب حاصل کرتا ہے، اور دیووں کو اس شرط پر جان کی امان دیتا ہے کہ وہ اس کو فن کتابت سکھائیں لیکن اس میں ایک خط پر بس نہیں کرتا بلکہ اکٹھی تیس زبانوں* کی طرز تحریر سیکھتا ہے اور تیس برس کے بعد تخت کو اپنے مشہور بیٹے جمشید کے لئے خالی کردیتا ہے جو فسانیات عجم میں اپنے پیشروؤں کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے —

جمشید | ابتدائی زمانے کے عربی (یعنی عربی لکھنے والے) مورخ جو بحالت اکثر ایرانی افسانوں کو سامی

(*) دیکھو شاہ نامہ مرتبہ میکن، صفحہ ۱۸

اور بائبل کے قصوں سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں'،
عام طور پر جمشید کو حضرت سلیمان بتاتے ہیں - عملی طور
پر دیکھا جائے تو اہل ایران استخر کے تمام ہخامنشی کتبوں
کو جمشید یا حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں' انتساب
کی دلیل بظاہر اس سے زیادہ نہیں کہ یہ جلیل القدر
عمارتیں تنہا قدیم انسانوں کے ہاتھ کا کام نہیں ہو سکتیں ؛
لہذا ان کا بانی خواہ کوئی ہو وہ اپنے قابو میں دیووں کی
جماعت رکھتا تھا - لیکن ہر شخص واقف ہے کہ دیو صرف
دو بادشاہوں کے تابع فرمان تھے یعنی سلیمان اور جمشید
کے ؛ لہذا سلیمان اور جمشید نے ان یادگاروں کو تعمیر کیا" -
چنانچہ وہ پرسی پولس (استخر) کو تخت جمشید اور
سائی رس کی قبر کو مسجد مادر سلیمان کہتے ہیں ؛ اسی
طرح مرغاب کے میدان میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا ہے جو
تخت سلیمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - مسلمانوں کے
دور میں خود آتش پرستوں نے اس قسم کی تطبیقوں کی
تائید کی تاکہ ان کے فاتحوں کی نظر میں ان کی عزت بڑھ
جائے اور ان کو وہی حقوق عطا کئے جائیں جو فیروز مند
اسلام نے اہل کتاب مثلاً یہود و نصاری کو دئے تھے جو خود
تو قران پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن ایسی کتابوں کو مانتے
تھے جنھیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم) نے تسلیم
کیا ہے - ان میں سب سے زیادہ اہم لیکن جھوٹی تطبیق
زرتشت کی ابراہیم اور اوستا کی صحف سے ہے' صحف کی نسبت
مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے تھے

اور اُن پانچ الہامی کتابوں میں سے ہیں ' جو پانچ انبیائے کبار پر اُتری تھیں' باقی چار میں توریت ' زبور یا مزامیر' انجیل اور قران پاک ہیں ' اسی طرح ابن المقفع کے مثل تمام با خبر مصنف جانتے تھے کہ عجمیوں کی تمام تطبیقیں غلط اور فرضی ہیں ' بعینہ جس طرح ہم کو معلوم ہے کہ سر ولیم جونس کا سائی رس کو کیخسرو اور شیرویہ کو زرکسیز کہنا غلط تھا چنانچہ ابن المقفع (دیکھو دینوری مرتبہ گرگاس صفحہ ۹) کا قول ہے " جاہل اور نا تعلیم یافتہ ایرانی خیال کر تے ہیں کہ بادشاہ جم اور حضرت سلیمان بن داود دونوں ایک شخص ہیں ' مگر یہ اُن کی غلطی ہے ' حضرت سلیمان اور جم کے زمانے میں تین ہزار برس کا فصل ہے " - جدید تحقیق اس قول کی تائید کر تی ہے ' جمشید کے آخر سے شید کو گرادیں (کیونکہ یہ نام کا جزو نہیں ہے بلکہ لقب ہے جیسا خورشید کا شید جو اوستا کے " خشئیت " بمعنی اعظم ' منور کا قائم مقام ہے اور اکثر گرادیا جاتا ہے) تو جم رہ جاے گا اور وہی جم جو ہندووں کی دیومالا میں یمہ اور اوستا کے افسانوں میں یمہ کے نام سے مذکور ہے' اگر چہ اس ہندی - ایرانی فسانیات کے (بطل) کے حالات ہندووں کے افسانوں میں جدا ہیں اوستا میں جدا اور شاہنامہ میں جدا - ہندو کہتے ہیں کہ یمہ پہلا انسان فانی ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم آخرت میں داخل ہوا اور پلوٹو (یونانی دیوتا) کی طرح تحت الثری کا بادشاہ ہوا - اوستا کے الفاظ یہ ہیں " اچھے ریوڑوں والا پاکیزہ یمہ " جو ویون ہاؤ (یہ نام شاہنامے میں تو مفقود ہے

اسفندیار | کے جنگجو حامی گشتاسپ (= وشتاسپہ) کے بیٹے اسفندیار (اسفندیاد، اسپندیدات) کے قتل سے

ھاتھہ رنگ چکتا ھے تو اپنے بھائی کی غدارانہ چالوں سے خود لقمۂ اجل بنتا ھے - اسپیگل کی راے* میں رستم کا اوستا کے صفحوں میں نہ پاے جانے کا سبب یہ ھے کہ وہ "مذھب حق" کا دشمن تھا اس لئیے مصنفین اوستا نے دیدہ و دانستہ اس کا نام دبا دیا، لیکن نولدیکی† کو اسپیگل سے اتفاق نہیں اور وہ اس راے کی طرف مائل نظر آتا ھے کہ سیستانی روایت جس میں رستم و آباے رستم کے کارناموں کا ذکر آتا ھے اس سے اوستا کے لکھنیے والے تقریباً یا مطلق بے خبر تھے - بہر کیف رستم کا ذکر آخر زمانے کی پہلوی تحریروں میں صرف ایک یا دو جگہ آیا ھے اگرچہ ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں آرمینیہ کا موسی خورینوی رستم کے جلیل‌القدر کارناموں سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتا ھے اور اسی زمانے کے قریب عرب حملہ آوروں کو سیستان‡ میں رخش رستم کا اصطبل بھی بتایا گیا تھا - اس کے سوا قادسیہ کی ھولناک لڑائی (سنہ ۶۳۵ ع)، میں جس نے کیانی تاج عربوں کے حوالے کردیا، ایران کا سپہ سالار رستم کا ھمنام تھا جو مغلوب اور قتل ھوا —

بہمن آرتا زرکسیز لونگی مے نس | رستم کی موت پر شاھنامے کے کیانی افسانہ آمیز حالات بھی ختم ھوجاتے ھیں- اسفندیار

پسر گشتاسپ اپنے بعد اپنا بیٹا بہمن (یا وھمنو) چھوڑ جاتا ھے جو اپنے دادا کا جانشین ھوتا ھے- کچھہ مدت بعد جب قومی

* دیکھو "مطالعہ" صفحہ ۱۴۶ † "مثنوی عجم" صفحہ ۹

‡ "مثنوی عجم" صفحہ ۹

افسانہ پھر مرتب ہوا تو آرتا زرکسیز (ارتخشتر، ارد شیر) کے لونگی مے نس (دراز دست*) کے نام سے مذکور ہونے لگتا ہے، اس کا حال اس وقت کسی سریانی مصنف سے لیا گیا جس نے یونانی ماخذوں سے کام لیا تھا - بہر حال اردشیر

خومانی

مجوسی رسم کے مطابق اپنی ہمشیر خومانی (ہومائے) کو اپنی زوجیت میں لایا، اس کا بیٹا

دارا

دارا اس کی موت کے بعد پیدا ہوا - ارد شیر کے بعد خومانی کے بھائی ساسان کو وارث تخت و

ساسان

تاج کی امید تھی مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ دارا کے بلوغ تک اس کی بہن یعنی دارا کی ماں سلطنت کا انتظام کرے گی تو وہ صدمے کے مارے پہاڑوں میں چلا گیا اور کردوں کے ساتھہ مل کر گڈریا ہوگیا† - اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے ہیں اور آل ساسان کو وہ کیانیوں کے جائز وارث اور فر کیانی کو زندہ کرنے والے مانتے ہیں - اس خاندان کے بانی ارد شیر بابکان (ارتخ شتر ابن پاپک) کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ساسان (پسر بہمن پسر گشتاسپ مربیء زرتشت) کی چھٹی پشت میں تھا - غرض اس قسم کا نسب نامہ بیان کرکے ثابت کرنا چاہا کہ وہ ایران کے علی الاستحقاق بادشاہ اور حامی دین زرتشت ہیں اور یہ حیثیت سوائے ایک دو کے ہر ساسانی بادشاہ نے قائم رکھنے کی کوشش کی —

---

* مثنوی عجم صفحہ ۱۲ اور حاشیہ (۳) وغیرہ —

† دنیوری صفحہ ۲۹ —

سکندر کا قصہ

ہم دیکھہ چکے ہیں کہ " قومی افسانہ " میں پارتھویوں (آشکانیاں یا ملوک‌الطوائف) کا تذکرہ برائے نام ہے ' اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومی افسانہ کے رو سے ایرانی حکومت کی عنان دارائے ثانی کے ہاتھہ سے نکل کر فوراً تاج پوشان ساسانی کے ہاتھوں میں آگئی ہوگی - مگر اس مقام پر ایک اجنبی واقعہ " افسانہ سکندر " کے نام سے سر ابھارتا ہے ' اس افسانے کا اصل ماخذ تو فرضی کیلس تھنیز کا گم شدہ یونانی متن ہے مگر ایشیا میں اس کے تراجم سریانی ' مصری ' حبشی * عربی اور جدید فارسی زبان میں موجود ہیں - عجمی افسانوں میں سکندر کی قسمت کا عجیب حشر

سکندر زرتشتی روایت میں

ہوا ہے - خالص زرتشتی روایت مثلاً پہلوی اردہ ویراف نامک† میں وہ " مردود سکندر رومی " کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور شیطان کے ایما سے ایران کو ویران کرتا ہے ' استخر اور اہل ایران کے سرمایۂ ایمان یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ ہزار ‡ بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے نوشتہ ستاخر پاپکان کے دفتروں میں محفوظ تھا جلا کر خاکستر بناتا ہے اور آخرش " خود کشی کر کے جہنم واصل ہوتا ہے " —

---

* کتاب سکندر از بج —

† مرتبہ ہوگ و ویسٹ صفحہ ۴ اور ۱۴۱

‡ کتاب التذہیہ مسعودی صفحہ ۹۱

سکندر شاہنامے میں

بعد کے زمانے میں اہل ایران نے جن میں فردوسی بھی داخل ہے سکندر اعظم کو اپنے بادشاہوں کی فہرست میں منسلک کرلیا ' اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان کو فرضی کیلس تھی نیز کے افسانے کے خوبصو ت واقعات بہت پسند آے اور دوسرا یہ کہ سکندر کی تلوار سے ان کے قومی افتخار کو جو زخم پہنچا تھا اُس کو وہ مندمل کرنا چاہتے تھے - ہماری تاریخ میں ولیم فاتح اس خواہش کی مثال ہے یعنی انگلستان کے قدیم مورخوں نے ولیم کو بھی اپنے فرمانرواؤں میں شامل کرنا چاہا تھا ' بہر کیف اہل ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کیا :
فیلقوس مقدونوی کی بیٹی دارائے اول کی زوجیت میں آئی ' بعد میں جب وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا تو اسے طلاق دیکر باپ کے گھر بھیجدیا ' واپسی پر اُسکے بطن سے سکندر پیدا ہوا جو فی الحقیقت دارا کے صُلب سے تھا ' لیکن فیلقوس چونکہ اس اہانت کو لیپنا چاہتا تھا جو ایرانی تاجدار کی طرف سے اس کی بیٹی پر عائد ہوچکی تھی اس لئے اس نے یہ مشہور کیا کہ سکندر میرا بیٹا ہے اور میری ایک بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہے - پس جس وقت سکندر نے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی دارائے ثانی سے ایران کی سلطنت چھینی تو گویا بڑے بھائی اور ولیعہد کی حیثیت سے اس نے اپنا وہ حق واپس لے لیا جس کا وہ پہلے سے حقدار تھا' اس صورت سے ایرانی قدیم سلاطین پیشدادی و کیانی کے پر عظمت دور کو سکندر کے نام سے ختم کردیتے ہیں - سکندر کا تیسرا

قصہ سکندر نامہ نظامی (بارھویں صدی) میں درج ھے ' یہاں اس کو ایک پر اسرار شخص ذوالقرنین سے مطابق کیا گیا ھے جو حسب تعلیم قرآن موسیٰ علیہ السلام کا ھم عصر تھا (اگرچہ بعضوں کے نزدیک وہ خود ھی موسیٰ تھا) اس کے دانا اورخدا ترس معلم ارسطویاارسطا طالیس کی تعلیم کے اثر سے وہ ایک اعلیٰ قسم کا موحد بادشاہ بن گیا تھا اور کافر ایرانیوں کے جھوٹے عقائد کی بیخ کنی پر تل گیا تھا - سکندر کے متعلق یہ مختلف خیالات ذھن نشین رکھنے چاھئیں - اور ان کے ساتھہ یہ واقعہ بھی کہ ایرانیوں کے قومی حافظے سے سکندر کی یاد حقیقۃً محو ھوگئی ھے اور اس کی دارا کے ساتھہ اس کا ذکر ایک اجنبی ماخذ سے لے کر کیا گیا ھے ' ان کے قومی حافظے میں ساسانیوں کے عہد سے پہلے کا کوئی واقعہ محفوظ نہیں رھا -

سکندر نامہ کا سکندر

پارتھوی دور

پارتھیوں کی نسبت یہ خصوصیت قابل ذکر ھے کہ عجمی وقائع میں اُن کا حال نہ صرف مختصر ھے اور بے رغبتی سے لکھا گیا ھے بلکہ ایرانی اور عرب مورخوں نے سکندر کی موت اور ساسانیوں کے عروج کے درمیان ان کے عہد کے ۵۵۰ سال کو عادتاً گھٹا کر ۲۲۶ کردیا ھے - علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں اس مغالطہ آمیز اور خود ساختہ تاریخ کی لغویت اور اس کا سبب یہ بیان کیا ھے * - جب اردشیر بابکان نے ۲۶۶ ع میں یعنی

---

* " جغرافیات عرب " —

سکندر کے ۵۵۰ برس بعد آل ساسان کی بنا ڈالی تو تمام ملک میں ایک عام پیشین گوئی گشت لگارہی تھی کہ زرتشت کے ایک ہزار سال بعد ان کا دین اور ایران کی سلطنت تباہ ہوجائے گی۔ زرتشت کا زمانہ سکندر سے ۲۸۰ یا ۳۰۰ برس قبل سمجھا جاتا تھا اس حساب سے اس وقت تک تقریباً ۸۵۰ سال گزر چکے تھے ارد شیر کو خوف ہوا کہ مبادا پیشین گوئی (بظاہر اردشیر کو اس پر پورا یقین نہ تھا ورنہ وہ اس رد و بدل سے کیا امید کرسکتا تھا) عوام میں ھل چل ڈال کے اپنے آپ کو پورا نہ کردے اور اس کے خاندان کو عرصہ دراز تک حکومت کا موقع نہ مل سکے لہذا اس نے جان بوجھ کر اس مدت میں سے کوئی تین سو سال خارج کردیے اور مشہور کیا کہ ایک ہزار میں سے اس وقت تک صرف ۵۴۶ سال گزرے ھیں، اور اس کی اولاد کو ابھی ۴۳۴ سال تک اور حکومت کرنے کی گنجائش ہے؛ اور واقعہ یہ ھے کہ ساسانی دور رہا بھی اتنی ھی مدت کیونکہ آخری شاہ ساسان یزدگرد سوم ۶۵۱ - ۶۵۲ میں قتل کیا گیا۔ مسعودی نے اس تاریخ میں اس حیرت انگیز کذب آمیزی کو ایک "سیاسی و مذھبی راز" بیان کیا ھے۔ اردشیر کا اس دروغ کو فروغ دے سکنا اس امر کا ثبوت ھے کہ سرکاری کاغذات اور فن نوشت و خواند کس قدر کامل طور پر مذھب و دولت کے ھاتھ میں تھا —

ھم بیان کرچکے ھیں کہ ساسانیوں کے آغاز سے قومی" افسانہ" اصل تاریخ کی اقلیم میں قدم رکھتا ھے اور جس قدر آگے بڑھتا جاتا ھے مستقل طور پر تاریخ بنتا جاتا ھے، اگرچہ فرضی قصے

اور جھوٹے واقعات بھی آزادی کے ساتھہ اس کے دامن سے لپٹتے رہتے ھیں - چونکہ ساسانیوں کی بحث آئندہ باب کے لئے مخصوص ھے اس لئے ھم اس کو یہیں چھوڑتے ھیں اور "قومی افسانہ" کی تاریخی حیثیت اور اس کی قدامت کی بحث شروع کرتے ھیں —

قومی افسانہ کی تاریخ و قدامت

اوستا میں شاھنامے کے مشاھیر ابطال کے حوالے کافی طور پر ثابت کرتے ھیں کہ اول الذکر کی تصنیف کے وقت تک "قومی افسانہ" کے ضروری خط و خال موجود تھے - لیکن ان کی قدامت کی صرف یہی دلیل نہیں کیونکہ نولدیکی نے ثابت کیا ھے کہ یونانی مورخوں نے قدیم سلاطین عجم کے جو حالات لکھے ھیں ان میں "قومی افسانہ" کے بعض اجزا مخلوط ھیں خصوصاً مورخ تی سی آز کے صفحوں میں جو اردشیر یمنوں کا درباری طبیب تھا اور جس نے اپنی تاریخ کو یقیناً ایرانی ماخذوں سے مرتب کیا ھے - اس کے سوا "قومی افسانہ" کے یہ اجزا بار بار اعادہ کرتے ھیں اور ایک بادشاہ بلکہ ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ھوتے ھیں' مثلاً ھخامنشی خاندان کا پہلا بادشا سائی رس جب میڈیوں کے خلاف جد و جہد کر رھا تھا تو اس کی ابتدائی اور لڑکپن کی مہمیں جن حالات سے گھری ھوئی تھیں وہ ان حالات سے بغایت مشابہ ھیں جو آل ساسان کے پہلے بادشاہ اردشیر کو پارتھیوں کے مقابلے میں پیش آئے - ذیل کے قصوں میں اسی طرح کی قابل ذکر مماثلت پائی جاتی ھے، اول سیمرغ یا ھما کا (جو ان سب قصوں میں ایک عظیم شاھی پرندہ ھے) بادشاہ ھخامنشی زال

اور اردشیر کی حفاظت کے لئے نمودار ہوجانا" دوسرا بلند پایہ خاندان قارین کے دو شخصوں کا جونودر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنوں کے چنگل سے بچانے کے لئے اسی طرح بر وقت پہنچ جانا جس طرح دارائےنو پائی رس اور پیروز آخشندار کے قصے کے اشخاص پہنچتے ہیں —

(سکندر کی تاریخ میں سے جو اس کے حاجب کرس ساکن متی لینی نے لکھی تھی' گشتاسپ کے بھائی زیری ایڈریز اور شہزادی اُڈاتس کا قصہ آج تک باقی ہے اور مورخ ایتھی نی اس کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے' یہی قصہ پہلوی کی سب سے پرانی داستان یات کار زریران (صفحۂ بالا ۱۸۶) کا موضوع ہے جو ۵۰۰ عیسوی کے قریب تصنیف ہوئی تھی) یہ کتاب ضخامت میں چھوٹی لیکن اہمیت میں بیش بہا ہے اور فارسی زبان میں قدیم ترین ہے لیکن اس میں "قومی افسانہ" کے سچے اجزا پائے جاتے ہیں' اگرچہ وہ اس کے صرف ایک قصے سے بحث کرتی ہے لیکن وہ سر بسر ناظرین سے توقع کرتی ہے' وہ "قومی افسانہ" کے پورے سلسلے سے آشنا ہیں' نولڈیکی نے لکھا ہے — :

یات کار زریران

> "یا تو ہم سر تا پا دھوکے میں ہیں یا اس کتاب میں ایک بات نظر آئی ہے جس کا ظہور ہم مختلف قوموں کے تاریخی فسانوں میں بھی دیکھتے ہیں: قصے سب کو معلوم ہوتے ہیں' انکے بعض حصوں کی فصاحت و تخیل کی مدد سے

طول دیا جاتا ہے ؛ پھر حذف و تخلیط،
انتخاب و پیوند اور اصلاح و ترمیم کی
بدولت ان واقعات سے ایک مربوط اور
جامع داستان طویل پیدا کی جا سکتی
ہے۔ افسانۂ زیر کی ضروری خصوصیات
طبری کے مختصر ترجمہ عربی میں
دوبارہ نمودار ہوتی ہیں اور طبری
کا بیان شاہنامے کے بالمقابل حصے سے
تمام و کمال مطابق ہوتا ہے بلکہ بعض
مقامات پر لفظی مطابقت بھی موجود
ہے ' لہذا افسانۂ مذکور کا ماخذ عام
قدیم روایات ہیں جو " افسانۂ اعظم "
کی بنیاد میں بھری ہوئی ہیں " ––

اصلاح و ترمیم سے جیسا کہ نولدیکی خود بیان کرتا ہے
ایسی تبدیلیاں مقصود ہیں جو ایک طویل افسانے کے
مختلف قصوں کو باسلوب احسن آپس میں ضم کرنے کے لئے کی
گئیں۔ فردوسی کے شاہنامے اور اسی افسانے کی دوسری صورتوں
میں ان تبدیلیوں میں ایسے الفاظ اور خصوصیات کا حذف بھی
شامل ہے جو مسلمان ناظرین کے لئے ناگوار خاطر تھی ––

(" قومی افسانے " کے ساسانی حصے کا ایک پہلوی قصہ کارنامک
ارتخشتر پاپکان کے نام سے باقی ہے ' یہ کتاب اب شائع ہو گئی
ہے ' اصل اور اس کا جرمن ترجمہ (۱۸۹ صفحہ بالا) دونوں
متداول ہیں۔ شاہنامہ سے اس کا مقابلہ ' جو آئندہ باب میں

کیا جاے گا ' فردوسی کی دیانت کے متعلق ہماری راے بہت بلند کردیتا ہے ' اس نے اپنے ماخذوں کی ایسی اچھی طرح پیروی کی ہے کہ سر بسر واقعہ سے واقعہ ملتا چلاجاتا ہے کار نامک غالباً ۶۰۰ عیسوی کے قریب تالیف ہوئی ہوگی ' ساسان ' پاپک اور اردشیر کے بیان میں مورخ آگئے تھی اس (۵۸۰ ع) نے جو فارسی زبان میں لکھی ہوئی تاریخ بادشاہی کا حوالہ درج کیا ہے اس سے مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس دور کے پہلوی ادبیات میں " قومی افسانہ " کے کم از کم انفرادی قصے ضرور موجود تھے —

شاہنامہ کی پہلوی میں آخری نظر ثانی

تیمور کے پوتے بیسنغر (۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ ع) کے حکم سے شاہنامہ فردوسی کے شروع میں ایک مقدمہ منسلک کیا گیا تھا ' اس میں لکھا ہے کہ ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزدگرد سوم کے عہد میں (دہقان دانشور نے کیومرث سے خسرو پرویز تک (۶۲۷ ع تک) " قومی افسانہ " کا مکمل اور صحیح شدہ پہلوی متن تیار کیا تھا ' نولدیکی نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ بجاے خود اس بیان کی قیمت خواہ کچھ قرار دی جاے لیکن خسرو پرویز کے واقعہ وفات تک عرب مورخین اور شاہنامے کے بیانات کی باہمی مطابقت اور اس واقعہ کے بعد سے ان کا باہمی سخت اختلاف یہ ثابت کرتا ہے کہ اس خاص لحاظ سے مقدمہ صحیح ہے ' مزید براین اس میں قوم پرستی کا جوش اور جائز حقوق کی حمایت کا رنگ پھیلا ہوا ہے اور ان باتوں سے کافی طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ کتاب سرکاری

نگرانی اور شاہی سرپرستی میں تدوین ہوئی تھی —

اس پہلوی کتاب کا نام خداے نامہ (نامک) ہے ' حمزہ اور مؤلف فہرست جیسے عرب مصنفوں نے اس کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع نے اس کا عربی میں بھی ترجمہ کیا ' اسطرح وہ ادبیات کے عرب کے دائرہ میں عام طور پر معروف ہو گئی لیکن شومی بخت سے ابن المقفع کا ترجمہ آج ناپید ہے ؛ اسی طرح اور فارسی نثر کا وہ ترجمہ بھی ہم تک نہیں پہنچا جو (۹۵۷ - ۹۵۸) میں ابو منصور معمری نے حاکم وقت ابو منصور بن عبدالرزاق کے لئے ہرات ' سیستان ' شاپور اور طوس * کے چار زر تشتیوں سے کرایا تھا ' - فارسی کے منظوم شاہنامہ کا قالب زیادہ تر اسی کتاب سے تیار ہوا ہے ' شاہنامہ سب سے پہلے دقیقی نے سامانی شہزادہ نوح بن منصور (۹۷۶ - ۹۹۷ ع) کے لئے شروع کیا تھا لیکن عہد گشتاسپ اور ظہور زرتشت کی نسبت صرف ایک ہزار شعر لکھنے پایا تھا کہ اس کو ایک ترکی غلام نے قتل کردیا ' یہ فردوسی کی قسمت میں تھا کہ جس کام کو دقیقی نے شروع کیا تھا چند سال کے بعد وہ اس کو پورا کرے اور دقیقی کے اشعار ملا کر تقریباً ساٹھ ہزار بیتوں میں "قومی افسانہ" کا مرقع تکمیل اور خاتمہ

پہلوی شاہنامہ کے عربی اور فارسی ترجمے

---

* دیکھو آثارالباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ ' صفحہ ۱۱۹ اور ۴۵ ' "مثنوی عجم" ازنولڈیکی صفحہ ۱۴ - ۱۵

کو پہنچا دے - جدید ادبیات ایران کی بحث میں ہم دقیقی اور فردوسی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوں گے اس لئے باب ھذا میں ان کے متعلق زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں ؛ صرف اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ شاہنامہ قومی افسانہ کی آخری اور رزمیہ مثنوی کی صورت ہے—

چوتھا باب

دور ساسان (۲۲۹ - ۶۵۲ ء)

اس باب میں نہ تو یہ مناسب ہے اور نہ ممکن کہ ساسانیوں کی مفصل تاریخ بیان کی جائے لیکن ان کا زمانہ اس قدر اہم اور دلچسپ ہے کہ اس کو بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس دور کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں ملک پرانی حالت سے نکل کر نئی حالت میں داخل ہوتا ہے، مگر دونوں حالتوں سے بخوبی روشناس رہتا ہے۔ فرّ ہخامنشی کو اپنے آغوش میں لئے ہوے ہے لیکن تاریخی روشنی اُس دور سے کہیں زیادہ اِس پر پڑتی ہے اور یہ وہ روشنی ہے جس کا منبع صرف اُس زمانے کے کتبات، سکے، مہر اور ملکی مرقومات (جو عرب اور ایرانی مورخ اور افسانہ نگاروں کے ہاں محفوظ ہیں) ہی نہیں بلکہ بزنطنی، شامی، ارمنی اور یہودی تحریریں بھی ہیں۔ آل ساسان وہ فرمانروا تھےجن کو یونانیوں نے خسرو اور عربوں نے کسری (جمع اکاسرہ) کا لقب دیا تھا، جو ایران کی دولت قدیم اور زرتشت کے

" به دین " کو زندہ کرنے والے تھے اور جن کی نسبت مسعودی (۹۵۶ ع) اپنی کتاب التنبیه والاشراف کے دیباچه صفحه ۹ میں لکھتا ھے :—

" ھم اپنی اس کتاب میں ان ممالک
کے بیان پر ھی اکتفا کرتے ھیں کیو نکه
شاھان عجم کی مملکت نہایت وسیع '
ان کی حکومت نہایت قدیم اور بادشاھت
مسلسل تھی ' ان کا نظم و نسق اعلیٰ '
ان کا اصول عمل باقاعدہ اور ان کا علاقه
خوش حال تھا ' وہ اپنی رعایا کی
خبر گیری کرتے تھے اور سلاطین عالم ان
کے حلیفان اطاعت شعار تھے ' اور
ان کو خراج ادا کر تے تھے ' اسی طرح
ان کا تسلط اقلیم چہارم پر بھی تھا
جو بابل کی اقلیم اور کرۂ زمین کا وسط ھے
اور ھفت اقالیم میں سب سے عمدہ ھے "

کتاب مذکور کے صفحه ۳۷ میں ' ایک شاعر کے اشعار نقل ھیں جو مسعودی کی طرح رطب اللسان ھے ' اگر چه یه شاعر تصنیف میں عربی زبان سے کام لیتا ھے لیکن اپنے آپ کو فخریه طور پر ایران کے شاھی خاندان سے منسوب کرتا ھے ' اشعار یه ھیں :—

وقسمنا ملکنا فی دھرنا — اپنے زمانه میں ھم نے اپنی سلطنت کی تقسیم کی —

قسمة اللحم علی ظهر الوضم — جس طرح تم هڈی پر گوشت کے ٹکڑے بناتے هو

فجعلنا الشام والروم الي — یونان اور شام ان ملکوں تک

مغرب الشمس — سلم — جہاں سورج ڈوب میں غروب هوتا هے سلم کو دیا

و لطوج جعل الترک — لا — اور طوج کو ترکوں پر حکمراں بنایا جہاں

فبلاد الترک یحو یہا ابن عم — همارا ابن عم ابھی تک فرمانروائی کرتا هے

و لایران جعلنا عنوة — اور فارس کو هم نے بزور ایران کا ملک بنا دیا

فارس الملک وفزنا(ورثنا) بالنعم — جہاں سے هم کو ابھی تک برکتیں حاصل هوتی هیں ـــ

ساسانی بادشاهوں کا ربانی وجود — ذکر کیا جا چکا هے که ساسانی بادشاه اپنے آپ کو " دیوتا " یا " ربانی وجود" (پہلوی بغ ' کلدانی الاها اور یونانی تھیا س) کہتے تھے اور قدیم کیانی خاندان ان کی اولاد هونے کے علاوہ اپنے آپ ـ کو حکومت و " فر کیانی " کا جایز وارث سمجھتے تھے اور اپنا علو ' منصب هر ممکن ذریعے سے رعایا کے دلوں میں جاگزیں کرتے تھے۔ " فرکیانی " ایک طرح کا " سکینه " یا "اسمانی حق" کی ایک مادی صورت تھی اس کی وجه سے صرف آل ساسان کو عجمی تاج پہننے کا حق حاصل تھا ـ ساسانیوں کے خاندان میں اس کے منتقل هونے کی نسبت هم عنقریب ایک عجیب

روایت درج کریں گے ' یہاں سیرت رسول اللہ مرتبہ ابن هشام (مرتبہ وسٹن فیلڈ کا صفحہ ۴۲) سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنا دبدبہ کس طرح قایم رکھتے تھے —

ساسانی شکوہ

" کسریٰ (یہاں خسرو انوشیروان مراد ہے) اپنے تخت والے " ایوان عام میں جلوہ آرا ہوتا جہاں اس کا تاج تھا ' لوگ بیان کرتے ہیں کہ تاج ایک بڑے قنقل کی مانند تھا اور اس میں یاقوت زبرجد اور موتی سونے چاندی میں جڑے ہوے تھے - یہ تاج شاہی نشست گاہ کی ایک محراب سے سونے کی زنجیر کے ذریعہ لٹکتا رہتا تھا - بادشاہ کی گردن تاج کا بوجھ سہار نہ سکتی تھی اس لئے وہ کپڑوں میں لپٹ کر دیوان میں جاتا اور تاج کے نیچے بیٹھ کر جہاں اس کی نشست گاہ تھی تاج میں اپنا سر داخل کرلیا کرتا تھا - جب بادشاہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتا تو کپڑے ہٹا دئے جاتے ' جس شخص نے بادشاہ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اس کو دیکھتے ہی

مرعوب ہوکر گھٹنوں کے بل تعظیم
بجا لاتا تھا"—

"آسمانی حق" کا مسئلہ ایران میں

ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے "آسمانی حق" کا عقیدہ جس تعمیم اور شد و مد کے ساتھہ ایران میں پالا گیا ھے غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی' شاھی خاندان کے علاوہ کسی متنفس کی مجال نہ تھی کہ وہ شاھی لقب اختیار کرلیتا' اس کی جرأت زعم و شرارت کا ایک ایسا فعل سمجھا جاتا تھا جو بالاے فہم بلکہ بالاے وھم ھوتا' نولدیکی نے باغی سردار بہرام چوبین اور غاصب شہر براز کے حوالوں میں اس خیال کی تصریح* کی ھے - دنیوری نے (صفحہ ۹۸) خسرو پرویز اور اس کے معاونان بزنطینی کے مقابلے میں بہرام چوبین کی شکست و فرار کا ایک قصہ لکھا ھے جس میں خاص طور پر اس امر کا پتہ چلتا ھے کہ "آسمانی حق" کی بابت اهل ایران کا خیال کیا تھا:—

بہرام چوبین کا قصہ

"اور بہرام چوبین سر پر پاؤں رکھکر بھاگا' راستے میں اسے ایک بستی ملی یہاں وہ اُتر پڑا' اور اپنے همراھیوں مروان سینہ و یزدان گشتاسپ کے ساتھہ ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں ٹھہرا' اس کے بعد انھوں نے کچھہ کھانا

* تاریخ عہد ساسانی صفحہ ۳۸۸ اور حاشیہ ۷ صفحہ ۴۷۷ اور حاشیہ ۴ وغیرہ—

نکالا جو اُن کے ساتھہ تھا' خود کھایا
اور بچا کُچا بڑھیا کو دیدیا' پھر
شراب نکالی اور بڑھیا سے کہا' "بڑی بی
تمہارے پاس پینے کا کوئی برتن
نہیں ھے"۔ اس نے جواب دیا "ایک
چھوٹا سا گھڑا تو ھے"۔ چنانچہ وہ گھڑا
لائی' انھوں نے اس کا ایک سرا کاٹ کے
شراب کا پیالہ بنایا اور اس میں
مے نوشی شروع کردی۔ پھر کچھہ
نقل اور میوہ نکالا' اور بڑھیا سے کہا'
"بڑی بی تمہارے پاس کوئی ایسی
چیز نہیں ھے جس میں میوہ رکھکر
کھائیں"۔ بڑھیا ایک چھاج اُٹھا لائی'
جس میں انھوں نے اُلٹ دیا' بہرام نے
حکم دیا کہ بڑھیا کو بھی شراب
دی جاے' پھر بہرام بولا "کہو بڑی بی
کیا خبریں ھیں؟"۔ بڑھیا نے جواب دیا
کہ "آج کل تو یہ خبریں آرھی ھیں کہ
کسریٰ یونانی فوج کے ساتھہ بڑھا تھا
اور بہرام سے لڑا تھا' اب اس کو زیر
کرکے اپنی سلطنت پر دوبارہ مسلط
ھو گیا ھے"۔ بہرام نے پوچھا "بڑی بی
بہرام کی بابت تمہارا کیا خیال ھے"؟

بڑھیا نے کہا "بہرام احمق ہے، شاہی
خاندان سے اسے کوئی تعلق نہیں اور
پھر بادشاہی کا دعوی کرتا ہے"- بہرام
بولا "جب ہی تو وہ گھڑے میں شراب
پیتا ہے اور چھاج میں میوہ کھاتا ہے"-
یہ ایرانیوں کا ایک مقولہ ہوگیا اور
وہ اس کو ضرب المثل کے طور پر نقل
کرتے ہیں" —

بعد کے زمانے میں اس مسئلہ کا اثر

بذات خود ہم گوبی نیو کے اس خیال کو تسلیم کرتے ہیں کہ "آسمانی حق" کی تعلیم نے ایران کی تمام آئندہ تاریخ پر نہایت وسیع و وقیع اثر ڈالا (مذہب شیعہ یا علی علیہ السلام کی ہمنوائی پر ایرانیوں کا اصرار اس کی نہایت بین مثال ہے، آنحضرت کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت خیز تھا، راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر سے جو اہل عجم اس سے متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بڑی ہے کہ حضرت عمر غارت گر عجم تھے - اگر چہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے بخلاف اس کے آنحضرت کی دختر فاطمہ اور ان کے چچا زاد بھائی علی کے چھوٹے صاحبزادے حسین کی نسبت چونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انہوں نے

ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا اس لئے شیعوں کے دونوں بڑے بڑے فریق یعنی اثنا عشریہ جو آجکل ایران میں غالب ھیں اور سبعیہ یا اسماعیلوں کے باقی ائمہ نہ صرف پیغمبری بلکہ شاھی حقوق و صفات کے وارث بھی ھیں، پیغمبر عربی (رسول کریم) سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ھے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ھوتا ھے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ھوگیا، جسکی نسبت محقق گوبی نیو نے ذیل کی عبارت ('' وسط ایشیا کا مذھب و فلسفہ '' صفحہ ۲۷۵) میں اشارہ کیا ھے —

سیاست شیعی کی بنیاد

ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک نا متنازعہ فیہ مسئلہ ھے کہ صرف بنی علیؑ ھی جایز طور پر تاج و تخت کے مالک ھیں اور یہ اس دوھرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار یزدگرد کی بیٹی بی بی شہر بانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ھیں اور ادھر ملت حقہ کے سرداروں یعنے اماموں کی اولاد ھیں، بنی علیؑ کے سوا اور بادشاہ زور بازو سے بادشاہ ھیں نہ استحقاق سے اور کامل متشرع لوگ ان کو غاصب ھی سمجھتے ھیں، اور کوئی شخص اس کو سلطنت کا جایز وارث

تسلیم نہیں کرتا' ہم یہاں اس حتمی
اور قطعی رائے کے متعلق مطول گفتگو
نہیں کریں گے جسکو ہمیشہ دستورالعمل
نہیں بنایا گیا' ہم نے ایک دوسری کتاب
میں اس مسئلے پر کافی مفصل بحث
کی ہے' لیکن یہی وہ بنیاد ہے جس پر
سیاسیات بابی کی ساری عمارت تعمیر
کی گئی'' —

امام حسینؑ اور حضرت شہربانو کی یہ شادی واقعۃً ہوئی یا نہیں ہوئی لیکن صدیوں سے اہل تشیع اس کو ایک تاریخی واقعہ مانتے چلے آئے ہیں - متقدمین میں جن مصنفوں نے اس کا حوالہ دیا ہے ایک نام یعقوبی (مرتبہ ہوتسما جلد دوم صفحہ ۲۹۳) کا بھی ہے جو عربی مورخ تھا اور نویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا ہے- اس نے امام حسینؑ کی دردناک شہادت قتل کا بیان ان سطروں سے ختم کیا ہے —

,, امام حسینؑ کے صاحبزادوں میں ایک
علی اکبرؑ تھے' طف* میں شہید قتل ہوے''
انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی' ان
کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو ابو مرہ
بن عروۃ بن مسعودالثقفی کی بیٹی
تھیں' اور دوسرے علیؑ اصغرؑ جن کی

---

* یعنی عربستان کا وہ کنارہ جو سواد عراق کے متصل ہے —

والدہ یزد گرد کی بیٹی حوار*تھیں اور
جن کو امام حسینؑ غزالہ کہا کرتے تھے" -

شہر بانو فارسی تعزیوں میں

بی بی شہر بانو چوتھے سے بارھویں امام تک نو اماموں کی والدہ ہیں، ان کے ابنائے وطن آج تک ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں - ان کے نام سے ایک پہاڑ (کوہ بی بی شہر بانو) بڑی مشہور ہوگیا ہے، جو طہران سے جنوباً تین یا چار میل کے فاصلے پر ہے، یہاں مردوں کے ناپاک قدم نہیں پہنچ سکتے، اور صرف وہ مستورات جاتی ہیں جو اپنی منتوں کے لئے اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ چاہتی ہیں، اس کے سوا شہر بانو ان دلسوز اور رقت انگیز سانحہ نقاوں، تعزیوں کی خواتین میں سے ایک ہیں، جن کا تماشہ ہر سال بلاد و دیہات ایران میں اشکبار انبوہ کو دکھایا جاتا ہے - تعزیہ غائب شدن شہر بانو" ایک ڈراما (مطبوعہ طہران سنہ ۱۳۱۴ع) کا نام ہے جس کے صفحہ ۱۹ پر شہر بانو کی زبان سے یہ ادا کرایا جاتا ہے :-

ز نسل یزد جرد شہریارم — میں بادشاہ یزد گرد کی نسل
ز نوشیرواں بود اصل نژارم — اور نوشیرواں کی پشت سے ہوں
دراں وقتیے کہ بختم کامراں بود — جب کہ میرا نصیبہ زور پر تھا
بداں شہر ریم اندر مکاں بود — میں شہر رے میں تھی

---

* سوائے شہر بانو کے جو موجودہ ایرانیوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور مضمون نے ان کو اور ناموں سے بھی یاد کیا ہے مثلاً السلافہ اور شاہ زنان ہیں —

شبے رفتم بسوے قصر بابم — ایک شب کو میں اپنے باپ کے قصر میں سو رہی تھی

بیامد حضرت زہرا بخوابم — کہ حضرت فاطمہ زہرا مرے خواب میں آئیں

بگفت اے شہر بانو با صدآئیں — خواب میں آواز آئی کہ اے شہر بانو

ترا من بر حسین آرم بکابیں — میں تجھ کو حسینؑ کی عروسی میں دیتی ہوں

بگفتم من نشستہ در مدائن — میں نے کہا میں مدائن میں ہوں

حسین اندر مدینہ ہست ساکن — اور حضرت امام حسینؑ مدینہ* میں

محال ست ایں سخن فرمود زہرا — یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے حضرت زہرا نے فرمایا

حسن آید بسرداری دراینجا — حضرت امام حسنؑ مدائن پر لشکر کشی کریں گے

تو گردی اسیر اے بے قرینہ — اے بے قرینہ تو اسیر ہو گی

برندت از مدائن در مدینہ — اور تجھ کو مدائن سے مدینہ لیجائنگے

---

* مدینہ کے معنی شہر اور مدائن اسکی جمع ہے ۔ مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا، اس شہر نے جب ہجرت نبی سے مشرف پایا تو اس کا نام مدینۃ النبی یا صرف مدینہ ہوگیا، یہاں مدائن سے طیسفون مراد ہے جو کالڈیا میں ساسانیوں کا دارالحکومت تھا، عرب جغرافئین کا بیان ہے کہ مدائن اس لئے مدائن کہلاتا ہے کہ وہ سات شہروں سے ملکر بنایا گیا تھا دیکھو "فرہنگ پارس" بربرتیے میناوق ......

بفرزندم حسین پیوند سازی   تو ان کے نکاح میں آجائے گی
مرا از نسل خود خرسند سازی   اور مجکو اپنی اولاد سے خوش کرے گی
ز نسلت نو امام آید بدوران   تیری نسل سے ایسے نو امام دنیا میں آئیں گے
کہ نبود مثل شان در دار دوران   کہ جن کا نظیر صفحۂ ہستی پر کوئی نہ ہوگا

چند سطر آگے چل کر ایک مقام آتا ہے جس سے حضرت عمر کے خلاف ایرانیوں کی نفرت اور حضرت علیؑ کے ساتھ ان کی الفت اس قدر عیاں ہے کہ ہم اس کو یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے ' بہادر حضرت امام حسینؑ شہر بانو کو پنیس میں شاہانہ احترام کے ساتھ لاتے ہیں اور اس کے بعد شہزادی کی مصائب کا آغاز ہوتا ہے :—

ولے چون شد مدینہ منزل ما   لیکن جب میں مدینہ پہنچی
غم عالم فزون شد بر دل ما   تو مجھ پر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا
یکے گفتہ کہ این دختر کنیز است   ایک نے کہا کہ یہ کوئی کنیز ہے
یکے گفتہ بشہر خود عزیز است   دوسرے نے کہا نہیں اپنے وطن میں معزز ہے
بہ مسجد مرد و زن در بام محضر   مسجد میں مرد اور کوٹھوں میں عورتیں جمع ہوگئیں
مرا نزد عمر بردند مادر   اور ہماری اماں ! مجھکو لوگ حضرت عمر کے پاس لے گئے

کلامے گفت کا زو در خروشم   انھوں نے ایسے کلمے کہے کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی

بگفت این بیکساں را می فروشم   کہنے لگے ان لا وارثوں کو نیلام کروں گا

چوتھے باب کی فصیل " شہر بانو فارسی تعزیوں میں " ایک نظم پر ختم ہوتی ھے جس کے پانچویں چھٹے شعر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو " دون " " نادان " " ملعون " " غدار کہا ھے — استغفراللہ من ذالک

علی جدت چو بر آمد خروشان   لیکن پھر علی موقع پر آئے تو چلائے

بگفت لب بہ بندائے دون نادان   کہ اے دون نادان زبان بند کر!

نہ شاید برون ای ملعون غدار   اے ملعون غدار یہ منا سب نہیں کہ

بزرگان را سر عریاں بہ بازار   شریف زادیوں کو بے پردا کر کے بازار میں کھڑا کیا جاے

پس ازان خواری اے نوردو عینم   اے میری آنکھوں کے نور اس ذلت کے بعد

بہ بخشیدند بر بابت حسینم   انھوں نے مجھہ کو تیرے باپ حضرت حسینؑ کے حوالہ کردیا

حسین کردہ وصیت برمن زار   امام حسینؑ نے مجھہ کو وصیت کی

نہ مانم درمیان آل اطہار   کہ میرے بعد آل اطہر کے درمیان تمھارا رھنا ٹھیک نہیں

گو مانم اسیر و خوار گردم   ورنہ ذلت اور اسیری کا منہ دیکھنا پڑیگا

برهنه سر بهر بازار گردم — سر کھلا ہو گا اور ماری ماری پھرو گی

توچون هستی امام وشهر یارم — اب تم ہی میرے لئے امام ہو اور میرے سر تاج ہو

بدست تست مادر اختیارم — اے اماں میں اپنا اختیار آپ کو دیتی ہوں

اگر گوئی روم دردت بجانم — میں تم پر قربان! اگر تم کہوتو میں چلی جاؤں

صلاحم گر نمیدانی بمانم — اگر تم اس میں میری بہتری نہیں سمجھتے تو پھر میں یہیں رہ جاو نگی

ساسانیوں کے نسبت ان کی عسیائی رعایا اور معاصرین کی راے

عہد ساسان کی تصویر عیسائیوں خاصکر سریانی مصنفوں نے نسبتاً تاریک تر دکھائی ہے - سریانی ماخذوں کی نسبت نولدیکی کا یہ بیان ہے کہ اس کو اکثر مستشرقین نے کافی طور پر استعمال نہیں کیا ، تاہم تاریخ ایران کے مطالعہ کرنے والوں کو جو راقم کے مثل سریانی سے نا بلد ہیں اور اصل متون تک نہیں پہنچ سکتے دو کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے ان میں سے ایک کتاب تاریخ نیوشع اسطوانی * کی ہے

---

* اس کا متن و ترجمہ ڈاکٹر ڈبلیو رائٹ نے سنہ ۱۸۸۲ ؁ء میں کیمبرج سے شایع کیا ہے

سنہ ۵۰۷ ع میں لکھی گئی تھی اس میں ایرانیوں کے اس حملے کا حال قلمبند ہے جو قباد نے ایشیائے کوچک پر کیا تھا، اور مخصوص طور پر اہا لیان " رہاو آمد " (جن کو اب عرفہ و دیار بکر کہتے ہیں) کی وہ مصائب درج ہیں جو شروع ۶۰۰ ع میں ان پر نازل ہوئی تھیں، دوسری کتاب کا نام " اعمال شہدائے عجم * " ہے، جارج ہافت مان نے اس کو مختلف سریانی مخطوطات کے اقتباسوں سے مرتب کیا ہے اور جرمن میں ترجمہ کر کے اس کے ساتھ نہایت فاضلانہ حواشی لگائے ہیں، ان دونوں کتابوں میں مذہبی و سیاسی وجوہ سے ایرانیوں کی تصویر قدرتاً بد نما کھینچی گئی ہے، لیکن کم از کم تاریخ " نیوشع " کے پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایرانیوں نے اپنے عیسائی دشمنوں کی نسبت زیادہ تشدد و غداری سے کام لیا ہو، چونکہ مصنف نے کتاب کو حملہ کے دو تین سال بعد لکھا تھا اور دوران جنگ میں اس کا وطن بھی برباد کردیا گیا تھا اس لئے یہ بالکل قدرتی امر ہے کہ وہ ایرانیوں کو کہیں کہیں ان الفاظ سے یاد کرتا ہے :—

" اس شریر قوم کا سرمایہ مسرت
اس بات سے خوب واضح ہو جائے گا
کہ انھوں نے ان شخصوں پر بھی
رحم نہ کیا، جو اُن کے حوالے کر دئے

---

* اقتباسات از اعمال شہدائے عجم بزبان سریانی مرتبہ گیورگ ہوف مان (لیپزگی سنہ ۱۸۸۰)

گئے ' سبب یہ ھے کہ وہ بنی آدم
کی تکالیف پر خوشیاں منانے کے
عادی ھیں " —

مذھبی تعصب کی مثالیں

عیسائی اور زرتشتیوں کے قالب مذھبی تعصب سے ھر وقت مشتعل رھتے تھے ' اور رواداری کے نقطۂ نگاہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح نہ تھی ایک شخص کے فضائل اخلاق ' اور رذائل طبع کے تعین میں جس حد تک اس کے مذھب کو دخل تھا ' اس کی عمدہ مثال " یزد گرد اول " (۳۹۹ - ۴۲۰ ') کے حالات کے مقابلے سے ملتی ھے ' اس کے حالات ایک طرف تو عرب مورخوں نے پہلوی خدائے نامہ سے جو مجوسیوں کے (یزدگرد الاثیم) کے زیر اثر قلمبند ھوا تھا مرتب کئے ھیں ' دوسری طرف ایک سریانی عیسائی مصنف نے جو یزدگرد کا ھم دور تھا اس کی خصلت کا خاکہ کھینچا ھے ' اول الذکر نے اسکو گناہگار (فارسی ' بزہگر - عربی ' الاثیم) کا لقب عطا کیا ' اور اس کی شرارت نفس ' ضد و جہالت اور وحشت و سفاکی حد بشری سے آگے بڑھا دی ھے " اور عیسائی مصنف نے اسکی نسبت یہ الفاظ کہے ھیں :—

" نیک و رحم دل عیسائی بادشاہ
یزدگرد ' برکت مآب سلاطین ! وہ
برکتوں سے یاد کیا جائے اور اس
کا مستقبل اوائل زندگی سے بہتر
ثابت ھو ' وہ ھر روز غریبوں

اور مصیبت زدوں کے ساتھہ بھلائی کرتا ہے * " —

اسی طرح خسرو اول کو نوشیروان (انوشک ربان - لافانی روح والا)

نوشیروان " عادل " ۵۳۱ - ۵۷۸ ع

کا خطاب ملا اور اب تک وہ اس ہی نام سے یاد کیا جاتا ہے ، گویا کہ وہ سلطانی شمائل اور عدل و انصاف کا مجسم نمونہ تھا ، کیوں ؟ اس لئے کہ اس نے مزدک اشتراکی کی بدعتوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا ، اور مطابق اعتدال و نرمی سے کام نہیں لیا ، اور یہی ایک وصف تھا جو مجوسی موبدون کی نظر میں اس کے " لافانی " ہونے کا کافی سبب تھا ، موبدون کی قدر دانی نے اس کا رتبہ یہاں تک بڑھا دیا کہ شیخ سعدی جو ایک جوشیلے مسلمان تھے ، کہتے ہیں :—

زندہ است نام فرخ نوشیروان بعدل
گر چہ بسے گذشت کہ نو شیروان نماند

عیسائیوں کی نسبت نو شیروان کا خیال

دنیوری صفحہ ۷۳ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نو شیروان کو عیسائیوں سے بھی بدرجہ غائت تنفر تھا ، جب اُس کا بیٹا انوش زادہ اپنی عیسای ماں کے عیسائی مذھب میں داخل ھوا ، اور باپ کے خلاف بغاوت کر بیٹھا ، تو نوشیروان نے " طیبون " کے ایرانی گورنر کو جواباً ھدایت کی کہ " اسے عیسائیوں کے کثیر غول سے ھراسان نہ ھونا چاھئیے ، کیونکہ ان میں باقی رھنے والی شوکت نہیں ھے اور حقیقت میں وہ زندہ

* " ساسانی " از نولڈیکی صفحہ ۷۱ نوٹ ۳ وغیرہ —

نہیں رہ سکتے ' جب کہ ان کے مذہب میں لکھا ہے کہ " اگر کسی عیسائی کے بائیں گال پر طمانچہ رسید کیا جاے تو اسے چاھئے کہ وہ اپنا دایاں گال بھی پیش کردے "—

اس باب کا مبحث اور اس کا خاکہ

اب هم اس باب کا موضوع بیان کرتے ھیں' چونکہ اس دور کے بعض تاریخی حالات کے سوا زیادہ قلم فرسائی هم نہیں کر سکتے اس لئے هم اپنی توجہ خاص طور پر اس دور کی ابتدا و انتہا تک محدود رکھینگے ' ابتدائی دور کو جس میں زیادہ تر قصص و روایات شامل ھیں ' هم اس لئے زیر بحث لاینگے کہ اس کے ذریعے سے ھمیں" شاهنامہ " فردوسی کے بعض قصوں کو پہلوي کے کارنامک ارتخشتر پاپکان کے مرادف قصوں سے مقابلہ کرنے کا موقعہ ملے ' انتہائی دور کے بیان کی وجہ یہ ھے کہ اس کو عربی فتوحات سے بے حد قریب کا تعلق ھے ' اور عربی فتوحات ایران کے جدید یا اسلامی عہد کا سرچشمہ ھیں ' علاوہ ازیں ساسانی دور کے اواخر میں دو مذھبی تحریکیں ' جن کا تعلق مانی اور مزدک ' کے مشہور ناموں سے ھے ' پیدا ھوتیں اور کسی قدر توجہ کی مستحق ھیں (یہ تحریک اس فکر فلسفیانہ کی قدیم مثالیں ھیں' جو ایرانیوں کا خاص حصہ ھے ' کیونکہ انھوں نے مذھب میں جتنی بدعتی پیدا کئے غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں

---

* آثارالباقیہ البیرونی ' مترجمہ ساشو (لندن سنہ ۱۸۷۹) صفحہ ۱۲۱ —

جتنے بدعتی پیدا کئے ' غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں سے پہلا جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ھے * آخری حکمران پارتھیہ اردوان (ارتبانس) کے عہد میں پیدا ھوا تھا ' اور آل ساسان کے بانی اردشیر کا معاصر تھا ' دوسرے کی نسبت مسطور ھوچکا ھے کہ سنہ ۵۲۸ یا ۵۲۹ ' میں نوشیروان نے اس کو قتل کرایا تھا اور یہ وہ زمانہ ھے جب کہ ساسانی اقبال کا ستارہ آسمان عروج پر تھا' گو کہ اس زوال کی ابتدائی علامات بھی دکھائی دینے لگی تھیں - اس باب کے چارعنوان بالفاظ ذیل پیدا ھوتے ھیں :—

۱ - اردشیر کا افسانہ اور خاندان ساسان کی ابتدا -
۲ - مانی اور تعلیم مانی -
۳ - نوشیروان اور مزدک -
۴ - آل ساسان کے آخری ایام -

(۱)

اردشیر کا افسانہ

اس افسانے کے ممتاز قصے جس ترکیب سے پہلوی کارنامک اور شاھنامے میں درج ھیں بجنسہ اس مقام پر نقل کئے جاتے ھیں' اس وقت کارنامک (کا نفیس جرمن ترجمہ از قلم نولدیکی

---

* آثار الباقیہ البیرونی' مترجمہ سخاو (لندن سنہ ۱۸۷۹ء) صفحہ ۱۲۱ —

طبع علحدہ * صفحہ ۲۱ تا ۷۹ جس کا مقدمہ ۲۲ سے ۳۴ صفحہ تک چلا جاتا ھے) اور شاہ نامہ (میکن مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحات ۱۳۶۵ تا ۱۴۱۹) ھمارے سامنے موجود ھے -

(۱) ساسان نے جو بہمن دراز دست (لونگی سے نس' دیکھو گزشتہ صفحہ ...) کی پانچویں پشت میں تھا' شہزادہ پارس پاپک (بابک) کے پاس شبانی کی خدمت اختیار کی ' پاپک کو خواب میں آگاھی ھوئی کہ ساسان شاھی نسل سے ھے تو اس نے ساسان کو اعلی عہدہ پر ممتاز کیا اور اپنی بیٹی کو اس کے عقد میں دیدیا - اردشیر اسی رشتہ مناکحت سے پیدا ھوا ' (کار نامک † صفحہ ۳۶ : ۳۸ شاہ نامہ صفحہ ۱۳۶۵) —

(۲) پاپک نے اردشیر کو گود لے لیا' جب وہ ھوشیار ھوا تو اس کی شجاعت و فطانت اور فروسیت کا شہرہ پارتھیا کے آخری

---

* یہ ترجمہ در اصل ایک مجموعۂ مضامین میں چھپا تھا جو پروفیسر نیلڈی کو ڈاکٹر کی ڈگری ملنے کی پندرھویں سالگرہ پر ان کے احباب نے ان کو پیش کیا تھا ' پھر گوٹنجن سے ترجمے کے صفحات جو مجموعے میں ۲۱ سے ۷۹ تک تھے سنہ ۱۸۷۹ع ' میں مستقل رسالہ کی صورت میں شایع کئے گئے -

† ان حوالوں کے لئے دیکھو —

صفحہ ۵ و بعد' کارنامک کا ترجمہ انگریزی حاصل المتن مرتبہ " داراب دستور شہرتھی سنجانا " (بمبئی سنہ ۱۸۹۶ع) شاہ نامہ کے اقتباسات بھی اسی کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ھیں —

بادشاہ اردوان کے کانوں تک پہنچا - اردوان نے اس کو دارالحکومت رے میں بلا بھیجا اور عزت و احترام کے ساتھہ دربار میں جگہ دی ' ایک دن شکار میں اردشیر نے کوئی اعلی نشانہ سرکیا مگر اس کا مدعی اردوان کا ایک بیٹا بن گیا' ارد شیر نے اس کو جھٹلایا تو اردوان کو غصہ آیا اور اُسے ذلت و رسوائی کے ساتھہ شاہی اصطبل میں کام کرنے کو بھیجدیا - (کارنامک صفحہ ۳۸ تا ۴۱؛ شاھنامہ (۱۳۶۹)—

۳ - ایک حسین و دانشمند لڑکی نے جو اردوان کی محرم راز تھی ' اردشیر پر ترس کھایا اور دو تیز گھوڑے مہیا کرکے ارد شیر کے ساتھہ پارس کا رخ کیا' اردوان بھی ان کے تعاقب میں چلا مگر جب اسکو معلوم ہوا کہ "فرّکیانی" ایک نفیس مینڈھے (شاھنامے میں اسے غرّم لکھا ھے) کی شکل میں ارد شیر کے ساتھہ گھوڑے پر سوار جارھی ھے تو اس نے تعاقب سے ھات کھینچا اور واپس چلا آیا (کارنامک ۴۱ تا ۴۶ شاھنامہ ۱۳۷۰)—

۴ - اردشیر نے پارتھیوں وغیرہ سے جنگ کی اور اردوان کو مع اس کے بیٹے کے شکست دی مگر کردوں کے مقابلے میں خود شکست کھاتا ھے (کارنامک ۴۶ تا ۴۹؛ شاھنامہ ۱۳۷۴)—

۵ - داستان ھفتان بوخت (ھفتواد) اور کرمان کے ھیبت ناک کرم کی سرگزشت جس میں مثھرک (مہرک) کی لڑائی بھی شامل ھے (کارنامک ۴۹ تا ۵۷؛ شاھنامہ ۱۳۸۱) —

۶ - اردوان کس طرح اپنی بیٹی کو جو اردشیر کے عقد میں آئی تھی سزاے موت کا حکم دیتا ھے' اور وہ کس طرح موبد اعلی کی (جس کو طبری نے ابرسام لکھا ھے) اعانت سے بچ جاتی ھے-

پھر کس طرح اس لڑکی کے بطن سے شاہ پور (شاہ پُہر یعنی شاہ زادہ) پیدا ہوتا ہے اور کس طرح ارد شیر اس کو پہچان لیتا ہے (کارنامک ۵۷ تا ۶۳؛ شاہ نامہ ۱۳۹۲) —

۷ - ارد شیر کو جب ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اس کے خاندان میں رہے گا یا اس کے دشمن مہرک کے خاندان میں، تو وہ آخرالذکر کی بیخ کنی کے درپے ہوتا ہے۔ مہرک کی ایک لڑکی جنگ کے مشغلوں سے بچ کر دہقان کے گھر میں پرورش پاتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتی ہے تو شاہ پور اس کے دام محبت میں پھنستا ہے، شادی کے بعد "ہرمزد" پیدا ہوتا ہے، مگر شادی اور لڑکے کی پیدائش دونوں کو اپنے باپ ارد شیر سے چھپاتا ہے۔ آخرش "ہرمزد" سات برس کی عمر میں چوگان بازی کے لئے میدان میں اترتا ہے اور اس کی دلیری کے سبب سے اس کا دادا ارد شیر اس کو شناخت کر لیتا ہے (کارنامک ۶۴ تا ۶۸؛ شاہنامہ ۱۳۹۷) —

جس شخص نے کارنامک اور شاہنامے کے ان اجزا کو پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھا ہوگا وہ اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا ہوگا کہ شاہنامے میں کارنامک کا نہ صرف بڑے بڑے واقعات میں کامل طور پر اتباع کیا گیا ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کے نقش قدم پر چلا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ہم پہلوی داستان زریر (یات کار زریران - مترجمہ گائگر بزبان جرمن) اور شاہنامے کے بیانات کو مقابلے کر کے دیکھیں تو ہماری اس رائے کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ فردوسی نے نہایت پابندی کے ساتھ اصلی قدیم افسانوں کی اتباع کی ہے۔

محض ایک اتفاقیہ بات ہے کہ ہم اصل کے ذریعے سے ان بیانات
کی تنقیح کرسکتے ہیں' لیکن جن مقامات کی اصل موجود
نہیں ہے اور تنقیح ہمارے اختیار سے باہر ہے ان کی نسبت ہم
آسانی کے ساتھہ فرض کرسکتے ہیں کہ فردوسی نے ان میں بھی
اپنے قلب صداقت شعار کی تعمیل کی ہوگی اور قدیم روایتوں
کو اپنے قلم کی تحریف و تصرت کی ہوا نہ لگنے دی ہوگی -
ہمیں طوالت کا خیال ہے اس لئے ہم افسانۂ اردشیر کے صرف
ایک یا دو واقعات کے مقابلے پر بس کرتے ہیں اور پہلے اردشیر
کی پیدایش کا حال لکھتے ہیں —

کارنامک

" اسکندر رومی کی وفات کے بعد ایران
میں ۲۴۰ کتخدا (ملوک طوائف) تھے
ان میں سب سے بڑا شہزادہ " اردوان "
تھا ' جو سپاہان' پارس اور نواح کے
اضلاع کا مالک تھا' شہریار پاپک مرزبان
فارس تھا اور اردبان نے اسے مرزبان
مقرر کیا تھا ' اردوان ' استخر میں
رہتا تھا ' اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا جو
اس کا نام زندہ رکھتا ' ساسان پاپک کا
شبان تھا اور ہمیشہ اپنے مویشیوں میں
اپنی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ

دارا ابن دارا کی نسل سے تھا ' سکندر*
کے ناپاک عہد میں وطن چھوڑ کر کرد
قوم کے شبانوں میں جا بسا تھا ۔ پاپک کو
معلوم نہ تھا کہ ساسان کا تخم دارا † '
دارا سے تھا - ایک رات پاپک نے خواب
میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج
چمک رہا ہے ' اور اس سے تمام عالم
روشن ہوگیا ہے ' دوسری شب کو پاپک
نے پھر خواب دیکھا کہ ' ساسان ایک
سفید آراستہ ہاتھی پر سوار ہے اور
کشور کی تمام خلقت اس کے گرد و پیش
جمع ہے ' اس کو آداب و کورنش کرتی
ہے ' اور ستایش و آفرین کہتی ہے -
تیسری شب اس نے دیکھا کہ تینوں
قسم کی (مقدس) آگ یعنی فروباگ ‡
گشسپ اور متھر $ ساسان کے مکان میں
شعلوں سے بلند ہورہی ہے اور اس نے
سارے عالم کو منور کردیا ہے یہ دیکھ کر

---

* پہلوی دشخدائی اسکندریہ —
† سدجانا ' داراب دارایان —
‡ قولۂ یکی فرو با —
$ پہلوی متن میں برزین متھرا —

پاپک کو بڑی حیرت ہوئی اور اُس
نے داناوں اور معبروں کو طلب کر کے
تینوں رات جو کچھہ دیکھا تھا ان کو
کہہ سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی -
معبروں نے کہا '' یا تو خود وہ شخص
جس کی نسبت تونے خواب دیکھے ہیں
یا اُس کی اولاد میں سے ایک جہاں کی
پادشاہی پائے گا، کیونکہ خورشید اور
پیل سپید آراستہ چیرگی اور توان
وفیروزی* کی دلیل ہیں، اورآذرفروباگ†
علمائے موبدان کی دین دانائی کا
پتہ دیتی ہے ، اسی طرح آذر گشسپ
پہلوانوں اور سپہبدوں پر اور آذر
برزین مترا، جہان کے کاشتکاروں اور
برز گیروں پر دلالت کرتی ہے، پس تاج
شاہی یا تو اس شخص کے سر پر رکھا
جائے گا یا اس کی اولاد میں کسی
ایک کے سر پر ''- جب پاپکان یہ تعبیر
سن چکا تو اس نے معبروں کو رخصت
کیا اور ساسان کو طلب کر کے دریافت

---

* متن سنجانا میں واؤ نہیں ہے ---
† نولدیکی فرو با ---

کیا " تو کس خاندان اور کس نسل سے
ہے ' کیا تیرے باپ داداؤں میں کوئی
حاکم یا بادشاہ ہوا ہے ؟ " - اس پر
ساسان نے زنہار خواہی کی اور کہا کہ
" مجھے گزند و زیاں سے امان ملے " -
پاپک نے اسے منظور کیا ؛ اس پر ساسان
نے سارا بھید کھول دیا ' اور بتاتا ہے
کہ وہ کون ہے - پاپک خوش ہوا اور کہا
" میں * تیرا مرتبہ بڑھاونگا " - پھر
پادشاہ نے خلعت فاخرہ طلب کی اور
ساسان سے کہا اس کو پہن لے ' ساسان
نے اس کی تعمیل کی ' اس کے بعد وہ
چند روز تک پاپک کے حکم سے عمدہ
اور مناسب غذائیں کھاتا رہا ' تاکہ
اس کے بدن میں قوت پیدا ہو پھر
پاپک نے اپنی لڑکی کے ساتھ اس کی
شادی کردی اور جب وقت آیا تو لڑکی
حاملہ ہوئی اور اس سے ارتخشیر
پیدا ہوا " —

---

* سنجانا نے متن کو جس طرح پڑھا ہے وہ فارسی میں یوں ہے " تن بہ افزوں کن " یعنے بقول سنجانا اپنے تن کو (غسل سے) بلند کر - شاہ نامہ میں ہے " بہ گرما بہ شو " —

شاهنامه

(مرتبہ میکن، جلد سوم، صفحہ ۱۳۶۵ تا ۱۳۶۷)

چو دارا به رزم اندرون کشته شد — جب دارا لڑائی میں مارا گیا تو
همه دوده را روز برگشته شد — تمام خاندان کا نصیبہ پلٹ گیا
پسر بد ورا در یکی شاد کام — دارا کا ایک خوش نصیب بیٹا تھا
خردمند و جنگی و ساسان نیام — خردمند تھا اور پہلوان، نام اُس کا ساسان تھا۔

پدر را به آن گوشه چون کشته دید — جب اس نے باپ کو اس طرح
سر بخت ایرانیان گشته دید — مرتے اور ایرانیوں کی قسمت کا ستارہ اس طرح ڈوبتے دیکھا

ازان لشکر روم بگریخت روی — تو یونانیوں کے ہاتھ سے
بدام بلا در نیاویخت روی — بچ نکلا اور ان کے دام بلا میں نہ پھنسا
بهندوستان در بزاری بمرد — گرفتار ہوا پھر ہندوستان
زساسان یکی کودکی ماند خورد — پہنچ کر وہیں مر گیا اور ایک
برین هم نشان تا چهارم پسر — خورد سال لڑکا چھوڑتا گیا
همین نام ساسانش کردے پدر — اُس کا نام بھی ساسان ہی تھا اور یہ نام چار نسلوں تک باپ سے بیٹے کو پہنچتا رہا

شبانان بدندی دگر ساردان — یہ لوگ شبانی اور
همه ساله با رنج و کار گران — ساربانی کرتے اور زندگی رنج و مشقت سے کاٹتے تھے

چوں کہتر پسر سوی پاپک رسید	اس نسل کا آخر لڑکا جب پاپک
بدشت آمد و سرشبان را بدید	کی طرف چلا تو جنگل میں گڈریوں کے سردار کو آملا
بدو گفت مزدورت آید بکار	اور اس سے کہا کیا تجھہ کو
که ایدر گزارد به بد روزگار	کسی نوکری کی ضرورت ہے میں موجود ہوں اور یہاں تکلیف کے ساتھہ بھی بسر کرنے کو تیار ہوں
بپذرفت بدبخت را سرشبان	سرشبان نے اُس کو نوکر رکھہ لیا
همی داشت با رنج روز و شبان	شبانہ روز اس سے سخت محنت لینے لگا
چو شد کار گر مرد آمد پسند	آدمی کام کرنے والا ہو تو پسند
شبان سرشبان گشت بر گوسپند	آتا ہی ہے وہ شبان بکریوں کا سرشبان بن گیا
شبی خفته بد بابک رود یاب	ایک شب کا ذکر ہے کہ بابک
چنان دید روشن روانش بخواب	سو رہا تھا اور اس کی روشن روح نے خواب میں دیکھا
که ساسان به پیل ژیان بر نشست	کہ ساسان ایک فیل مست پر
گرفته یکی تیغ هندی به دست	سوار اور اس کے ہاتھہ میں ایک ہندی تلوار ہے
هر آنکس که آمد بر او فراز	جو شخص اس کے پاس آتا ہے
برو آفرین کرد و بردش نماز	اس کی تعظیم بجا لاتا ہے اور اس کی صفت و ثنا کرتا ہے

زباں را بخوبی بیا راستی
دل تیرہ از غم بہ پیراستی

ساسان نے اپنی دانائی اور عدل و انصاف سے دنیا کو آراستہ اور غمگین دلوں کو غم سے خالی کردیا ہے

بدیگر شب اندر چوں بابک بخفت
ہمی بود مغزش بہ اندیشہ جفت

دوسرے دن شب کو جب بابک پھر سونے لگا تو اس کے دل و دماغ پر ایک قسم کی فکر طاری ہوئی

چناں دید درخواب کاتش پرست
سہ آتش فروزاں ببردے بدست

اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک دستور تین قسم کی آگ کو ہاتھہ میں لئے جاتا ہے

چو آذر گشسپ و چو خراد و مہر*
فروزاں چو بہرام و ناہید و مہر

یہ آگ آذر گشسپ تھی، خراد تھی اور مہر تھی اور بہرام و ناہید و آفتاب کی مانند روشن تھیں

ہمہ پیش ساساں فروزاں بدی
بہر آتشی عود سوزاں بدی

سب ساسان کے سامنے شعلے اُگل رہی تھیں اور ہر آگ میں عود لکڑی جل رہی تھی

سر بابک از خواب بیدار شد
رواں و دلش پر ز تیمار شد

جب بابک نیند سے ہوشیار ہوا تو اس کا دل صدمے سے بیٹھا جاتا تھا

---

* ان تینوں آذرہاے مقدسہ ۳ نسبت نولدیکی کے ترجمۂ کارنامک میں صفحہ ۳۷ اور نوٹ (۳) دیکھو۔ فروبا، فرونگ کی بجاے فردوسی نے لفظ خراد استعمال کیا ہے

کسانی که در خواب دانا بدند
بدان دانش اندر توانا بدند

وہ لوگ جو تعبیر خواب میں مشق رکھتے تھے اور ان امور میں صاحب فہم و ذکا تھے

بایوان بابک شدند انجمن
بزرگان فرزانۂ و رای زن

بابک کے محل میں دانشمند بزرگ اور اہل راے جمع ہوے

چو بابک سخن برکشاد از نہفت
همه خواب یکسر بدیشان بگفت

ان لوگوں سے بابک نے دل کی بات کہی یعنے خواب کا ماجرا کہہ سنایا

پر اندیشه شد زان سخن رهنمای
نهاده به و گوش پاسخ سرای

خواب سنتے سنتے یہ لوگ غور میں ڈوب گئے اور ساتھ کے ساتھ جواب بھی سونچتے جاتے تھے

سرانجام گفت ای سرافراز شاه
بتاویل این کرد باید نگاه

آخرکار انھوں نے کہا اے بادشاہ عالیجاہ اب خواب کے معنوں پر متوجہ ہو

کسے راکه تو دیدی زینسان بخواب
بشاهی برآرد سر از آفتاب

جس شخص کو تو نے خواب میں دیکھا ہے وہ شاہی تخت پر جلوہ آرا ہوگا

گر ایدون که این خواب از و بگذرد
پسر باشدش کز جہاں بر خورد

اگر اس کو تاج و تخت نہ ملا تو اس کے بیٹے کو ملے گا

چو بابک شنید این سخن گشت شاد
بر اندازه شان یک بیک هدیه داد

جب بابک نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور ہر ایک کو انعام دے کر رخصت کیا

بفرمود تا سر شبان از رمہ بر بابک آمد بروز دمہ	پھر بابک نے حکم دیا کہ سرشبان کو گلے سے لاؤ گڈریہ موسم کی تکلیف اٹھاتا ہوا حاضر ہوا
بیامد دمان پیش او با گلیم پر از برف پشمین* و دل پر ز بیم	وہ دوڑتا ہوا شاہ کے حضور میں اس طرح آیا کہ اس کی اونی گدڑی برف سے اور دل خوف سے بھرا ہوا تھا
بپرداخت بابک ز بیگانہ جاے بدر شد پرستندہ و رہنماے	بادشاہ نے اجنبی لوگوں سے دربار کو خالی کیا اسی طرح جاں نثار اور مشیروں میں سے کوئی نہ رہا
ز ساسان بپرسید و بنواختش بر خویش نزدیک بنشاختش	ساسان کا حال پوچھا اور اسے نوازا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا
بپرسیدش از گوہر و از نژاد شبان زو بترسید و پاسخ نداد	اس سے پوچھا کہ تیری اصل و نسل کیا ہے گڈریہ سہم گیا اور اس نے کچھ جواب نہ دیا
ازاں پس بدو گفت کاے شہریار شبان را بجان گر دہی زینہار	اس کے بعد اس نے کہا کہ اے بادشاہ اگر تو میری جان بخشی کرے

---

* نولڈیکی (ترجمہ کارنامک، صفحہ ۲۶) نے اس کو خوش بیانی کی ایک خاص مثال قرار دیا ہے - اور لکھا ہے کہ فردوسی نے پہلوی اصل کے مختصر اور خشک بیان میں ان الفاظ سے رنگینی اور جان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے —

بگویم ز گوهر همه هرچه هست
چو دستم به پیماں بگیری* بدست

تو میں تجھ کو سارا حال سناؤں گا مگر شرط بھی ہے کہ تو مرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور پختہ وعدہ کرے

که بامن نه سازي بدي در جهاں
نه در آشکار و نه اندر نهاں

کہ تو میرے ساتھ کبھی کوئی برائی نہ کرے گا نہ علانیہ اور نہ در پردہ

چوں بشنید بابک زباں بر کشاد
ز یزداں نیکی دهش کرد یاد

بابک نے یہ سنا تو خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا

که بر تو نسازم بچیزے گزند
بداوست شاداں دل و ارجمند

کہ میں تجھ کو ذرہ برابر گزند نہ پہونچاؤں گا اور تجھ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھوں گا

وبابک چنیں گفت ازاں پس جواں
که من پور ساسانم اے پہلواں

اس کے بعد اس نوجوان نے بابک سے کہا کہ میں ساسان کی اولاد سے ہوں

نبیره جہاندار شاہ اردشیر
که بہمنش خواندی همی یادگیر

جہاں کے بادشاہ اردشیر کا پوتا ہوں وہی اردشیر جس کا دوسرا نام بہمن تھا

---

* ساسانیوں کے شجرہ نسب کا " محافظ زرتشت اور اول " حامی و معین مذہب زرتشت " شاہ گشتاسپ (وشتاسپ) تک پتہ لگانا مقاصد تصنیف کا ایک رکن ہے - اس خاندان کے افراد کو قدیم ایرانی بادشاہوں کے جائز اور بلا واسطہ جانشین " بہ دین " کا " ارثاً " ناصر و معین قرار دینا اس کا مطمح نظر ہے —

سر افراز پور یل اسفندیار ز گشتاسپ* اندر جہاں یادگار	اور پہلوان اسفندیار کی نسل سے تھا جو خود گشتاسپ کی یادگار تھا
چو بشنید بابک فرو ریخت آب ازاں چشم روشن کداو دیدہ خواب	بابک نے یہ سنا تو اس کی آنکھہ سے آنسو ٹپک پڑے جس نے خواب دیکھا تھا
بیاورد پس جامۂ پہلوی یکے اسپ با آلتِ خسروی	اس کے بعد بابک ایک شاہی لباس نکال لایا اور ایک گھوڑا بھی جس پر شاہی زین تھا آیا
بدو گفت بابک بہ گرما بہ شو ھمی باش تا خلعت آرند تو	گڈریے کو حکم دیا کہ وہ حمام میں جاے اور لباس آنے تک وھیں رھے
یکے کاخ پرمایہ او را بساخت ازاں سر شبانی سرش برفراخت	پھر اس کے لئے ایک بڑا محل تیار کوایا اور سر شبانی سے اس کو بلند مرتبہ پر پھونچایا
چو اورا بداں کاخ در جاے کرد غلام و پرستندہ بر پاے کرد	جب شاہ نے ساسان کو محل میں پھونچایا دیا تو وھاں غلام اور نوکروں کو مقرر کیا
بہر آلتی سرفرازیش داد ھہ از خواستہ بی نیازیش داد	اس کو ھر قسم کا سامان مہیا کیا اور مال و زر سے بے نیاز کردیا

---

† پیماں بدست گیری ’’کی نسبت دیکھو دینکیرد‘ فرد گرد چہارم‘ پنجم ۰ ۲ (دارم شتشتر کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ ایس۰ بی ۰ ای کی جلد اول صفحہ ۳۵ پر ۰)

بدو داد پس دختر خویش را — سب سے آخر میں اسے اپنی لڑکی
پسندیدہ وافر خویش را — دی جو اس کے لئیے سر مایہ ناز تھی

چون نو ماہ بگذشت از ین خوب چہر — جب اس مہتاب رخ کو نو مہینے
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر — گزر گئے تو آفتاب کے مثل ایک لڑکا پیدا ہوا

بمانندۂ نامدار اردشیر — جو اردشیر نامدار کا ہم شکل تھا
فرآئندہ و فرخ و دل پذیر — فرخ و دل پذیر اور ترقی کرنے والا

ہماں اردشیرش پدر کرد نام — باپ نے اس کا نام اردشیر رکھا
کہ باشد پدیدار او شاد کام — تا کہ اس کو دیکھہ کر خوش ہوا کرے

دوسرا قصہ جو ہم نقل کرنا چاہتے ہیں وہ اردشیر کی فراری کی بابت ہوگا جب کہ وہ اردوان کے دربار بمقام رے سے پارس چلا گیا ' اس کے ساتھہ وہ خوب صورت اور عقیل لڑکی بھی تھی جو فردوسی کے اشعار میں گلنار کے نام سے مذکور ہوئی ہے اور جو اب تک اردوان کے مشیر و صلاح کار کی حیثیت رکھتی تھی لیکن اب اردشیر کی محبت سے مغلوب ہوکر اس کی شریک قسمت بن گئی تھی —

کارنامک *

" اردوان فوراً چار ہزار آدمیوں کو مسلح کر کے ارتخشیر کے تعاقب میں پارس کی سڑک پر چلا ' دوپہر کو وہ ایک مقام پر آیا جہاں سے پارس کو سیدھی سڑک جاتی تھی اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا " وہ دو سوار جو اس جانب کا رخ کئے ہوئے تھے یہاں سے کس وقت گزرے ؟ " - لوگوں نے جواب دیا " صبح سویرے جب کہ آفتاب طلوع ہوا ' وہ ارتائی † ہوا کی مانند اڑے ہوئے جارہے تھے اور اُن کے پیچھے ایک بہت بڑا منیڈھا بھی دوڑ رہا تھا ' جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اس سے بہتر ملنا ناممکن ہے - اب تک تو وہ کئی فرسنگ نکل چکے ہیں اور تمھارے ہاتھ نہیں آسکتے "- پس اردوان وہاں نہیں ٹھیرا اور آگے چل کھڑا ہوا ' جب وہ ایک اور مقام پر پہنچا تو وہاں بھی لوگوں سے پوچھا " وہ دونوں سوار یہاں سے کب گزرے ؟ "- انھوں نے جواب دیا ' آج دوپہر کو '

---

* سنجانا صفحہ ۱۶ ویرنولڈیکی صفحہ ۴۴ وبعد مطابق میں ترجمہ نولڈیکی وسنجانا —

† نولڈیکی (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۴ نوٹ) کہتا ہے کہ کارنامک کے دو نسخوں میں اس ' ہوا ' کو ارتائی اور متن میں ارتاک لکھا ہے ' لیکن اس کے معنی معلوم نہیں ہوسکے ' بقول سنجانا ترجمہ کارنامک صفحہ ۱۶ نوٹ ۴ اردابی پڑھنا چاہئے (یعنی لڑنے والی کش مکش کرنے والی) جو فارسی کلمۂ ' اردب ' بمعنی جنگ و جدال کے مطابق ہے —

ان کی رفتار ارتائی ہوا کی مانند تیز تھی اور ان کے پیچھے پیچھے ایک منیڈھا بھی اُڑا جا رہا تھا ' اردوان کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بولا " ذرا سوچو * سواروں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ان کے ساتھہ یہ مینڈھا کیسا ہے ؟ " - پھر اُس نے دستور سے دریافت کیا ' اس نے جواب دیا " مینڈھا † شاہی جلال (خرّہ خدائیہ) ہے وہ ابھی سواروں تک نہیں پہنچا ہے اب ہمیں جلدي کرنا چاہئے ' ممکن ہے ‡ کہ مینڈھے سے قبل ہم ان کو پکڑلیں - اردوان اور اس کے ساتھیوں نے نہایت تیز رفتاری سے آگے کا رخ کیا ' دوسرے دن انھوں نے ۷۰ فرسنگ طے کر لئے ' پھر انھیں ایک قافلہ ملا ' اردوان نے اہل قافلہ سے سوال کیا " وہ دو سوار تمھیں کس جگہ ملے تھے ؟ " - وہ بولے "تمھارے اور اُن کے درمیان ہنوز ۲۰ فرسنگ کا فاصلہ اور ہے ' ہم نے دیکھا ہے کہ ان دو سواروں میں سے ایک کے ساتھہ ایک کلاں و چابک مینڈھا بھی گھوڑے پر سوار تھا " - اردوان نے

---

* متن فارسی میں یوں ہے :- انگار کہ اسوار دوگانہ را دانیم —

† سنجانا - (ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۶ نوٹ ۷) پہلی لفظ کولوک فارسی لوہ (یعنی عقاب) پڑھتا ہے اور نولدیکی ' برک ' فارسی برہ - فردوسی اس کو غرم کہتا ہے جس کی نسبت لغات الفرس اسدی (مرتبہ ہارن ' صفحہ ۹۳) پر ہے " میش کوہی بود " معیار جمالی میں بھی اسی طرح - مگر فردوسی اس کی نسبت برابر کہتا ہے کہ وہ سیمرغ یال اور طاوس دم تھا اور سرو گوش و سم اس کے رخش کی طرح ہیں —

‡ سنجانا ' تاکہ ' بجائے ' ممکن ہے ' —

دستور سے پوچھا " اس مینڈھے سے جو اردشیر کے پہلو میں گھوڑے پر ھے کیا مراد ھے؟ " - اس نے جواب دیا " اے + بادشاہ تو ھمیشہ زندہ رھے- شاھی جلال (یعنے خرّک کیان = فردوسی: فرکیانی : اوستا میں کویم ھوریئو) ارتخشیر کے پاس جا پہنچا ، اب ھم اس کو کسی [ایسے] طریق سے اسیر نہیں کر سکتے ، لہذا اب تم نہ اپنے آپ کو تھکاؤ اور نہ اپنے سواروں کو تھکاؤ ، گھوڑوں کو بھی زیادہ نہ تھکانا چاھئیے ایسا نہ ھو کہ وہ تھک کر مر جائیں؛ ارتخشیر کو کسی اور ترکیب سے قابو میں کرنے کی فکر کرو " - جب اردوان نے یہ سنا تو وہ پلٹا اور اپنے جائے گاہ میں ؍ واپس آیا —

شاہ نامہ

(صفحہ ۷۲۵)

ھم انگاہ شد شاہ را دل پذیر   اب تو بادشاہ کو یقین آگیا کہ
کہ گنجور او رفت با اردشیر   اس کی خزانہ دار (کنیز) بھی اردشیر کے ساتھ چلدی
دل مرد جنگی برآمد ز جای،   وہ طیش میں بھر آیا اور فوراً
بیالای بور اندر آورد پای "   گھوڑے پر سوار ھوا
سواران جنگی فراوان ببرد   اپنی کثیر جنگ آزما سپاہ کو
توگفتی ھمی پارہ آتش سپرد   ساتھ لایا اور آگ کی طرح روانہ ھو گیا

+ پہلوی ، انوشک بوی ....

برہ بریکی نامور دید جائی | راستے میں اس کو ایک
بسی اندر او مردم و چار پائی | بستی ملی جہاں بے شمار آدمی اور مویشی تھے

بپرسید از ایشان که شبگیر هور | اس نے اهل قریه سے پوچھا که
شنید ایچ کس بانگ نعل ستور | صبح کے وقت کسی نے ٹاپوں کی آواز سنی تھی

دو تن بر گزشتند پویان براه | یاکسی نے دو سواروں کو جاتے
یکی بارہ فنگ ودیگر سیاہ | ہوے دیکھا ایک سفید اور دوسرا سیاہ گھوڑے پر سوار تھا ایک شخص بولا که هاں

یکی گفت که ایدر برہ بر گزشت | اس راستے سے دو سوار آئے
دوتن بر دو اسپ اندر آمد بدشت | اور میدان کی جانب چلے گئے سواروں کے پیچھے پیچھے

بدم سواران یکی غرم پاک | ایک نورانی مینڈھا بھی تھا
چو اسپی همی بر پر اگند خاک | جو گھوڑوں کی طرح خاک اڑاتا ہوا جا رہا تھا

بدستور گفت آن زمان اردوان | اردوان نے دستور سے پوچھا
که این غرم یاری چرا شد روان | که یه مینڈھا ان کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے

چنین داد پاسخ که این فر اوست | انھوں نے جواب میں کہا کہ
بشاھی زنیک اختری بر اوست | وہ فر کیانی ہے اپنے اقبال سے اردشیر کو بادشاہ بنائے گی۔

گرین غرم دریابد اورا بتاز	اگر اس مینڈھے نے اردشیر کو
همه کار گردد بما بر دراز	پکڑ لیا تو ہمارے کر و فر سب
	خاک میں مل جائینگے
فرود آمد آن جائگاه اردوان	اردوان اس مقام پر اُتر پڑا
بخورد و بر آسود و آمد دوان	کچھہ کھایا کچھہ آرام لیا اور
	پھر روانہ ھو گیا
همی تاختند از پس اردشیر	یہ لوگ اردشیر کے تعاقب میں
به پیش اندرون اردوان با وزیر	برابر گھوڑے دوڑاتے رہے اردوان
	وزیر کے ساتھہ آگے آگے تھا

[پندرہ اشعار (۱۰ تا ۲۴) محذوف کردئیے گئے]

بدانگه که بگذشت نیمی ز روز	جب آدھا دن ڈھل گیا اور آفتاب
فلک را به پیمود گیتی فروز	نصف النہار پر پہنچا
یکی شارسان دید با رنگ و بوی	تو شاہ کو ایک اور گلزار آبادی
بسی مردم آمد به نزدیک اوی	نظر پڑی وہاں کے لوگ اس کے
	نزدیک جمع ہوگئے
چنین گفت با موبدان نامدار	بادشاہ نے وہاں کے موبدوں سے
که کی بر گذشتند آن دو سوار	سوال کیا کہ دو سوار اس طرف
	سے کس طرح گزرے تھے
چنین داد پاسخ بدو رهنما	انھوں نے......... کہا .... کہ
که ای شاه نیک اختر و پاک را	اے خوش نصیب وفہمیدہ سلطان
بدانگه که خورشید برگشت زرد	جب آفتاب غروب ہونے لگا اور
بگسترد شب چادر لاجورد	شب نے اپنی تاریک چادر
	پھیلائی

برین شہر بگذشت پویان دو تن	تو دو سوار یہاں سے سرپٹ گزرے
پرازگرد و بی آب گشته دهن	ان کا بدن خاک آلود اور ان کا دهن خشک تھا
یکی غرم بود از پس یک سوار	ان میں سے ایک سوار کے پیچھے
که چون او ندیدم بایوان نگار	ایک مینڈھا سوار تھا کہ محلوں کے نقش و نگار بھی ویسے خوب صورت نہیں ھوتے
چنین گفت با اردوان کدخدائی	اردوان کے صلاح کار نے اس سے
کزایدر مگر باز گردی بجای	کہا اب یہاں سے واپس لوٹ جانا چاھئے
سپه سازی و ساز جنگ آوری	اور لڑائی کا سامان کرنا چاھئے
که اکنون دگر گونه شد داوری	کیونکہ اب حالات کا رخ بدل گیا ھے
که بختش پس پشت او در نشست	ارتخشیر کا نصیب بلند اس کے
ازین تاختن باد باشد بدست	ساتھ اس کی پشت پر ھے پس ھماری کد و کاوش بے سود ھوگی
یکی نامه بنویس نزد پسر	اپنے پسر کو ایک خط لکھا اور
بنامه بگو این سخن در بدر	اس میں اس واقعہ کا تمام وکمال حال قلمبند کر
نشانی مگر یابد از اردشیر	ممکن ھے کہ تیرا بیٹا ارتخشیر
نباید * که او دو شد غرم شیر	کا پتہ چلائے لیکن وہ مینڈھے کا دودھ نہ پینے پائے اور ھاتھ آجائے

*نباید که گردون همان غرم شیر (کارنامک مرتبه سنجانا - اقتباسات شاهنامه صفحه ۹) —

چوبشنید زوار دوان این سخن — اردوان نے جو یہ مشورہ سنا تو
بدانست کان کار او شد کہن — اس کو یقین ہوگیا کہ مرے ایام
گردش میں آگئے

ھمان شارسان اندر آمد فرود — پھر اردوان اُسی آبادی میں
همی داد نیکی دهش را درود — اُتر پڑا اور خدا کے سامنے
گڑ گڑایا

چو شب روز شد بامداد پگاہ — جب شب تمام ہوئی اور دن نکلا
بفرمود تا باز گردد سپاہ — تو اس نے سپاہ سے کہا کہ وہ
واپس ہو جاے

بیامد او رخسارہ همرنگ نی — وہ خود بھی اپنے افسردہ چہرہ
چوشب تیرہ گشت آندر آمد بہ ری — کے ساتھ شب تک شہر رے میں
پہنچ گیا

داستان ہفتان بوخت ہفتواد اور سر گزشت کرم کرمان اس قدر دلچسپ ہے کہ قلم انداز نہیں کیا جاسکتا ' تاہم طوالت کے خیال سے ہم اس کے وہ اجزا نقل کرتے ہیں جن میں اس خطرناک جانور کی ہلاکت کا ذکر ہے ' اس کرم کا شہر کرمان سے تعلق لفظی اشتقاق عامیانہ پر نہیں ہے ' مگر اس سے یہ نکتہ حل ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ جو کرمان کو با فتح کاف (کَرمان) لکھتے ہیں ایسے ہجے کو استعمال کرتے ہیں جو کم سے کم گزشتہ دو صدیوں میں ایرانیوں نے کبھی استعمال نہیں کیا' اس سے پہلے خواہ اس کی صورت کچھ ہو' اس قسم کا حسن لفظی بوستان سعدی میں بھی وارد ہوا ہے (مرتبہ گراف صفحہ ۸۷ سطر ۵۳۵) " ہفتان بوخت " (ساتوں نے بچا لیا) پر نولڈیکی نے نہایت

پر لطف نوٹ لکھا ھے (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۹ حاشیہ ۴)
جس میں اس نے بتایا ھے کہ لفظ " بوخت " (بچالیا) سے بہت
نام مرکب ہوے ھیں' خصوصاً عیسائیوں کے مثلاً " مارا بوخت "
= خدا نے* بچالیا - " یشوع بوخت یا بوخت یشوع" = عیسیٰ نے
بچالیا؛ زرتشتیوں میں " سہ بوخت " = تین † نے (یعنے نیک
خیالات ' نیک اقوال اور نیک اعمال) بچا لیا؛ " چہار بوخت"
= چار نے بچالیا کہتے ھیں ' اس کے بعد نولدیکی لکھتا ھے کہ
" ھفت " اردشیر کے مد مقابل کے نام میں سات سیاروں کے
لئے آیا ھے جو اھرمن ناپاک کی تخلیق سے ھیں' پس یہ نام
ایسے وجود کے لئے بے حد موزوں ھے جو دوزخ کی قوتوں اور
شیاطین کے سحر پر مدار رکھتا ھو ' فردوسی نے شاید ضرورت
بحر سے اس کو " ھفتواد " (شاھنامے کی فرھنگوں میں
اس کے معنی " سات بیٹوں والا " درج ھے ‡) بنا لیا اور
یہ صورت ھفتان بوخت کے درمیانی تین حروف یعنے ا ن ب
کو خارج کرنے سے حاصل ھوتی ھے کیونکہ آخری تین حرفوں
(وخت) کو پہلوی رسم الخط میں اوخت بھی پڑھ سکتے ھیں
اور وات بھی $ —

---

* مار = سیدم (سریانی) —
† ھومت ' ھوخت ' ھورشت —
‡ (کارنامک صفحہ ۵۱ سنجانا صفحہ ۲۷) میں بھی یہ لکھا
ھے کہ اس کے سات بیٹے تھے —
$مگر دارم شتیٹر نولدیکی کے اس گہرے خیال کو رد کرتا ھے'
دیکھو " ایرانی علوم " جلد دوم صفحہ ۸۲ اور ۸۳ —

پھر اُس نے لوگوں کو کرم کے مقابلے میں بھیجا ' بُرجک اور بُرجا تُر کو اپنے رو برو بلایا اور ان سے صلاح و مشورہ کیا' پھر انھوں نے بہت سے چاندی سونے کے سکے اور کپڑے لئے' خود ارتخشیر نے خراسانیوں کا سا لباس پہن لیا اور برجک اور برجا تر کو لیکر قلعہ* گلار کے دامن میں جا پہنچا اور کہا "میں خراسان کا باشندہ ہوں اپنے خداوندان † عالی مرتبہ کی اس مہربانی کا خواستگار ہوں کہ مجھ کو اس بارگاہ کی پرستش کی اجازت دی جائے" بت پرستوں نے ارتخشیر کو مع اس کے دو ساتھیوں کے قلعہ میں داخل کر لیا اور خانۂ کرم میں ان کو جگہ دی ' تین دن تک ارتخشیر نے اداے عبادت اور خدمت کرم میں نہایت سرگرمی دکھائی خدام کو چاندی سونے کے سکے اور کپڑے دئے ' ان چیزوں کو دیکھ کر ساکنان قلعہ حیران رہ گئے اور سب نے ارتخشیر کو آفریں کہی' آخر اردشیر نے کہا کہ " میری آرزو ہے کہ مجھے تین دن تک کرم کو اپنے ہاتھ سے خورش دینے کی اجازت دی جائے" خدام اور ملازم سب نے اس کی اجازت دے دی - پھر اردشیر نے سب کو رخصت کردیا اور اپنی

---

* یہ عبارت پروفیسر براون نے کسی وجہ سے حذف کردی ہے -

† سلطانا میں واحد ہے

فوج کے چار سو ہنرمند اور جانسپار والا گوہر جوانوں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ کے سامنے پہاڑ کی ایک جھوٹ میں چھپ کر بیٹھہ جائیں اور فرمایا کہ " آسمان * کے دن اگر تم قلعہ کرم سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھو تو مردانگی اور ہنرمندی دکھانا اور دامن قلعے میں آ کھڑے ہونا " - اس دن ارتخشیر نے پگلا ہوا پیتل † خود اٹھایا اور برجک و برجا تر نے خدا کی حمد و ثنا ‡ کہی - پھر جب کرم کی خورش کا وقت آیا تو وہ روز کی طرح چلایا - ارتخشیر نے کرم کے خادم اور دربانوں کو پہلے ہی سے کھانے کے وقت شراب پلا کر مست و بے ہوش کر دیا تھا ' پھر اردشیر خود نوکروں کے ساتھہ کرم کے پاس گیا اور ہمراہ کرم کا راتب یعنے بیل اور بھیڑوں کا خون جس طرح اس کو روز دیتا تھا اس کے پاس لے گیا ' لیکن جونہی کرم نے خون پینے کو اپنا منہ کھولا اردشیر نے پگلا ہوا تانبا اس کے منہ میں الٹ دیا اور جب یہ جسم کے اندر پہنچا تو کرم پھٹ کر دو ٹکرے ہو گیا اور اس سے اتنا شور ہوا کہ قلعے کے سب آدمی اُس

---

* مہینے کی ستائیسویں —

† پہلوی روتی - پروفیسر براون اس کا ترجمہ کہیں پیتل کر رہے ہیں کہیں تانبا - اس لفظ پر دیکھو سنجانا کا نرت ۱۱ صفحہ ' ۳۳ کار نامک) —

‡ پہلوی مطابق " فارسی " نیرشنی و آزمایشنی یزدان نواز کردند —

جانب دوڑے اور سارے قلعے میں آشوب بپا ہو گیا ' اردشیر نے شمشیر و سپر سنبھالی اور قلعے کے بہت لوگوں کو زخمی اور قتل کیا - پھر اس نے حکم دیا کہ " آگ روشن کرو تاکہ اس کا دھواں دلاوران غار کو نظر آجائے ' نوکروں نے اس کی تعمیل کی اور جس وقت ان بہادروں نے قلعہ سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو وہ تیزی کے ساتھ اردشیر کی مدد کو قلعے کے دامن میں آئے اور یہ نعرہ مارتے ہوئے زبردستی اندر گھس گئے کہ " پیروز پیروز باد ارتخشیر ' شاہ شاہان ' پاپکانی —

شاہ نامہ

(۷۳۲)

وزان جایگہ * شد سوئے جنگ کرم وہاں سے کرم کے ساتھ
سپاہش ہمہ کردہ آہنگ کرم لڑنے کے لئے چلا ادھر کو
چلی فوج بھی

بیاورد لشکر دہ و دو ہزار بارہ ہزار فوج اس
جہاندیدہ و کار کردہ سوار جہاندیدہ و کار کردہ
نے جمع کی

---

* اقتباسات شاہنامہ ملحق بہ کارنامک مرتبہ سنجانا صفحہ ۳۲ —

پراگندہ لشکر چو شد هم گروہ   بکھری هوئی فوج جب اکٹھی
بیاورد شان تا میان دو کوہ   هو گئی تو وہ اس کو دو
پہاڑوں کے درمیان میں لے آیا

یکے مرد بد نام او شہر گیر   فوج میں شہر گیر نام کا
خرد مند و سالار شاہ اردشیر   ایک خردمند سپہ سالار تھا
چنیں گفت بس شاہ با پہلوان   بادشاہ نے اس پہلوان سے کہا
کہ ایدر همي باش روشن روان   کہ اے فرزانہ فوج کو یہاں
روک کر

شب و روز کردہ طلایہ بپائی   دن رات کا پہرہ قائم کردے
سواران با دانش و رهنمائی   اور اس کام کے لئے هوشیار
سواروں کو چن

همان دیدہ بان دار وهم پاسبان   دیدہ بان اور پاسبان الگ هوں
نگهدار لشکر بروز و شبان   اور لشکر هر طرح سے
محفوظ رهے

من اکنون بسازم یکے کیمیا   میں ایک حکمت عملی
چو اسفندیار آنکہ بودم نیا *   سوچتا هوں اور اپنے بزرگ
اسفندیار کی طرح ترکیب
سے کام نکالتا هوں

---

* اس شعر میں تسخیر روئین وژ کی طرف اشارہ هے جس میں اسفندیار سوداگر کا بھیس بدل کر داخل هو گیا تھا - دیکھو شاهنامہ مرتبہ میکن جلد سوم صفحہ ۱۱۴۳ وغیرہ—

اگر دیدہ بان دود بیند بروز
شب آتش چو خورشید گیتی فروز

اگر پہرہ والے دن کے وقت دھواں دیکھیں یا شب کو آگ مثل سورج کے روشن کرنے والی

بدانید کامد بسر کار کرم
گزشت اختر و روز بازار کرم

تو جان لینا کہ کرم کا کام تمام ہوا، اس کا ستارہ تاریکی میں آگیا اور زور شور جاتا رہا

گزین کرد ازان مہتران ہفت مرد
دلیران و شیران روز نبرد

پھر فوج میں سے اس نے سات آدمی چنے جو مثل شیروں کے دلیر تھے —

ہم آنکس کہ بودے ہم آواز اوئی
نگفتے بباد ہوا راز اوئی

جتنے بھی اس کے صلاح کار اور مشیر تھے وہ ہوا کو بھی راز کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے

بسے گوہر از گنج بگزید نیز
ز دیبا و دینار و ہر گونہ چیز

پھر خزانے سے اس نے بہت سے گوہر، ریشمی کپڑے، دینار اور ہر قسم کی چیز لی

بچشم خرد چیز ناچیز کرد
دو صندوق پر سرب و ارزیز کرد

ہر شے کو ناچیز سمجھ کر بھرلیا اور دو صندوق سیسے اور قلعی سے بھرے

یکے دیگ روئین ببار اندرون
کہ استاد بود او بکار اندرون

اپنے سامان میں اس نے ایک پیتل کی دیگ بھی رکھی کیونکہ وہ ہر کام میں استاد تھا

چو از بردنی کارہا کرد راست
ز سالار آخور خر دہ بخواست

لینے کی چیزیں جب وہ لے چکا تو پھر آخور سے دس خر طلب کئے

چو خر بندها جامہاے گلیم	گدھوں پر گدھوں کے بورے تھے
بپوشید و بارش ھمه زر و سیم	مگر بوروں میں سامان تھا زر و سیم کا
ھمیشه خلیده دل و راه جوے	اب سوچتے سمجھتے لشکر سے
ز لشکر سوے وژ نہادند روے	قلعے کی طرف چلے
ھماں روستائی دو مرد جوان	اس نے ان موجودہ جواں مردوں
که بودند روزے ورا میزبان	کو جنھوں نے اس کو ایک موقع پر پناہ دی تھی
ازان انجمن برد با خویشتن	ھمراھیوں میں سے چھانٹا
که هم دوست بودند و هم راے زن	کیونکه وہ دوست بھی تھے اور صلاح کار بھی
چو از راه نزدیک آن وژ شدند	جب یه لوگ قلعے کے قریب
ببردند بر کوه و دم بر زدند	پہنچے تو پہاڑی پر چڑہ کر ذرا سستانے لگے
پرستنده کرم به شصت مرد	کرم کی خدمت پر ۶۰ آدمی
نه پرداختے یک تن از کار کرد	مامور تھے اور ھر وقت اس کے پاس حاضر رھتے تھے
نگه کرد یک تن بآواز گفت	ان میں سے ایک آدمی نے اردشیر
که صندوق را چیست اندر نہفت	کی جماعت کو دیکھا اور پوچھا که صندوق میں کیا ھے
چنیں داد پاسخ بدو شہریار	اردشیر نے یه جواب دیا
که هر گونه چیز دارم ببار	که میرے ساتھ ھر شے لدی ھوئی ھے

ز پیرایه و جامه و سیم و زر	لباس، کپڑے، سونا، چاندی،
ز دیبا و دینار و خز و گہر	ریشم، جواهرات اور جامهٔ زرنگار
بہا زار گانے خراسانیم	میں خراسانی تاجر هوں راحت
برنج اندروں به* تن آسانیم	کو رنج سے بدلنے کے لئے نکلا هوں
بسے خواسته دارم از بخت کرم	کرم کے کرم سے بے شمار مال و
کنون آمدم شاد تا تخت کرم	دولت کا مالک هوں اس وقت میں خوشی کے ساتھه اس کے حضور میں آیا هوں
اگر بر پرستش فدایم رواست	اگر میں اس کی خدمت کروں
که از بخت وے کار ماگشت راست	تو مجھه کو زیبا هے کیونکه اس کی برکت سے میرا ستارهٔ بخت چمکا هے
پرستندهٔ کرم بشنید راز	جب کرم کے محافظوں نے یه
هم انگه در وژ کشادند باز	عجیب بات سنی تو اسی وقت قلعه کے دروازے کھول دیے
چوں آن بارها راند اندر حصار	اور جب سامان قلعے کے اندر
بیارا ست کار آن شه نامدار	پہنچ گیا تو ارد شیر نے اپنا کام شروع کیا
سر بار بکشاد زود اردشیر	تھیلیوں کو جلد جلد کھول کر
به بخشید چیزے که بد ناگزیر	جس شخص کو جو چیز مطلوب تھی دی

* (رو) به (. hilopoleas)

یکی سفره پیش پرستندگان	پھر اس نے محافظوں کے سامنے
بگسترد و برخاست چون بندگان	کھانا چنا اور خود مثل نوکروں کے کھڑا ہوگیا
ز صندوق بکشاد بند کلید	اس کے بعد اس نے قفلوں کو
برآورد و پر کرد جام نبید	کھولا اور شراب سے جام بھرے
هر آنکس که زی کرم بردے خورش	لیکن ہر اُس شخص نے جو کرم
زشیر و برنج انچه بد پرورش	کی غذا مثلاً شیرو برنج کرم کے پاس لیجاتا تھا
به پیچید گردن ز جام نبید	شراب کی طرف سے اپنا منہ
که نوبت بدش جاے مستی بدید	موڑ لیا مبادا وہ بدمست ہوکر اپنے فرض سے نہ چوک جائے
چو بنشست بر پاے جست اردشیر	اس پر اردشیر اپنی جگہ سے
که با من فراوان برنج است و شیر	تڑپ کر اُٹھا اور کہا کہ میرے پاس برنج و شیر بہتیرا ہے
بدستوری سر پرستان سه روز	میں درخواست کرتا ہوں کہ
مر اورا بخوردم منم دلفروز	تین روز تک مجھہ ہی کو اجازت ہو کہ میں کرم کو کھانا کھلا کر اپنا دل خوش کروں
مگر من شوم درجهان شهرهٔ	اور اس طرح سے ایک عالم میں
مرا باشد از اخترش بهرهٔ	نام پیدا کروں اور کرم کی برکت سے مزید سعادت حاصل کروں

شما می گسارید خرم سه روز — تم لوگ مزے سے تین دن شراب

چهارم چو خورشید گیتی فروز — پیو اور چوتھے روز طلوع آفتاب پر

برآید یکی کلبه سازم فراخ — میں ایک کشادہ قیام گاہ اپنے

سر طاق برتر ز دیوار کاخ — واسطے بناؤنگا جو محل کی
چوٹی سے زیادہ رفیع ہوگی

فروشندہ ام هم خریدار جوئی — میں سوداگر تو ہوں لیکن

فزاید مرا نزد کرم آبروئی — مجھے خدمت کا بھی شوق ہے
اس سے کرم کی نظروں میں
میری آبرو بڑہ جائیگی

برآمد همه کام وی زین سخن — ایسی چکنی چپڑی باتوں نے

بگفتند کورا پرستش توکن — ان لوگوں پر اثر کیا اور وہ
راضی ہوگئے کہ تم ہی کرم کی
خدمت کرو

براور فربندہ هر گونه رنگ — اب اردشیر اپنے مقصد کے لئے

پرستندہ بنشست بانے بچنگ — طرح طرح کے کام کرنے لگا اور
کرم کے محافظ عیش و نشاط میں
مصروف ہوگئے

به خوردند چیزی و مستان شدند — انہوں نے شراب پی ہی تھی

پرستندگان مے پرستان شدند — کہ محافظوں سے مے خوار بن گئے

چو از جام مے مست شان شد روان — جب وہ لوگ نشے میں بالکل

بیامد جهاندار با میزبان — چور ہوگئے تو اردشیر اپنے
ساتھیوں کے ساتھ آیا

بیاورد ارزیز و رویین کوید
بر افروخت آتش بروز سفید

قلعی لایا اور پیتل کی دیگ پھر اس نے دن کے وقت آگ جلائی

چون آن کرم را بود گاهِ خورش
ز ارزیز جوشان بُدش پرورش

کرم کے کھانا کھانے کا وقت آیا تو اس کے لئے کھولتی ہوئی قلعی تیار ہوئی

سوے کندہ آورد ارزیز گرم
سر از کندہ برخاست آن کرم نرم

اور گرم گرم اس کے گڑھے کے پاس رکھی گئی کرم نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھایا

زبانش بدیدند هم رنگ سنج
بدانسان که از پیش خوردی برنج

اس کی زبان پیتلی جھانجھ کے مانند نظر آئی ایسی حالت میں جب کہ وہ برنج کھایا کرتا تھا

فروریخت ارزیز مرد جوان
بکندہ درون کرم شد ناتوان

اردشیر نے قلعی کو اس کے جبڑوں میں الٹ دیا اور وہ اپنے گڑھے میں بے جان ہو کر تڑپنے لگا

طراقی بر آمد ز حلقوم اوی
که لرزان شده کندہ و بوم اوی

اس کے حلق سے تڑاق سے ایک آواز نکلی کہ قلعہ اور گڑھا دونوں متزلزل ہو گئے

بشد با جوانان چو باد اردشیر
کشیده گوپال و شمشیر و تیر

اردشیر اور اس کے ساتھی پھرتی کے ساتھ گوپال و شمشیر و تیر لے کر تیار ہو گئے —

پرستندگان را که بود نه مست   محافظ شراب سے بدمست
یکی زنده از دست ایشان نه رست   تھے ہی، کسی کو ان کے ہاتھ سے نجات نہ ملی

بر انگیخت از بام دژ تیره دود   قلعے سے سیاہ دھواں اٹھایا
دلیری به سالار لشکر نمود   تاکہ اطلاع کامرانی سالار لشکر کو مل جائے

دوان دیدبان شد بر شہر گیر   دیدبان نے جب یہ دیکھا تو
که فیروز گر گشت شاہ اردشیر   شہر گیر کے پاس دوڑا اور اس کو اردشیر کی کامیابی سنائی

بیامد سبک پہلوان باسپاہ   شہر گیر فورا اردشیر کے پاس
بیاورد لشکر بنزدیک شاہ   مع سپاہ کے آیا اور سپاہ کو پیش کیا —

اردشیر کا تاریخی وجود افسانوں سے گھرا ہوا ہے

گزشتہ بیانات سے دو باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ فردوسی نے پہلوی افسانوں کو کہال دیانت کے ساتھ استعمال کیا (نولدیکی نے ثابت کیا ہے کہ ان افسانوں کو فردوسی نے پہلوی متنوں سے نہیں لیا بلکہ ان کے فارسی ترجموں سے)۔ اور دوسری یہ کہ " ارتخشیر ملکان ملکا ایران وان ایران بری پاپکا ملکا (یعنی اردشیر شہنشاہ ایران و غیر ایران بن شاہ پاپک) کی شخصیت کے گرد و پیش افسانوں کا کتنا زبردست جال پھیلا ہوا ہے، حالانکہ وہ فی الحقیقت ایران کا بادشاہ تھا اور ایک تاریخی انسان

تھا ، اس کی تصدیق نہ صرف تاریخی نوشتوں بلکہ ان سکے اور کتبوں * سے بھی ہوتی ہے جن پر اس کے عہد کی تاریخیں ثبت ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ اردشیر ہی کے زمانے سے حالات ایران کتبات اور افسانوں کی تاریکی سے نکل کر تاریخ کی روشنی میں آنے لگے ہیں (فسانۂ سکندر جیسا کہ اوپر دیکھ چکے ہیں خارجی افسانہ ہے) ، اس نکتے کو ابن واضح الیعقوبی نے تاریخ یعقوبی (مرتبہ ہو تسما جلد اول صفحات ۱۷۸ - ۱۷۹) جو نویں صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے ، بالفاظ ذیل ادا کیا ہے : —

ایرانی روایات اور ایرانی تاریخ پر یعقوبی کا خیال

" اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصایل رکھتے تھے مگر کون شخص ہے جو ایسی لغو باتوں پر کان دھرتا ہے ، یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک انسان کے متعدد منہ اور متعدد آنکھیں نکل آئیں ، یا کسی کا منہ تانبے کا ہو † یا کسی کے شانوں پر دو ناگ ‡ ہوں اور آدمی کا بھیجا

---

* نقش رستم میں دیکھو کیمبرج پورٹرج اول پلیٹ ۲۳ ، صفحہ ۵۴۸ ؛ اور فلاندین چہارم ۱۸۲ —

† غالباً اسفندیار روئیں تن سے مراد ہے —

‡ یہاں ضحاک کی طرف اشارہ ہے —

کھا کر جیتے ہوں، کوئی بادشاہ
صدیوں تک زندہ رہے، کوئی موت
کو انسان سے دور رکھے، وغیرہ
یہ سب مزخرفات اوز محض
گھڑے ہوئے افسانے ہیں، ان
کی کوئی بنیاد نہیں اور عقل ان
کو تسلیم نہیں کرتی - خود ایرانیوں
میں وہ لوگ جن کو خدا نے عقل سلیم
دی ہے علم و آگاہی بخشی ہے، جو
صاحب گوہر شاہزادے اور امیر زادے
ہیں اور جو ماہران روایت اور بہرہ
اندوز شایستگی ہیں وہ نہ تو ایسی
باتوں پر یقین لاتے ہیں، نہ ان کا
دعوی کرتے ہیں اور نہ اعادہ، ان
کے نزدیک دولت ایران کی تاریخ
اردشیر بابکان کے عہد سے شروع ہوتی
ہے، ...... لہذا ہم نے بھی ان افسانوں
کو بے بنیاد سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،
کیونکہ ہمارا طریق واقعہ نگاری اس
کی اجازت نہیں دیتا" —

شاپور اول

شاپور ابن اردشیر کی پیدایش اور شناخت
کی بابت جو دل آویز افسانہ کارنامک شاہ نامے
اور عربی تاریخوں میں درج ہے اس کو ہم طوالت کے باعث

قلم انداز کرتے ہیں مگر شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں
جلی قلم سے لکھا ہوا ہے ' اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے کامیاب
یورشوں سے رومیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور بادشاہ
ویلرین کو زندہ پکڑ لایا تھا ' نقش رستم اور شاپور * کی

شاپور کے کتبے

نقاشی † اور بت تراشی انہی واقعات کی
یادگار ہیں - یونانی ترجمہ جو نقش رجب
میں شاپور کے دو لسانی اور مختصر پہلوی کتبے (جس سے
ساسانی اور ہخامنشی کتبات پڑھنے کی ابتدا ہوئی) کے
ساتھ کندہ ہے وہ غالباً کسی یونانی اسیر جنگ کا کام معلوم
ہوتا ہے - حاجی آباد کے بڑے کتبے میں ابھی بعض باتیں
حل نہیں ہو سکتیں ؛ گو تھامس (۱۸۶۸) ویسٹ (۱۸۶۹)

حاجی آباد کا کتبہ

ہاگ (۱۸۷۰) اور دیگر محققین نے بڑا زور
لگایا ہے اور اس کی عمدہ نقلیں (سانچے' چربے
اور فوٹو) بھی موجود ہیں - تھامس نے پہلوی کے تمام
معلومات کتبات کو شایع کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام
دی ہے مگر جس قدر کامیابی کہ اس کو حروف شناسی میں
ہوئی ' اس قدر معنی سمجھنے میں نہ ہو سکی' اس کا
ترجمہ عجیب و غریب معانی پر مشتمل ہے کیونکہ اس نے

---

* دیکھو " پرشیا " مصنفہ لارڈ کرزن جلد دوم صفحہ ۱۲۰ اور ۲۱۱ —

† ابن البلخی فارس نامہ (مطبوعہ برلن صفحہ ۵۰ سطر ۱) پر اسی اصطلاح کو Sculptur کے معنوں میں استعمال کیا ہے —

بعض کتبوں کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ھے کہ ان میں سلاطین ساسان نے خدائے یہود و نصارا کو تسلیم کیا ھے - تھامس کے مفہوم اور دیگر محققین مذکور کے تراجم میں اتنا زبردست فرق ھے کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف " پرشیا " کي جلد دوم صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ میں لکھتا ھے :—

" کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں سے ظاہر ہوتا ھے کہ هنوز پہلوي حروف کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں پہنچی ' مجھے نہ تو مسٹر تھامس کے مائل بہ نصرانیت خیال کا یقین اور نہ ڈاکٹر ھاک کے تیراندازي کے مضمون پر اعتبار ' اگرچہ آخرالذکر اکثر اهل تحقیق کو اپنا همنوا کرچکا ھے ' میں بے حجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں "—

تاہم جس شخص کو تفحص و توازن دلائل کی ذرا بھی تمیز ھے وہ یقین کے ساتھہ کہہ سکتا ھے کہ ھاگ اور ویسٹ کے ترجمے عام طور پر صحیح ھیں اور یہ کہ ان دونوں کو تھامس پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ھے کہ وہ کتابی پہلوي سے بہرہ ور تھے اور یہ بالکل نا آشنا - ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ میں سے نصف درجن الفاظ کے معنی هنوز مشتبہ ھیں اور شومیء بخت سے یہ وہ الفاظ ھیں جن کے سبب سے پورا مطلب اٹکا ہوا ھے ' باقی الفاظ اور کتبے کی

ساڑھے چھہ سطریں صاف ھیں - ابہام مطلب کی بڑی وجہہ یہ ھے کہ ھم اُس رسم کی حقیقت سے نا بلد ھیں جو کتبے میں مذکور ھے اور نہ ھم یہ جانتے ھیں کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے اور سونے غار سے جو تیر میدان میں پھینکا تھا اس کی اصل غرض کیا تھی - تاھم ان چیزوں کی نظائر بالکل مفقود نہیں ' ساسانی عہد میں موقعہ انتخاب کرنے کے لئے اکثر تیر پھینکا جاتا تھا۔ چنانچہ طبری (مترجمہ نولدیکی صفحہ ۲۶۳ اور ۲۶۴) اور دنیوری صفحہ ۶۶ میں لکھتا ھے کہ ایرانی جنرل اور فاتح گورنر یمن وھرز کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے تیر و کمان طلب کرکے خادموں سے کہا کہ مجھہ کو ذرا اوپر اُٹھاو اور ایک تیر ھوا میں چھوڑکر نزدیک والوں کو حکم دیا کہ وہ تیر گرنے کی جگہ پر نشان بنالیں اور وھاں اس کے لئے ایک مقبرہ تیار کریں ؛ اغلب ھے کہ شاپور کا تیر بھی جس کا حاجی آباد کے کتبے میں ذکر آتا ھے اسی مقصد کے ساتھہ کمان سے جدا ھوا ھو ' لیکن یہ تحقیق نہ ھوسکا ورنہ کتبے کا پورا مفہوم آئینہ * ھوجاتا —

حاجی آباد کے کتبے کا ترجمہ ایف ملر کے قلم سے

مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس بحث کے سلسلے میں فریڈرک ملر کے پر مغز اور نئے ترجمے (مطبوعہ وائنا اوری انٹل

* انتخاب موقعہ کے لئے تیر کا استعمال اسلامی دور تک رائج تھا بلکہ عرب و ایران دونوں قومیں اس ذریعے سے کام لیتی تھیں' دیکھو کتاب فتوح البلدان بلاذری (مرتبہ دخویہ صفحہ ۲۷۶) نیز کتاب ثانی سلاطین باب ۱۳ ' آیات ۱۴ تا ۱۹ سے مقابلہ کرو —

جرنل سال سنہ ۱۸۹۲ جلد ششم صفحہ ۷۱ تا ۷۵) کا ذکر کیا جائے ' فریڈرک نے ہومر کی الیڈ (۲۳ - ۸۵۲) کے ایک مقام اور چارلس ششم (" میریہ تھریسہ اور جو سف دوم " از ایم برمن' صفحہ ۳۸) کے ایک واقعۂ زندگی کی تمثیل و تشبیہ قائم کرکے بتایا ھے کہ کتبے کے لفظ " مینو " (= روح بخیال هاگ) کو ایک ایسا اعزازی و متداول شاهی لقب مان لینا چاهئے جیسے کہ آج کل ترکی و ایران کا لقب " عالی " اور چین کا " آسمانی " ھے ' دوسرے لفظ " چیتاک " کو (= چیدگ = پتھر کا تیر' بلوچی زبان میں) ستون کے معنوں میں جو بطور نشانے (= ؟ ہومر) کے کھڑا کردیا گیا ہو سمجھنا چاهئے اور لفظ " ویاک " (= ہومر) کو بمعنی پرندے کے ' اس کے بعد وہ حاجی آباد کے مبہم کتبے کے مفہوم کو یوں ترجمہ کرتا ھے :—

یہ میرا فرمان ھے پرستار مزد شاپور کا
جو دیوتاؤں کی صف میں ھے' ایران
اور غیر ایران کے بادشاهوں کا بادشاہ
ھے اور خدا کی آسمانی نسل سے ھے' اور
بیٹا ھے پرستار مزد ارتخ شیر کا جو
دیوتاؤں کی صف میں تھا' ایران کے
بادشاهوں کا بادشاہ اور خدا کی آسمانی
نسل سے تھا اور پوتا ھے پاپک کا جو
دیوتاوں کی صف میں اور بادشاہ تھا۔
اور جبکہ ہم نے یہ تیر چلایا تو
اسکو صوبہداروں شہزادوں امرا و شرفا

کی موجودگی میں چلایا۔ ہم نے اس پتھر*
پر قدم رکھکر ان نشانون میں سے ایک
نشانے پر تیر مارا، مگر جہان تیر پڑا
اس کے نزدیک کوئی پرندہ نہ تھا اور
اگر وہاں نشانہ سیدھا نصب ہوتا تو
تیر صاف (یا زمین میں گڑا ہوا)
نظر آتا"

"پھر ہم نے حکم دیا کہ ایک نشانہ
اعلیحضرت کے لئے مخصوص کرکے الگ
نصب کیا جاے، آسمانی ہاتھہ (= یعنی
بادشاہ کے ہاتھہ) نے یہ لکھا :—

"خبردار نہ کوئی شخص اس پتھر
پر قدم رکھے اور نہ اس نشانے پر تیر
چلائے"۔ اس کے بعد میں نے شاہی تیر سے
ان نشانون پر نشانہ لگایا۔
یہ (بادشاہ کے) ہاتھہ کا نوشتہ ہے"—

مانی اور پیروان مانی

مانی اور اُس کی تعلیم — جیسا کہ علامہ البیرونی (گیارھوین صدي عیسوی) کے تصنیف آثارا لباقیہ مترجمہ

---

* غالباً " اُس جگہ " سے مراد ہے کیونکہ نولدیکی (دیکھو پرسی پولس از شتولت جلد دوم کا دیباچہ) اس لفظ کو جو اب تک دیگی یا دیکی تصور کیا گیا تھا۔ دوکی (= آرامی دوختا) یعنی جگہ پڑھتا ہے—

ژخاؤ صفحہ ۱۲۱) سے پتہ چلتا ہے مانیز یا مانی مذہب مانویہ کا بانی دور پارتھوی کے اختتام اور بادشاہ اردوان(۲۱۵ - ۲۱۶ ع) کے چوتھے سال میں پیدا ہوا تھا' اس کا مذہب ابتدا سے لیکر بدبخت فرقہ البی جین سیہ کے اخراج یعنے تیرھویں صدی عیسوی تک ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں میں بڑے بڑے مظالم کا تختۂ مشق بنا رہا' زرتشتیوں نے اس کے استیصال میں کوئی کسر نہ کی ' عیسائیوں نے اس کی جڑ کاٹی ' مگر باوجود اس کے وہ صدیوں تک ہزارہا دلوں پر حکومت کرتا رہا اور مشرق و مغرب کے مذہبی خیالات کو اس نے اپنے شکنجۂ اثر میں دبائے رکھا —

مانی نظام ملت خذ ما صفا کے اصول پر قایم تھا ' اور اگرچہ مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدھ مت کی تعلیمات سے بہت سا مواد حاصل کیا لیکن بقول مورخ گبن اُس کی تمام تر جد و جہد کا منشا یہ تھا کہ " عیسویت اور زرتشتیت دونوں کے عقاید کو باہم بغل گیر کرادے " مگر اس کا صلہ یہ ملا کہ اُس پر ایک جانب سے نصرانی اور دوسری طرف سے ایرانی ٹوٹ پڑے تاہم چونکہ وہ یقیناً ایرانی حکومت کی رعایا تھا اور غالباً وہ کم سے کم اُس ایک جانب سے ایرانی تھا اس لئے اس کے نظام میں مسیحیت پر زرتشتیت کا رنگ غالب ہے ؛ اس نے ایک کتاب بادشاہ شاپور کے لئے لکھی تھی ' اسے یقین تھا کہ وہ اس ترکیب سے بادشاہ کو اپنی تعلیم کا حلقہ بگوش

---

* ہرمزد بہرام اول یا بہرام دوم (دیکھو "تاریخ آل ساسان") مترجمہ از طبری نولڈیکی صفحہ ۴۷ نوٹ وغیرہ —

کرلے گا مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک فرمانروا نے اس کو نہایت بے دردی سے قتل کرادیا* ' اس کتاب کا نام شابرقان تھا یا شاپہرکان ' اس کی نسبت البیرونی کا خیال ھے کہ " فارسی کتب میں یہی ایک وثوق کے لایق ھے " کیونکہ " مانی نے اپنے احکامات میں دروغ بیانی سے روکا ھے اور اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ تاریخی واقعات کو بدل دیتا " —

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ

مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں سے فراہم ھوسکتا ھے لیکن جب سے کہ مورخان ایشیا کی بالخصوص فہرست ' البیرونی ' ابن واضح ' الیعقوبی ' اور ' شہرستانی* کی تصنیفات ملنے لگی ھیں ' عام طور سے خیال کیا جاتا ھے کہ مشرقی بیانات اُن معلومات سے زیادہ قابل سند ھیں جو سینٹ آگستائن کی تالیف اور " اعمال آرکیلاس " وغیرہ میں

---

* فہرست (سنہ ۹۸۷ کی تصنیف) مرتبہ فلوگل صفحات ۳۲۸۴-۳۳۸ ' فلوگل نے مانی کے حالات فہرست سے لیکر مع ترجمہ جرمن الگ بھی شایع کئے ھیں اور اس پر مقدمہ اور حواشی لکھے ھیں (۱۸۶۲) —

آثار الباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ صفحات ۲۷ ' ۸۰ ' ۱۲۱ ' ۱۸۹ ' ۱۹۱ ' ۲۲۵ اور ۳۲۹ ' ابن واضح مرتبہ ھوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲ ' —

شہرستانی مترجمہ ھاربرکر بر تاں جرمن ' جلد اول صفحہ ۲۸۵ - ۲۹۱ ' نیز دیکھو - عجم از اسپیگل جلد دوم صفحات ۱۹۵ تا ۲۱۲ علاوہ ہوائے سوبر (۱۷۳۴) موشایم ' باؤر ' اور کیسلر کے =

درج ھیں اور جن پر قدیم الایام میں یورپ کے ارباب قلم نے اس نامور شخص کے حالات لکھنے میں تکیہ کیا تھا - طوالت کا لحاظ دامن گیر ھے اس لئے ھم اس موضوع کو ' جس کی مکمل بحث کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاھئے جو نوٹ مندرجہ کے آخر میں بیان کی گئی ھیں ' چند صفحوں میں محصور رکھیں گے - مفصلہ بالا عربی کی چار کتابوں میں سے الیعقوبی کا ھنوز کسی یورپ کی زبان میں ترجمہ نہیں ھوا ھے - چنانچہ پہلے ھم اس کا بیان ترجمے کے ذریعے سے ھدیۂ ناظرین کرتے ھیں ' پھر بعض ایسے خیالات کا اضافہ کردیں گے جو خاکۂ مضمون کی مزید صراحت کے لئے ضروری ھوگا —

الیعقوبی کا بیان

زندیق مانی ابن حماد شاپور بن اردشیر کے عہد میں ظاھر ھوا ' اس نے شاپور کے (زرتشتی) مذھب کو باطل ٹھیرایا اور اس کو اپنی تعلیم ثنویت کی طرف بلایا ' اور شاپور مائل بھی ھوگیا - مانی کہتا تھا کہ کائنات میں متصرف دو ھیں اور ازلی و ابدی عناصر دو ھیں ' نور اور ظلمت ' خالق دو ھیں خالق خیر اور خالق شر - نور و ظلمت میں سے ھر ایک پانچ صفات یعنے رنگ ' ذایقہ ' بو ' لمس ' اور صوت سے متصف ھے ' انھی کے ذریعے سے وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ھیں ؛ جو کچھ اچھا اور مفید ھے اس کا منبع نور ھے اور جو کچھ برا مضر اس کا منبع ظلمت ھے —

ابتدا میں یہ دونوں (عناصر) الگ الگ تھے ' بعد میں وہ ایک دوسرے سے مل گئے ؛ اور اس کا ثبوت یہ ھے کہ پہلے کچھ نہ تھا بعد

میں حوادث کا وجود ہونے لگا -ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدا ہوئی، کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اسطرح متصل تھے جیسے سا یا اور دھوپ ؛ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے بغیر وجود میں لانا ممکن نہیں - آمیزش کی ابتدا ظلمت کے طرف سے ہوئی، سبب یہ ہے کہ ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی، ناممکن ہے کہ ابتدا نور نے کی ہو؛ کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے- اس بات کی شہادت کہ خیر و شر دونوں ازلی وابدی ہیں ، اس سے ملتی ہے کہ ایک شئے کا وجود تسلیم کیا جائے تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہوسکتے- مثلاً آگ ، گرم اور جلتی ہوي چیز ہے، اس لئے وہ چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کرسکتی، اسی طرح جو چیز ٹھنڈا کرسکتی ہے وہ گرم نہیں کرسکتی؛ جو شے باعث خیر ہو وہ شر نہیں پیدا کرسکتی، اور جو فاعل شر ہے وہ خیر نہیں پیدا کر سکتی - اس کا ثبوت کہ یہ دونوں عنصر زندہ اور عامل ہیں یہ ہے کہ خیر ایک کا نتیجہ ہوتا ہے اور شر دوسرے کا ''—

" اس تعلیم کو شاپور نے مان لیا ، اور اپنی رعایا کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس کی تقلید کرے - مگر اس سے رعایا کو صدمہ ہوا ، سلطنت کے دانشمندوں نے یکدل ہوکر بادشاہ کو اس اعتقاد سے ہٹانا چاہا، لیکن بادشاہ نے ان کا کہا نہ مانا اور مانی نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے نور ظلمت کے اثبات پر زور دیا ہے، اس کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام

---

* دیکھو ''مانی از فلوگل'' نوٹ ۳۲۶ —

کنزالاحیا * ھے' اس میں مصنف نے روح میں نور کے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ کا ذکر کیا ھے' اور وہ معیوب اعمال کو ظلمت سے منسوب کرتا ھے؛ اس کی ایک اور کتاب شابرقان ھے' جس میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین' و معایب روح کا حال ھے' وہ آسمان کو ایک سطح مسطح بیان کرتا ھے' اور کہتا ھے کہ زمین ایک ڈھلوان پہاڑ پر قایم ھے جس پر چرخ بلند گردش کرتا ھے؛ اس کی ایک تصنیف کتاب الہدی والتدبیر ھے اور ایک صحف دوازدہ '' ان میں سے ھر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ھے' ان میں نماز اور راہ نجات کا ذکر ھے؛ ایک کتاب سفرالاسرار* ھے جس میں نبیوں کے معجزے باطل کرکے دکھائے گئے ھیں؛ ایک سفرالجبابرہ ھے ان کے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات ھیں —

پس شاپور اس مذھب پر دس سال تک جما رھا - پھر ایک موبد آتش پرست شاہ پور کے پاس آیا' اس سے کہا ''اس آدمی نے تیرا ایمان بگاڑ دیا' اسے میرے مقابلے پر لا' تاکہ میں اس سے بحث کروں''- پس ان دونوں کا مناظرہ ھوا' موبد نے مانی کا منہ بند کردیا' اور شاپور ثنویت سے مجوسیت کی طرف پھر لوٹ آیا' اس نے مانی کے قتل کا ارادہ کیا مگر وہ بھاگ نکلا' اور ارض ھند میں آ پہنچا' جہاں وہ شاپور کی وفات تک

---

* دیکھو فلوگل کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ جہاں کتاب الفہرست کے مطابق اس کتاب کے مضامین اجمالاً منقول ھیں' یہ کتاب ۱۸ بابوں پر ختم ھوئی تھی —

مقیم رہا —

"شاپور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز سریر آرائے سلطنت ہوا' وہ بڑا دلاور تھا' اسی نے شہر رام ہرمز بسایا تھا' مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ صرف ایک سال تک عنان حکومت پر قابض رہا —

اب عنان حکومت بہرام پسر ہرمز کے ہاتھ میں آئی' جو تفریح و معشوق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ رکھتا تھا' مانی کے چیلوں نے اس کو ہندوستان لکھ بھیجا کہ نیا بادشاہ نوعمر اور عیش کا دلدادہ ہے پس وہ ایران واپس آگیا اور اب اس کے کاموں کا آوازہ پھیل گیا اور اس کی قیام گاہ کا بھی پتہ لگ گیا' بہرام نے طلب کرکے اس کی تعلیم کا حال پوچھا' اور مانی نے اپنی سرگزشت بیان کی' پھر بہرام نے ایک موبد کو بلاکر اس کے مقابلے پر کھڑا کیا موبد نے اس سے بحث کی اور کہا کہ "ہم میں سے ہر ایک پگلا ہوا سیسہ اپنے اپنے پیٹ پر ڈالے جو ضرر سے محفوظ رہے گا وہی حق پر ہوگا*" - لیکن مانی نے

---

* "پگلے ہوئے پیتل کی آزمایش" پہلوی اور عربی کتابوں میں اکثر مقامات پر مذکور ہے' پہلوی مقامات کے لئے دیکھو· اردا ویراف نامک مرتبہ ومترجمہ ھاگ صفحہ ۱۴۴' خاصکر دین کرت کے وہ اقتباسات جو نوٹ میں منقول ہیں' نیز شکند گومانیک ویجار مرتبہ ویسٹ کا صفحہ ۱۲ بھی' عربی مقامات کے لئے القزوینی کی آثار البلاد' صفحہ ۱۶۷ قابل دید ہے' موبد اور مانی کی یہ (تمہید) آزمایش تاریخ گزیدہ (نسخہ کیمبرج نمبر ڈی ۳' ۲۳ ایف ۱۴۵ اے) میں درج ہے —

جواب میں کہا "یہ فعل ظلمت کا ہے" اس پر بہرام نے اس کو زندان میں ڈلوادیا، اور کہا "صبح ہوگی تو میں تجھے بلاکر ایسے طریقے سے قتل کروں‌گا کہ اس طرح تجھ سے پہلے کوئی قتل نہ ہوا ہوگا" —

"پس تمام شب مانی کی کھال کھینچی گئی، تا آنکہ صبح سے قبل اس کا قالب عنصری بے جان ہوگیا، جب صبح ہوئی تو بہرام نے اس کو طلب کیا، لیکن اس کی روح پرواز کرچکی تھی، بہرام نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر جسم میں بھس بھر دیا جائے، پھر اس نے مانی کے معتقدوں پر تشدد کیا، ان کی تعداد کثیر کو تہ تیغ کرادیا، اور بہرام پسر ہرمز نے تین سال حکومت کی" —

کتاب الفہرست* میں مانی کا حال زیادہ مفصل درج ہے، لیکن چونکہ جرمن فان فلوگل کے جرمنی ترجمے میں اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں، اس لئے یہاں ہم صرف چند کام کی باتیں درج کرتے ہیں، فہرست میں مانی کے باپ کا نام فُتّق آیا ہے جو غالباً فارسی "پاتک†" کا معرب ہے، اہل یورپ نے اس نام کو پاتیکی اوس، پے تیکی اس، فیتّی کی اس اور پتیری کی اس لکھا ہے، مانی کا وطن ہمدان تھا؛ یہاں سے وہ ترک وطن کرکے بابل (باکدرا یا باکُسایا) آیا اور مغتسلہ میں جا ملا، یہ فرقہ مینڈایون سے تھا، اور غالباً اسی فرقے کا اثر تھا کہ مانی یہودی مذہب

---

* الفہرست مرتبہ فلوگل صفحہ ۳۲۷ وبعد —

† دیکھو یوسٹی کی کتاب اعلام ایرانیاں (Justis Iranisches- Namenbuch) زیر مانی —

اور بت پرستی سے بہت نفرت کرنے لگا تھا - مانی کی ماں کا
نام مختلف شکلوں میں وارد ہوا ہے وہ کہیں مار*' مریم'
کہیں اوتاخیم اور کہیں میس ہے' کم از کم ممکن ہے کہ وہ
آشکانیوں یا پارتھیوں کے شاہی خاندان سے ہو - اگر یہ قیاس
صحیح ہے تو مانی کے خلاف ساسانی بادشاہوں کے اندیشے اور
مخاصمت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے- خود مانی کے بیان
کے مطابق جس کو شابرقان سے البیرونی نے نقل کیا ہے اس کا
سال پیدایش ۲۱۵' ۲۱۶ ع نکلتا ہے اور اس† کی ایک ٹانگ
میں لنگ تھا - پیدایش سے پہلے توم‡ نامی فرشتہ نے ماں کو
اس کے بیٹے کے عظیم الشان مشن سے خواب میں آگاہ کردیا تھا
مگر وحی الہی بارھویں برس میں البیرونی کے خیال سے
تیرھویں برس یعنے (سنہ۲۲۷ - ۲۲۸ میں) اترنی شروع ہوئی
اور تلقین و اشاعت مذہب کا حکم اس کو ۲۴ سال کی عمر میں

---

* فہرست میں مرمریم لکھا لیکن وہاں مرمرا ہے —

† وکان احدف الرجل فہرست صفحہ ۳۲۸ سطر (۱) —

‡ فہرست میں صرف یہ ہے کہ بیٹے کے متعلق اچھے اچھے
خواب دیکھا کرتی تھی اور بیداری میں اسے ایسا نظر آتا تھا
گویا کوئی شخص اس کے بیٹے کو لیکر خلا میں چڑھ گیا ہے' اور
اور پھر اسی کو لوٹا گیا ہے' کبھی کبھی یہ غیر حاضری دو دو دن
کی ہوتی تھی- صاحب الفہرست نے لفظ توم سریانی لفظ 'تاما' سے
لیا ہے' جس کے معنی قرین کے ہیں اور جس کو انگریزی میں
ڈبل کہتے ہیں اور جو غالباً ہماری اصطلاح میں 'ہمزاد'
کے مرادف ہے - صورت لفظی میں سریانی تاما ۔ عربی توأم —
بابلی توآم —

ملا - مروی ھے کہ اس نے اپنے دعاوی کا باقاعدہ اعلان شاپور کے سامنے ۲۰ مارچ سنہ ۲۴۲ ع کو بادشاہ کے دربار تاج پوشی میں کیا، بظاھر ایسے اھم شاھی دربار میں اس کو شاپور کے بھائی فیروز کی وساطت سے جو اس کی تعلیم پر سر ایمان خم کرچکا تھا رسائی حاصل ھوئی ھوگی- غالباً جب وہ بادشاہ کی نظروں سے گرگیا تو اس نے ھندوستان اور مشرق * کے طویل سفر کئے، اس کی واپسی اور اس کا وحشیانہ قتل بہرام اول کے مختصر عہد (۲۷۳ - ۲۷۹ع) کے واقعات ھیں جن کو البیرونی، الیعقوبی اور طبری تینوں نے لکھا ھے، البیرونی† "فارھم زخاؤ صفحہ ۱۹۱ کا بیان یہ ھے :—

"ملت مانی کو اردشیر، اس کے بیٹے شاپور اور شاپور کے بیٹے ھرمزد کے عہد میں بتدریج فروغ ھوتا رھا تا آنکہ ھرمزد کا بیٹا بہرام مسند نشین ھوا - اس نے مانی کو تلاش کرایا اور جب وہ ھاتھ آگیا تو اس نے کہا، یہ شخص لوگوں کو تخریب عالم کی دعوت دیتا ھے اس لئے ضروری معلوم ھوتا ھے کہ اس کے منصوبے بارور ھونے سے پہلے ابتدائے تخریب ھم اسی کی ذات سے کریں - مشہور یہ ھے کہ بہرام نے مانی

* فارس نامہ ابن البلخی صفحہ ۶۲ و بولایت چین رفت —

† مطابق آثارالباقیہ میں عربی صفحہ ۲۰۸ سطر ۱۵ —

کو قتل کیا، پھر اس کی کھال اُتروائی،
اس میں بھس بھروایا اور پھر اس کو
جندی شاپور کے دروازے پر لٹکایا جو
اب تک "مانی دروازہ" کہلاتا ھے -
ہرمزد نے بہت سے مقلدان مانی کو
بھی مروا ڈالا - میں نے اسپہبد موزبان
بن رستم سے خود سنا ھے کہ شاپور
نے اس کو ملک بدر کردیا اور یہ
زرتشت ارشد حکم کی تعمیل میں
کیا گیا کہ نبوت کے جھوٹے دعویداروں
کو جلا وطن کردیا جاے اور مانی کو
اس شرط کا پابند کیا کہ وہ ایران
میں پھر قدم نہ رکھے - پس وہ
ھندوستان اور تبّت اور چین گیا اور
اپنے مذھب کی منادی کرتا پھرا، بعد
میں وہ واپس آگیا اور بہرام کے
ھاتھہ سے گرفتار ھوکر قتل ھوا، کیونکہ
وہ نقض شرط کا مرتکب ھوا، اس
لئے اس کا خون مباح ھو گیا" —[۵]

دیکھنا یہ ھے کہ مانی کے عقاید ایسے کیا تھے تو کہ پارسی
ملاؤں کے دل میں بیر پڑ گیا، دیگر ممالک تو درکنار صرف مشرق
میں آٹھویں صدی کے آخر تک یہ ملّا اس قدر قوت و اثر
رکھتے تھے کہ عباسی خلیفہ المہدی نے ایک افسر تحقیقات

مقرر کیا جو 'صاحب' یا عارف الزنادقہ کہلاتا تھا ' تا کہ ان لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دی جاے'جو بظاہر مسلمان اور در پردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے - اس کے سوا ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لفظ زندیق جس کا اطلاق اولاً پیروان مانی پر ہوتا تھا رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دنیاے اسلام میں کس طرح دہریوں اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا -

زندیق کا مفہوم ہم آخرالذکر سوال کو پہلے چھیڑتے ہیں' کیونکہ یہ بلحاظ اختصار چند سطروں کا محتاج ہے - عام خیال* ہے کہ "زندیک" فارسی کا 'اسم صفت' ہے' اور اس کے معنی "ژند کا معتقد" ہیں' یعنے اصل متن کی بجاے تفسیر اوستا صفحہ (۱۳۹ و ۱۴۰) کا معتقد ہو اور اس کو اپنا دین و ایمان سمجھے - یہ لفظ مانیوں کے لئے اس واسطے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ غیر مذاہب کی الہامی کتابوں کے معنے اپنی راے کے مطابق لینے پر مائل تھے اور اپنی منشاء کے موافق ان کے معنی پیدا کرتے تھے' یہ طریقہ کچھہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلک ادریت میں "معرفت" (یونانی ناسز) اور بعد کے اسماعیلیوں کی اصطلاح میں "تاویل" کا طریقہ تھا † - لیکن پروفیسر بے ون کی تشریح اس سے زیادہ قرین

---

* مثلاً دیکھو فارس نامہ ابن البلخی (گب سیریز) صفحہ ۶۲ سطر ۱۷ —

† لفظ "زندیکہ" مینو خرد میں بھی آیا ہے (مرتبہ ویسٹ بابت سنہ ۱۸۷۱ ، باب ۳۶' صفحہ ۳۷) اور اس کی تشریح یہ کی گئی ہے "شیاطین کو اچھا سمجھنے والا" صفحہ (۲۲ ، ۲۳) —

صحت معلوم ہوتی ہے۔ فہرست (''مانی'' صفحہ ۹۴ از فلوگل) اور البیرونی (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) میں درج ہے کہ لفظ ''سمّاع'' (سننے والا) مانیوں کے اس ادنیٰ طبقے کے لئے مخصوص تھا، جو افلاس، تجرد، اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیاں اپنے آپ پر عاید نہ کرنا چاہتا تھا اور صلحا و زہاد جنھیں حکم تھا کہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں، حرص و ہوا کو ترک کریں، زہد کو کام میں لائیں مسلسل روزے رکھیں، اور جہاں تک ممکن ہو خیرات کریں، اُن کے لئے لفظ ''صدیق'' (جمع صدیقوں) تجویز کیا گیا تھا، یہ لفظ عربی ہے مگر غالباً اس کی اصل آرامی زبان میں ''زدّیقاے'' تھی جو فارسی میں آکر ''زندیک'' ہو گئی۔ زدّیقاے، کی دال مشدد زندیک میں ''ند'' سے جس اصول پر بدل گئی اس کی ایک تمثیل ''شبند'' (موجودہ شنبہ) میں ملتی ہے، یعنی یہ لفظ در اصل ''سبّت'' تھا، فارسی میں اس کی مشدد ب ''نب'' سے بدل کر لفظ ''شبند'' ہو گیا۔ دوسری تمثیل کے لئے سنسکرت کا لفظ ''سدّھانت'' ملاحظہ ہو، جو اصول مذکور پر ''سندھند'' بن گیا ہے (اس قول کے مطابق ''زندیک'' (جو عربی میں زندیق بنا لیا گیا) آرامی ''زدیقاے'' کی محض فارسی شکل ثابت ہوتی ہے جو صرف تقویٰ شعار مانویوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور ابتدا میں فرقۂ مانویہ کے لئے مخصوص تھا مگر بعد کے زمانے میں عام طور پر ''بدعتی'' کے معنوں میں استعمال ہونے لگا) پروفیسر بے ون نے ایک اور دلچسپ جرمن لفظ کیٹ زر (= بدعتی) کی نظیر پیش کی ہے،

جو یونانی لفظ کتھراے (= پاک) سے مشتق ہے* —

مانویوں کے عقاید

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مسلمان مصنف مانویوں کو مرقیونیہ† اور بردیصانیہ کی طرح اہل ثنویت میں شمار کرتے تھے - مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زرتشتی بھی تو حقیقتاً ثنوی ہیں، پھر زرتشتی اور مانوی مذہب میں اس قدر شدید دشمنی کس طرح پیدا ہوئی- اس کے جواب کے لئے زیادہ غور و تحقیق کی ضرورت نہیں- آتش پرستوں کے ہاں نیک و بد موجودات یعنے (ہرمزد اور انرہ مینوش = اہرمن) کی جداگانہ اقلیموں میں سے ہر ایک بجاے خود روحانی جز اور مادی جز پر مشتمل ہے - نہ صرف امشسپند اور فرشتے ہیں بلکہ عناصر مادی جملہ حیوانات و نباتات جو انسان کے لئے مفید ہیں نیز وہ لوگ جو دین با آئین یعنی زرتشتی مذہب کو سرمایۂ ایمان سمجھتے تھے اہرمزد کی طرف سے اہرمن کے لشکر دیو، درج، خرفستر‡ یعنی موذی حیوانات، ساحروں، شعبدے بازوں، بد عقیدہ لوگوں اور بدعتیوں سے لڑے - زرتشتی مذہب میں اگرچہ روحانی عہدہ داروں کا ایک باضابطہ و دقیق نظام قایم

---

* دیکھو "تاریخ و تعلیم" فرقہ کتھراے یا البی جیسیہ مصنفہ سی شمٹ (پیرس ۱۸۴۹)—

† دیکھو الفہرست صفحہ (۳۳۸ - ۳۳۹)—

‡ دیکھو پہلوی بازند فرہنگ مرتبہ ھاگ (نہ معلوم پروفیسر براون نے جو املا اس لفظ کا دیا ہے اس کی سند کیا ہے)—

کیا گیا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی اور حقیقتاً وہ اس لحاظ سے ایک مادی مذہب ہے کہ وہ اپنے معتقدوں کو "توالد و تکاثر اور زمین کو معمور کرنے" کی تاکید کرتا ہے اور تخم ریزی اور فصلیں حاصل کرنے میں جانفشانی کا حکم دیتا ہے* - برخلاف اس کے مانی کی تعلیم میں نور و ظلمت کی آمیزش جس نے عالم مادی کو پیدا کیا سرے سے بری چیز تھی اور محض قوائے ظلمت کا نتیجۂ عمل تھا، آمیزش کو اگر اچھا کہہ سکتے ہیں تو صرف اس اعتبار سے کہ اس میں نور کے ان ان اجزا کے لئے جو ظلمت میں اٹک کر رہ گئے تھے، اپنے مناسب مقام کی طرف واپسی اور نجات حاصل کرنے کے ذرائع (عیسیٰ حساس؟ دیکھو "عجم" از اسپیگل، دوم صفحہ ۲۲۶) موجود ہیں، جب ان اجزا کو حتی الامکان نجات حاصل ہوجائے گی تو وہ فرشتے جن پر زمین و آسمان قایم ہیں، اپنی اپنی گرفت کو ڈھیلا کردیں گے اور عالم مادی درہم و برہم ہوجائے گا، آخر کار کائنات جل کر خاک ہوجائے گی تب لافانی اور ناقابل تسخیر ظلمت سے نور کی علیحدگی اور اس کی نجات کا آخری وقت آئے گا۔ قبل اس کے یہ حالت رونما ہو، عمودالسبح† (یعنی پرہیزگاروں کی نماز و تسبیح تقدیس اور اعمال صالحہ سے جو آسمان کی طرف

---

* مقابلہ کرو ڈارم شٹیٹر کے انگریزی ترجمہ اوستا سے، مطبوعہ ایس بی ای جلد اول صفحہ ۱۴۶ اور نوٹ نمبر ۱ سے جو فرد گرد چہارم صفحہ ۱۴۷ پر لکھا گیا ہے —

† الفہرست صفحہ ۳۳۰ سطر ۲۱۔

چڑھتے هیں اور کہکشاں * بن کر صاف نظر آتے هیں) کے ذریعے
نور کے ٹکڑے ظلمت کی قید سے آزاد هوکر اوپر بلند هوتے هیں
اور بالآخر آفتاب و مہتاب کی کشتیوں میں سوار هوکر
" جنان النور " میں جو اُن کا اصلي مستقر هے پہنچ جاتے هیں؛
لہذا مانویوں کے نزدیک هر وہ فعل جواس نور و ظلمت کی
آمیزش کا معاون هو (مثلاً مناکحت و تناسل ' مذموم اور قابل
گرفت هے)- اب هم سمجھہ سکتے هیں کہ هرمز کا ان الفاظ سے
" اِس شخص نے تخریب عالم کي لوگوں کو دعوت دی هے "
کیا مطلب تھا- الغرض زرتشتیت میں عصبیت اور جنگ جوئی'
مادیت اور شہنشاهی (Imperialism) اقتدار و تسلط کی
تعلیم هے ؛ مانویت میں عدم عصبیت ' تسلیم و رضا اور زهد
و بے نفسی کی هدایت هے ؛ اصولاً دونوں فرقوں میں
بعدالمشرقین هے ' با وجود ظاهری مماثلت کے جیسے اسپیگل نے
" عجم " جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۲۳۲ میں تفصیل سے بیان
کیا هے - درحقیقت دونوں میں لزوماً اور اصولاً تضاد موجود
هے ' یہودی مذهب اور روایتی (Orthodox) عیسویت و
اسلام سے بھی مانی کی تعلیم اسی قدر متضاد هے ' اس میں
شک نہیں کہ دوسرے تین مذاهب کی نسبت یہود نے مانویہ
کو کم تکلیفیں دیں ' لیکن اس کا سبب یہودیوں کا اجتناب
ایذا رسانی نہ تھا بلکہ ان کی بے بسی اور بے مائگی تھی '
کیونکہ اوپر مذکور هوچکا هے کہ مانی کے دل میں یہودیوں سے

---

* دیکھو مانی از فلوگل صفحہ ۲۳۱ " عجم " از اسپیگل
جلد دوم صفحہ ۲۱۷ —

خاص طور پر نفرت تھی —

اس فرقے کے بعض مسائل مثلاً نور و ظلمت کی آمیزش کے اسباب ، ملک جنان النور اور اس کے متعلق خیالات ، انسان اول ، شیطان ، نور کو قید سے رہا کرنے کے لئے عالم مادی کے اسباب ، حضرت آدم و حوا اور ہابیل و قابیل کی بابت مانویوں کے مضحک اعتقادات ، حکیمۃ الدھر ، ابنۃ الحرص ، روفریاد ، برفریاد ، اور شاثل (شیث) وغیرہ کی تفصیل اس مقام پر ناممکن ہے - مانی نے انبیاء عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کیا مگر ان کے عوض نہ صرف زرتشت اور بدھ کو نبی مرسل تسلیم کیا بلکہ حضرت عیسیٰ کو بھی مان لیا ، تاہم " وہ مسیح صادق " کو جو عالم نور کا ایک خیال * اور لباس طیفی میں ملبوس تھا ، مسیح مصلوب سے الگ بتاتا ہے ، جو اس کا مثیل اور دشمن اور " ابن ارملہ " تھا ، اور عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کی بابت مانی کا یہ عقیدہ (حضرت) محمد (صلعم) نے اختیار کرلیا † ، قرآن (سورہ ۴ آیت ۱۵۶)

---

* خیال بمعنی طیف جیسے حماسہ کے شعر میں (خیال لام السلسبیل و دونہا ، مسیرۃ شہر للبرید المذبذب) —

† یہ عبارت اور اس کے ثبوت میں ایک آیت نقل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف قرآن کریم کو آنحضرت علیہ السلام کی تصنیف سمجھتا ہے —

اختیار عقیدۂ مانی غلط و خیال تصنیف غلط در غلط — مترجم

میں آیا ھے —

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ و لکن شبہ لہم و ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ لقیناً ' بل رفعہ اللہ الیہ و کان اللہ عزیزاً حکیماً —

اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ هم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو رسول خدا تھے قتل کر ڈالا اور (حقیقت یہ ھے کہ) نہ تو انھوں نے ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا مگر ان کو ایسا ھی معلوم ھوا ' اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ھیں وہ اس معاملے میں شک میں پڑے ھوے ھیں ' ان کو اس کی خبر نہیں ھے اور صرف گمان کی پیروی کرتے ھیں ' یقیناً لوگوں نے عیسیٰ کو تو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ زبردست اور حکمت والا ھے —

مشرق میں مانو یہ کی ترقی

مشرق میں مانو یہ کی تاریخ کی نسبت هم بیان کرچکے ھیں کہ (خلیفہ ھارون کے باپ المہدی کے عہد (۷۷۵ - ۷۸۵ عیسوی) کی تعداد

اس قدر کثیر تھی کہ حکومت کی جانب سے ایک خاص افسر * مامور کیا گیا تاکہ انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دے - مصنف الفہرست (۹۸۸ ع) اکیلے بغداد میں ۳۰۰ نفوس کو جانتا تھا اور البیرونی (سنہ ۱۰۰۰ ع) ان کی تصنیفات خصوصاً شابرقان (صرف یہی کتاب ہے جس کو مانی نے فارسی میں یعنی بزبان پہلوي لکھا باقی اس کی اهم کتابوں میں سے چھ سریانی میں هیں) سے واقف تھا اور اس نے بعض اقتباسات نقل بھی کئے هیں جن میں ابتدا کے یہ الفاظ † (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) بھی شامل هیں :—

مانی کی ایک کتاب کا اقتباس

" خدا کے رسول نوع انسان کے پاس وقتاً فوقتاً حکمت اور اعمال لائے هیں چنانچہ ایک زمانے میں خدا کے رسول ان کو هندوستان لائے ' دوسرے میں زرتشت ایران میں لائے ' پھر مغرب میں حضرت عیسیٰ ' ان سب کے بعد آخری زمانے میں یہ وحی اور یہ پیشین گوئی میری یعنی مانی رسول خدائے حق کی معرفت بابل میں اتری "—

الفہرست (صفحہ ۳۳۷) میں مانیوں کا نقل مکان اس طرح بیان کیا گیا ہے :—

" سمنیہ کے علاوہ فرقۂ مانی وہ پہلا مذهبی گروہ تھا جو بلاد ماوراالنہرمیں داخل هوا ' اس کا سبب یہ تھا کہ جس

---

* اس کو عارف الزنادقہ کہتے تھے —

† مطابق آثارالباقیہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۲۰۷ —

وقت کسریٰ (بہرام) نے مانی کو قتل و مصلوب کیا اور اپنی مملکت میں مباحث مذہبی کو ممنوع قرار دیا تو اس نے پیروان مانی کو جہاں پایا وہیں قتل کرنا شروع کیا اس پر/یہ لوگ بہرام کے سامنے سے بھاگ نکلے اور دریاے بلخ کو عبور کرتے ہوے ولایت خان (خاقان) میں آباد ہو گئے - خان (خاقان) ان کی زبان کا وہ لقب ہے جو ترک بادشاہوں نے اختیار کر رکھا تھا' پس یہ لوگ عرصے تک ماورالنہر میں رہے' یہاں تک کہ اقبال ساسان نحوست میں آیا اور اہل عرب کو عروج ہونے لگا' اس پر وہ ان ممالک (عراق' بابل) میں واپس لوٹے' بالخصوص جبکہ حکومت ایران کے اجزا پراگندہ ہو رہے تھے اور بنی امیہ کو مسند خلافت مل چکی تھی - خالد بن عبداللہ القسری * نے ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا لیکن اس فرقے کی امارت کا عہدہ سواے بابل کے کسی اور حصۂ ملک میں قایم نہ ہو سکا' لیکن اس کے بعد رئیس جہاں کہیں زیادہ سلامتی دیکھتا وہاں چلا جاتا - مانویہ کا آخری اخراج خلیفۃالمقتدر (۹۰۸ - ۹۳۲) کے زمانے میں ہوا' جب کہ وہ جان کے خوف سے خراسان چلے گئے تھے' باقی جو پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنا مسلک چھپاتے تھے اور ان اضلاع میں

مانویوں کا نقل مکان

---

* یہ شخص مانویہ کا زبردست حامی تھا' خلیفۃ الولید کے ہاتھہ سے ۷۴۳ میں مارا گیا؛ دیکھو "مانی" از فلوگل صفحہ ۳۲۰ - ۳۲۲ —

مارے مارے پھرتے تھے ۔ ایک دفعہ تقریباً پانسو کی کی تعداد میں وہ بمقام سمرقند جمع ہوے اور ان کے عقائد کا حال کھل گیا ۔ خراسان کے گورنر نے ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر خاقان چین (شاید صاحب تغزغز مراد ہے) نے اس کو لکھا کہ " میرے ہم مذہب جس قدر تعداد میں وہاں ہیں اس سے دوگنی تعداد میں تیرے ہم مذہب یعنے مسلمان میری سلطنت میں ہیں " پھر قسم کھائی کہ اگر تیرے ہاتھہ سے میرا ایک ہم مذہب بھی مارا گیا تو میں انتقاماً سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کردوں گا ، مسجدوں کو ڈھادوں گا اور اپنی باقی مملکت میں تحقیقات کراکے ہر ایک مسلمان کو نکالونگا ، اور انھیں قتل کراونگا ۔ اس بنا پر خراسان کے والی نے اُن کو چھوڑ دیا اور صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا ۔ اسلامی حدود میں ان کی تعداد گھٹ گئی ، معزالدولہ (۹۴۶ - ۹۶۷) کے عہد میں مدینۃالسلام کے اندر ان کے تین سو آدمیوں کا مجھہ کو علم تھا لیکن آج دل پایۂ تخت میں ان کے پانچ آدمی بھی نہیں اور یہ لوگ آجاری کے نام سے مشہور ہیں اور سمرقند و صغد کے دیہات خصوصاً نویکت میں پھیلے ہوے ہیں "—

مؤلف‌الفہرست نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست درج کی ہے جو بظاہر مسلمان تھے مگر بباطن مانوی عقائد رکھتے تھے ان میں اشخاص ذیل بھی شامل ہیں:—

۱ - الجعد بن درہم *، اموی خلیفہ ہشام (۷۲۴ - ۷۴۳ ع) کے ہاتھہ سے مارا گیا —

۲ - شاعر بشّار بن برد - سنہ ۷۸۳ ع میں قتل ہوا —

۳ - برامکہ کا تقریباً پورا خاندان سوائے محمد بن خالد بن برمک —

۴ - خلیفہ مامون رشید (۸۰۳ - ۸۳۳ ع) مگر مصنف فہرست کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے —

۵ - محمد ابن الزیات † وزیرالمعتصم، سنہ ۸۴۷ ع میں قتل کردیا گیا، ان کے سوا اور لوگ —

مانویہ کے مختلف طبقے اور ان کے فرائض | پیروان مانی پانچ طبقوں میں تقسیم تھے :—

۱ - معلمون = اساتذہ جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۲ - مشمسون — (وہ جن کو شمس نے منور کیا ‡) جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۳ - قسیسون = (مذہبی پیشوا) جو ابناء العقل کہلاتے تھے —

۴ - صدیقون = (یا صاحبان ایمان) جو ابناء الغیب کہلاتے تھے —

---

* یہاں جناب پروفیسر سے کچھہ تسامح ہوا ہے - صاحب فہرست نے جعد کو رؤساء منانیہ میں تو شمار کیا ہے مگر اس کی نسبت یہ نہیں لکھا کہ وہ بظاہر مسلمان تھا —

† و قیل کان محمد بن عبدالملک الزیات زندیقاً الفہرست صفحہ ۳۳۸ —

‡ دیکھو " مانی " از فلوگل صفحہ ۲۹۴ — ۲۹۹ اس کے معنی مشتبہ ہیں —

۵ - سمّاعون (سننے والے) جو ابناءالفطنہ کہلاتے تھے—

/ان کے لئے نماز چہارگانہ یا ہفت‌گانہ فرایض میں داخل تھی' اور بت پرستی' جھوٹ' بخل' قتل' زنا' چوری اور تعلیم حیل و سحر' ریا فی‌الدین اور فرائض میں سستی سے بچنے کا حکم تھا - ان احکام عشرہ کے علاوہ دیگر معتقدات یہ تھے:- چار حقایق اعلیٰ کا یقین یعنی خدا کا جو جنان نور کا بادشاہ ہے اور خدا کے نور کا' اس کی قدرت اور اس کی حکمت کا' ہر ماہ میں سات دن کے روزے' اور "مواہیر ثلاثہ" کا ایمان' سینٹ آگسٹائن اور دوسرے عیسائی مصنفوں نے ان "مواہیر ثلاثہ" کو منہ' ہاتھ اور قلب کی مہریں (نشانات) لکھا ہے /اور ان سے مراد یہ ہے کہ انسان کو برے الفاظ' برے کام اور برے خیال سے بچنا چاہئے' یہ اصول پارسیوں میں بھی ہفت (الفاظ نیک) ہورشت (اعمال نیک)' ہُمت (خیالات نیک) کے نام سے رائج ہے - صوم و صلواۃ اور بعض ارکان صلواۃ کی تفصیل کتاب الفہرست میں منقول ہے' اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مانی کے بعد روحانی افضلیت کی بنا پر اس مذہب میں کتنے فرقے پیدا ہوے اور دو خاص فرقوں میں ایک - مہریّہ کہلاتا تھا اور دوسرا مقلاصیّہ - بیان ہوچکا ہے کہ مانی کی کتابوں میں سے چھہ سریانی اور ایک پہلوی میں تھی' لیکن ان کا رسم‌الخط جسے مصنف نے خود ایجاد کیا تھا' نہایت عجیب و غریب تھا' فہرست میں اس کا نمونہ درج ہے مگر یہ نمونہ موجودہ نسخوں میں بہت حد تک مسخ اور بدنما ہو چکا ہے (موجودہ بابیوں نے بھی ایک جدید

طرز کی تحریر نکالی ہے جس کو وہ خط بدیع کہتے ہیں)
مگر بظاہر مانیوں نے اپنے رسم الخط اور عموماً فن کتابت
پر بہت کاوش اور توجہ کی ہے، چنانچہ الجاحظ (نویں صدی ع)
نے اس خط کے سلسلے میں ابراہیم السندی کا ایک قول نقل
کیا ہے کہ "اگر وہ نہایت سفید، بہتر سے بہتر کاغذ اور نہایت
کالی روشنائی اور کاتبوں کی ترتیب پر اس قدر جان‌کاہی
نہ کرتے تو اچھا ہوتا"(اس قول سے جیسا کہ پروفیسر بے ون
استدلال کرتا ہے ایران میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مانی*

ارژنگ مانی کا افسانہ

ایک اعلی درجے کا مصور تھا، آج بھی اہل
ایران کا عام عقیدہ ہے کہ مانی نے ارژنگ یا
ارتنگ نام کی ایک کتاب التصاویر تیار کی تھی اور اس کو
وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے ثبوت میں
پیش کرتا تھا† —)

---

(۳۰)

نوشیروان اور مزدک

سیرت نوشیروان

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول خدا حضرت محمد
(صلعم) نے فرمایا کہ "میں نوشیروان عادل

---

* خان نے کاق نے طرفان (وسط ایشیا) کے کھنڈروں سے مانویہ
کی کتابوں کے اوراق یا پرچوں کے ٹکڑے اور دیگر مواد حاصل کیا ہے
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مانویہ کو حقیقتاً اپنی کتابوں وغیرہ کو
مصور اور رنگین کرنے کا خاص شوق تھا ۔ مترجم

† دیکھو شاہنامہ جلد سوم صفحہ ۱۴۵۳—۱۴۵۴ مترجمہ میکن —

کے عہد میں پیدا ہوا تھا" (ولدت فی زمن ملک العادل) آپ کی مراد خسرو انوشک روباں (لافانی روح کا) سے ہے، اہل ایران آج تک نوشیرواں کو عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور شاہانہ صفات کا کامل نمونہ سمجھتے ہیں لیکن اوپر تصریح ہو چکی ہے کہ یہ فیصلہ بلا تامل منظور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نوشیرواں نے اپنا لقب معدلت و انصاف (جس طرح کہ ان الفاظ کو ہم سمجھتے ہیں) کی بدولت حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اہل بدعت کے قتل و استیصال کے صلے میں مجوسی پیشواؤں نے اس کو عطا کیا تھا، جن کے متعصب ہاتھوں سے قومی تواریخ کا مرقع تیار ہوا تھا؛ اسی طرح یزدگرد اول (بزہ گر=گنہگار) کا وہ داغ بدنامی ہے جو اس کی زندگی کے کسی مذموم فعل سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی وسیع القلبی اور مذہبی رواداری بلکہ اُس بے اعتنائی کا نتیجہ ہے جو فرمانروائے مذکور نے اپنے زرتشتیوں کے ساتھ برتی - تاہم کوئی شخص نوشیرواں کی نسبت، جو اگر چہ سیاسی ضرورت سے خوارج و اہل بدعت کے لئے اپنا خنجر تیز رکھتا تھا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مذہب کے معاملے میں اشد متعصب اور دیوانہ تھا بلکہ برعکس اسکے وہ مذاہب غیر کی باتیں اور مسالک فلسفہ کی حکایتیں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا - اس لحاظ سے وہ خلیفہ مامون اور شہنشاہ اکبر کا جو افکار فلسفہ اور مباحث مذہب کے شیدائی تھے ہم مذاق معلوم

ہوتا ہے - نولڈیکی ("تاریخ آل ساسان" صفحہ ۱۶۰* نوٹ نمبر۳) جو اہل ایران کو پسند کرنے کی طرف مائل نہیں نوشیرواں کے خصائل کی نہایت موافق تلخیص کرتا ہے اور اپنے بیان کا خاتمہ ان الفاظ کے حوالے کرتا ہے:—

"بہ حیثیت مجموعی خسرو
(نوشیرواں) یقیناً ایران کے سب سے
بڑے اور سب سے بہتر بادشاہوں میں
ہے لیکن اس کی عظمت و خوبی اُس
کو اندھا دھند بے رحمی سے نہ روک سکی
اور حق و راستی کا اسے اس قدر پاس
تھا جس قدر اہل ایران کو (جن میں
ان کے بہترین افراد بھی شامل ہیں)
ہوا کرتا ہے [یعنی بہت کم]"

نفس واقعہ یہ ہے کہ مزدکیوں کے استیصال، رومیوں (بزنطینوں) کی سرکوبی، اس کے دانشمندانہ آئین، قومی اغراض کی نگہداشت اور اس کے عہد (۵۳۱—۵۷۸) کی سرسبز اور مرفہ حالت ان تمام چیزوں نے ایشیا میں اس کے نام کو چار چاند لگا دئیے ہیں اور وہ سلاطین کے لئے بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے، لیکن یورپ میں اس کی شخصیت نے اس سبب سے اپنا رنگ جمایا ہے کہ اس نے یونانی فلاسفروں کا جو شاہنشاہ ستی نیان کی

---

* نولڈیکی کا نوٹ جس کا حوالہ دیا گیا ہے صفحہ ۱۶۰ سے شروع ہوتا ہے نہ کہ ۱۵۰ سے، خاتمہ کے الفاظ صفحہ ۱۶۲ پر ہیں —

فلسفیان یونان یا افلاطونین جدید (نیو پلیٹونسٹ فلاسفرز)

مذہبی تنگ ظرفی سے تنگ آکر اپنے وطنوں سے بھاگ نکلے تھے، اپنے دربار میں خیر مقدم کیا اور رومیوں کو شکست دے کر جب صلح نامہ مرتب کیا تو اس میں یہ مخصوص دفعہ رکھی کہ یہ علما اپنے ملک کو واپس جائیں تو ان کو نہ چھیڑا جائے، اور آزادیء خیال دی جائے، دوسرے وہ علم و فن کا عاشق اور ارباب فضل کا قدر دان تھا، اس نے جندی شاپور میں ایک زبردست طبیہ مدرسہ قایم کیا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ سنسکرت اور یونانی کتابوں کو پہلوی میں ترجمہ کرایا ہے، ان وجوہ سے اس کی نسبت اہل یورپ کا یہ اعتقاد ہوگیا تھا کہ "ایران کے تخت پر افلاطون کا شاگرد جلوا آرا ہے*" —

افلاطونیات جدید (نیو پلے ٹونسٹ آئڈیاز) کی ایران میں اشاعت

ہمارے نزدیک افلاطونین جدید یا مذکور الصدر یونانی فلسفیوں کی دربار عجم میں باریابی اور اس کی اہمیت پر کافی توجہ نہیں کی گئی ہے، اہل یورپ کو اب کچھ کچھ خیال ہو چلا ہے کہ اہل ایران کے متاخر تصوف یا تعلیم صوفیہ کو جس کا مفصل ذکر اواخر کتاب میں آئے گا افلاطونیت جدید نے کہاں تک متاثر کیا ہے اور اگر دارم شتیٹر کا خیال صحیح ہے تو خود پیروان زرتشت نے بھی

---

* گبن کی مشہور قلم کا نوشتہ نوشیرواں کا حال تاریخ گبن "انحطاط و زوال" جلد دوم کے صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۷ میں دیکھو، ایڈیشن سنہ ۱۸۱۳ ع —

اس چشمے سے مستفید ہونے میں دریغ نہیں کیا' اس مسئلے پر ہمارے دوست اور سابق شاگرد آر۔ اے نکلسن' فیلو ٹرینٹی کالج' کیمبرج نے اپنی تالیف "انتخاب دیوان شمس تبریز" (کیمبرج سنہ ۱۸۹۸) میں حسن اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تاریخی زمانے میں یونان کے فلسفی اور علمی خیالات سے اہل مشرق زیادہ تر آل عباس کے ابتدائی دور حکومت میں روشناس ہوے۔ مامون بن ہارون رشید (۸۱۳ تا ۸۳۳) کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا جس میں یونان کا مایۂ علوم منتقل کرلیا گیا تھا لیکن گمان غالب ہے (گو پہلوی خصوصاً غیر مذہبی کتب کے ناپید ہوجانے سے اس گمان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا) کہ یہ در آمد علوم نوشیروانی عہد یعنی چھٹی صدی عیسوی میں شروع ہوچکی تھی اور دیگر خیالات کے مثل عقاید صوفیہ کا آغاز اسلامی دور سے پہلے ساسانی ایام میں ہوا تھا - نوشیروانی حکومت میں عیسائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اگرچہ دین مسیحی کی امن دوست تعلیم کو نوشیروان نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس کے عیسائی بیٹے' نوش زادہ نے بغاوت کرکے (صفحہ بالا ۱۳۶) اس کو برہم بھی کردیا تھا مگر یہ امور خطرناک اور سرکش مانوفی سائٹ* (وحدت مسیح کے ماننے والے) عیسائیوں کو نوشیروان کے ہاتھ سے حقوق دلوانے میں حائل اور رومیوں سے صلح کرتے وقت صلح نامے میں

---

* دیکھو " ساسانی " مصنفہ نولڈیکی صفحہ ۱۶۲ وغیرہ ؎

رومن کیتھولک* کو مراعات عطا کرنے میں مانع نہ ہوے، بلکہ یواگیری اس اور سی بی اوس نے تو یہ دعوی کیا ہے کہ مرنے سے پہلے نوشیروان خفیہ طور پر اصطباغ سے مشرف ہوگیا تھا، یہ خیال گو بالکل غلط ہے لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر نوشیروان کو عیسائیوں پر مہربان سمجھا جاتا تھا، اور بخیال نولدیکی عیسائیوں نے اپنی شکر گزاری کا رقت انگیز ثبوت بادشاہ کی وفات کے ایک سو برس بعد اس وقت دیا جب کہ انھوں نے اس کے بدنصیب اور آخری جا نشین یزد گرد سوم کی لاش کا غیر مدفون پڑا رھنا گوارا نہ کیا - لیکن نوشیروان کی رواداری سلطنت کی سلامتی اور امن عامہ کے تابع تھی اور اشتراک پسند مزدک کی تعلیم جس کا ذکر اب شروع کیا جاتا ہے ان دونوں چیزوں کو صدمہ پہنچانا چاہتی تھی —

مزدک | مزدک کے متعلق جس قدر حالات ملتے ہیں ان کو نولدیکی † نے نہایت احتیاط سے جمع کرکے اپنی

* گبن صفحہ ۳۰۵ اور حاشیہ ۵۲ وغیرہ —

† اس محقق نے رسالہ ڈی- آر میں (بابت فروری سنہ ۱۸۷۹ صفحہ ۲۸۴ وغیرہ) اس کا زیادہ عام فہم حال لکھا ہے، مزدک کی بابت نہایت قدیم اور معتبر حالات یا حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں —

ماخذ معلومات ۱ - پہلوی | (۱) ویندیداد مزد گرد چہارم و پنجم صفحہ ۴۹ کے پہلوی ترجمے میں متن اوستا کے ان الفاظ " یہ وہ شخص ہے جو بے ایمان اشموغہ (شیطان، بدعتی) کے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

معرکة الآرا تاریخ آل ساسان (جس کے حوالے بارہا درج ہو چکے ہیں) ضمیمہ ۴ میں قلم بند کر دیا ہے لیکن یاد رکھنا

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ —

خلاف جد و جہد کر سکتا ہے جو کچھ کھاتا پیتا نہیں " کی تشریح ان الفاظ " مثل مزدک ابن بام داذ " سے کی گئی ہے۔ بہمن یشت میں بھی " مزدک مردود " کا تذکرہ ہے مگر یہ پہلوی کتاب سب سے آخری زمانے کی ہے بلکہ حسب خیال ویسٹ اس کا موجودہ نسخہ بارھویں صدی عیسوی کا ہے، مزدک نامک ایک اور پہلوی کتاب تھی جو ابن المقفع کے بے شمار پہلوی کتابوں کے عربی ترجموں میں سے تھی لیکن بدقسمتی سے کتاب کا کہیں پتہ نہیں، صرف عرب مصنفین کی بعض کتابوں میں اس کے جستہ جستہ حصے باقی ہیں —

۲ - یونانی	یونانی میں مزدک کا ذکر پروکوپی اس، تھیوپے نیز اور جان ملالاس کی تصنیفات میں آیا ہے —
۳ - سریانی	سریانی میں یھوسع اسطوانی کی تاریخ (مرتبہ و مترجمہ رائٹ دفعہ ۲۰) جس میں بادشاہ قباد

کی " مذموم روش " کا ذکر ہے کہ اس نے " ناپاک فرقہ مجوس کو جو زراوشتگان کہلاتا ہے اور عورتوں کو مال مشترک بتاتا ہے " دوبارہ زندہ کیا —

۴ - عربی	عربی میں مفصلہ ذیل مورخوں نے حوالے ثبت کئے ہیں —

۱ - الیعقوبی (قریب سنہ ۲۶۰ ھ کے مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۶) جس کا بیان ہے کہ مزدک اور اس کا اُستاد زرتشت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

چاھئیے کہ یہ ضمیمہ تمام تر ان عیسائی اور زرتشتیوں کے بیانات پر مبنی ھے جو مزدک کی تعلیم کے سخت دشمن تھے' اگر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ——

خرگان دونوں نوشیروان کے ھاتھہ سے قتل ھوئے ——

۲ - ابن قتیبہ (متوفی * سنہ ۲۷۰ -۲۷۶ ھ ' کتاب المعارف مرتبہ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۰ ع صفحہ ۳۲۸) ——

۳ - دنیوری (متوفی سنہ ۲۸۲ - ۲۹۰ ھ مرتبہ گرگاس صفحہ ۶۹) ——

۴ - طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ ھ مرتبہ دے خویہ سلسلہ ۱ جلد دوم صفحات ۸۸۵ - ۸۸۶ ترجمہ نولدیکی صفحہ ۱۴۰ - ۱۴۴ [طبری] صفحہ ۸۹۳ - ۸۹۴ نولدیکی ۱۵۴ و ۱۵۵) ——

۵ - حمزہ اصفہانی (اوائل چوتھی صدی ھجری) ——

۶ - یوتی کی آس (— سعید بن بطرق) (متوفی ۳۲۸ ھجری) -

۷ - مسعودی (متوفی ۳۴۶ ھ مروج الذھب مرتبہ بی - دے میذارد جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۱۹۶) ——

۸ - البیرونی (متوفی ۴۴۰ ھ مترجمہ زخاو صفحہ ۱۹۲) (آثار الباقیہ من عربی صفحہ ۲۰۹) ——

۹ - شہرستانی (متوفی ۵۴۸ ھ کتاب الملل مرتبہ کیورٹن صفحہ ۱۹۲ - ۱۹۴ — ترجمہ ھاربرکر صفحہ ۲۹۱ - ۲۹۳) ——

۱۰ - ابن الاثیر (متوفی سنہ ۶۳۰ ھ) ——

۱۱ - ابوالفدا (متوفی سنہ ۷۳۲ ھ مرتبہ فلا یشر صفحہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

* دیکھو ابن خلکان مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ ھ ج ۱: / ۲۵۱ - ابن قتیبہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ھے - بعض ۲۷۰ بعض ۲۷۱ بعض ۲۷۶ اس کی تاریخ وفات بتاتے ھیں مگر ۲۷۶ والے قول کو ابن خلکان نے اصح الاقوال بتایا ھے ——

صفائی کے بیانات بھی آج محفوظ ہوتے تو ہمیں اس کی بعض پاکیزہ خصوصیات یا کم از کم تردیدی عذرات نظر آسکتے جن کا اب ہمیں مطلق علم نہیں - اگر مثال کے طور پر ہم جدید زمانے کی نظیر پر غور کریں تو بغض و عناد کے کرشموں پر ہمیں انگشت بدندان ہونا پڑے گا - بابیوں کی تعلیم و اصول معلوم کرنے کے لئے اگر ہم سرکاری تاریخ نویس مثلاً درباری مورخ لسان الملک کی ناسخ التواریخ یا رضا قلی خاں جیسے قابل شخص کے ذیل روضۃالصفا یا غیر متعصب اہل یورپ کے بیانات پر جن کا ماخذ رائج دربار قصص تھےپورا پورا تکیہ کرلیں تو ہم جان سکتےہیں کہ اس قسم کے مبالغہ امیز اور عناد آلود حالات سے بابیوں کی نسبت ہمارا فیصلہ کہاں سے کہاں پہنچ جاے گا - اس سلسلے میں یہ پہلو ذکر کے لایق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں مزدکیوں اور انیسویں میں بابیوں دونوں کے خلاف ان کے دشمنوں نے یہ مشہور کیا کہ ان کے ہاں اشتراک پسندی اور اباحت * خصوصا عورتوں کے معاملے میں عین دین

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

(۸۸ - ۹۱) نیز دیگر مورخین —

۵ - فارسی | فارسی میں شاہنامہ فردوسی (مرتبہ میکن جلد سوم صفحہ (۱۶۱۱ - ۱۶۱۹) اور سیاست نامہ نظام الملک (مرتبہ شیفر صفحہ ۱۶۶ - ۱۸۱) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں —

* اصل میں ہے " ایںٹی نومین ازم " یعنی " ناموس شکنی " ایںٹی نومین جرمنی کا ایک فرقہ تھا جو ۱۵۳۵ کے قریب

باقی پر صفحہ آئندہ

وابہام ہے لیکن چونکہ اس وقت ثابت ہوچکا ہے کہ اشتراکیت کا اصول جس حد تک شروع زمانے کے عیسائیوں کی طرح ابتدائی بابیوں میں رائج تھا وہ محض اتفاقی تھا اور اس کو کسی معنی میں بھی بانیٔ مذہب کی خصوصیت قرار نہیں دے سکتے، اس لئے ہمارا یہ گمان بیجا نہ ہوگا کہ مزدک اور اس کے پیروؤں کی اشتراکیت بھی کسی حد تک بشرح صدر اتفاقی تھی —

تعلیم مزدک

یہ امر مشتبہ ہے کہ جو اعتقادات مزدک سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت اسی کے دماغ کا نتیجہ ہیں کیونکہ بعض ماخذوں میں لکھا ہے کہ ان کا اصل بانی زرادشت بن خرگان ہے جو فسا علاقۂ فارس کا رہنے والا تھا - بہر نوع اس تعلیم کی علمی بنیاد سے ہم اس قدر بھی واقف نہیں جس قدر کہ اس کے عملی نتایج سے روشناس ہیں، نولدیکی نے خوب کہا ہے کہ " موجودہ اشتراکیت اور سوشلزم (جہاں تک ان ملکوں کو اشخاص کے تخیلات سے نہیں بلکہ ان کے معمول * سے علاقہ ہے) سے تعلیم مزدک کو جو چیز جدا کرتی ہے وہ آخرالذکر کا مذہبی رنگ ہے "- مزدک کے خیال میں ہر ایک بڑے فعل کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

وجود میں تھا، کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک نصاریٰ کے لئے نوامیس اخلاق کی پابندی ضروری نہ تھی - " ناموس " بمعنی قانون، عربی میں یونانی سے مستعار لیا گیا ہے، اسلامی اصطلاح میں ایسے لوگ اباحی کہلاتے ہیں (مترجم) —

* Practice

سر چشمہ یا تو حسد ہے ، غصہ ہے یا لالچ اور یہی تین
رذائل ایسے ہیں جنھوں نے خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف
مساوات انسانی فنا کر رکھا ہے ؛ اس مساوات کا از سر نو
قایم کرنا اس کا مقصد تھا - رہبانیت کا عنصر جو مانی کی
تعلیم کے اجزاے کبار میں تھا اور جس پر زرتشتیوں کو اس
قدر اعتراض تھا ، مزدک کے مذہب میں بھی اس حد تک
موجود تھا کہ اس میں خونریزی اور گوشت سے لوگوں کو
منع کیا گیا ہے - فی الحقیقت جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں
(صفحہ ۲۹۸ نوٹ (۱) وغیرہ) زرتشتی موبدوں کے نزدیک
مزدک سب سے زیادہ وہ "بے دین اشموغہ تھا جو کھاتا نہیں" -

مزدکیوں کا عروج و زوال

بادشاہ کواذ (= قباد) نے بعض سیاسی
وجوہ سے ، جن میں بخیال نولدیکی بڑی وجہہ
یہ تھی کہ امرا اور موبدوں کی زبردست طاقت کو توڑ دیا
جائے ، ابتداً تعلیم نو پر التفات کیا ، مگر جب اس کی بدولت
کواذ کو اپنے بھائی جاماسپ کے لئے عارضی طور پر تخت
خالی کرنا پڑا تو غالباً اس کے خیالات میں بے حد انقلاب پیدا
ہوگیا اور مزدکیوں کے ساتھہ اس کا طرز سلوک بدل گیا ؛ تاریخی
شواہد کے موازنہ سے پایا جاتا ہے کہ عام روایات مزدکیوں کے

مزدکیوں کا قتل ۵۲۸ - ۵۲۹ ع

جس قتل کو خسرو اول سے منسوب کرتی
ہیں اور جس کے سبب سے وہ "نوشیروان"
(= انوشک روبان = لافانی روح والا) کے اعزاز سے ملقب
ہوا وہ قباد کے آخر عہد کا واقعہ ہے - اس کا مروج اور مشہور
حال (جو پوری تفصیل کے ساتھہ سیاست نامہ نظام الملک طوسی ،

سونبه شیفر صفحه ۱۶۹ تا ۱۸۱ اور ترجمه صفحه ۲۴۵ تا ۲۶۹
میں درج ھے) یه ھے که شہزادہ نوشیروان نے جب اپنے باپ
بادشاہ کواذ کے سامنے مزدک کی فتنه پردازی اور شعبدہ بازی
کی قلعی کھول کر رکھ دی تو اس کے بعد مصنوعی اقرار و ایمان
سے شہزادے نے مزدک کو دھوکه دیا اور ایک خاص دن مقرر
کرکے اس سے طے کیا که وہ تمام پیروان مزدک کے روبرو نئے
مذھب کا باضابطه اور علانیه اقرار کرے گا - مزدکیوں کے نام
دعوت نامے جاری کئے گئے تاکه وہ شاھی باغات میں شہزادے
کی ایک جلیل القدر دعوت کے لئے مجتمع ھوں لیکن جس وقت
ایک گروہ باغ میں داخل ھوتا تو سرکاری سپاھی جو
دروازے کے قریب چھپادئے گئے تھے نکل کر اس کو پکڑ لیتے'
اورھر شخص کو قتل کرکے اس طرح دفن کردیتے که اس کا
سر اور دھڑ زمین میں اور ٹانگیں زمین سے باھر نکلی
رھتیں۔ جب سارے مزدکی زمین کے پیوند ھوگئے تو نوشیروان
نے مزدک کو طلب کرکے اپنے ایوان خاص میں بٹھایا' دعوت
میں ذرا دیر تھی اس لئے وقت کاٹنے کے بہانے سے وہ مزدک
کو اپنے ساتھ باغ میں لے گیا ' اور باغ کی پیداوار دکھانے لگا۔
جب یه دونوں باغ میں داخل ھوے تو نوشیروان نے اٹھی
ھوئی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرکے کہا " دیکھه یه تیری مذھبی
تعلیم کی فصل کھڑی ھے "۔ پھر اس نے ایک اشارہ کیا' سپاھی
جھپٹے اور مزدک کو باندھ کر مٹی کے ایک چبوترے میں جو
باغ کے بیچوں بیچ اس کے لئے خاص طور سے تیار کیا گیا تھا
اوندھا کرکے زندہ دفن کردیا —

غیبی شہادت | اس قتل کا ایک بیان جو ایک عینی شاہد تی موتھی آس ' ایرانی سے مروی ہے '
تھیو فینیز اور جان ملالاس کی کتابوں میں محفوظ ہے ۔
اس دردناک موقع پر بادشاہ کا طبیب مسیحی بشپ بے زے نیز
بھی موجود تھا ' زمانۂ حال میں اس کی ایک عجیب نظیر پائی
جاتی ہے ' یعنے آنجہانی ناصرالدین شاہ کا درباری طبیب ڈاکٹر
پولک بھی دور شمائل بابی خاتون قرۃالعین کے قتل کےھولناک
سانحہ کے وقت موجود تھا ' جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں واقع ہوا

مزید حالات | اس قتل میں جو آخر سنہ ۵۲۸ یا شروع ۵۲۹ کا واقعہ ہے ' مزدک کے پیرو خواہ کتنی ہی کثیر تعداد
میں کام آئے ہوں لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ پورا فرقہ ایک
دن میں معدوم ہوگیا ہو اور ہم بربنائے وجوہ کہہ سکتے ہیں کہ
نوشیروان نے اپنی تخت نشینی پر ۵۳۱ ع میں ان کو ضرور
مصائب کا شکار کیا ہوگا ۔ اس کے بعد اس فرقے کا وجود گو
علانیہ نہ رہا لیکن غالباً اس کے افراد چھپے چوری باقی رہے ۔
بعض اسلامی مصنفوں کے اقوال سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مزدکی
اصول مانوی عقائد کی طرح دور اسلام تک زندہ رہے اور
بعد کے زمانے میں بعض انوکھے اور اباحی فرقوں نے ان کو
کم و بیش ان کی اصلی صورت میں پیش کیا جن کی
تفصیل و بحث آئندہ ابواب کے لئے مخصوص ہے ' ہم اس رائے کو
غیر اغلب نہیں سمجھتے ۔ مشہور نظام الملک طوسی نے اس
خیال کی شد و مد سے تائید کی ہے اور ' سیاست نامے ' میں اس
نے وضاحت کے ساتھ دکھلایا ہے کہ اسماعیلیہ اور باطنیہ جن

سے اس کو سخت نفرت تھی (اور بجاتھی، کیونکہ ۱۴ - اکتوبر سنہ ۱۰۹۲ ع کو ایک باطنی کے خنجر سے ہلاک ہوا تھا) مزدکیوں کے بلاواسطہ جانشین ہیں—

(۴)

آل ساسان کا انحطاط و زوال

نوشیرواں کے دراز و ممتاز دور حکومت میں (جو ۵۳۱ع سے ۵۷۸ع تک رہا) کوئی سال ایسا یادگار اور نتیجہ خیز واقعات سے لبریز نہیں گزرا جیسا کہ بیالیسواں سال (۵۷۲ - ۵۷۳ ع) جسے اہل عرب "عام فیل" کہتے ہیں - اس سال ایک طرف تو نوشیروان نے بڑے بڑے معرکوں کے بعد یمن کی شاداب اور اور قدیم حکومت کو ایران میں داخل کر کے اس زمانے کے عجمی پرستاران شہنشاہیت کے لئے ناز و مسرت کا سامان پیدا کیا اور دوسری طرف بعیدالفاصلہ مکہ میں وہ وجود پیدا ہوا جس کی تعلیم آل ساسان اور کیش زرتشت کو صفحۂ وجود سے مٹانے والی تھی، یعنی محمد رسول اللہ (صلعم) آپ کی ولادت کی شب کو ان روایتوں کے مطابق جنھیں پرہیزگار مسلمان نہایت محبوب سمجھتے ہیں، تاجدار عجم کا محل زلزلے سے ہل گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے چودہ کنگورے زمین پر گر پڑے —

ساسانیوں کی سلطنت کے لئے بدشگونی

مقدس آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی، بجھ گئی - ساوہ جھیل کا پانی دفعتاً خشک ہوگیا اور موبد موبدان نے خواب میں دیکھا کہ دجلے کی طرف عربی گھوڑے اور اونٹ ایران کا مغرب پامال کر رہے ہیں - ان بد شگونیوں پر نوشیروان کا دل دھڑکنے لگا

اور یہ پریشانی اس وقت بھی نہ مٹی جب کہ اس کا عیسائی قاصد قبیلۂ غسان کا عرب عبدالمسیح اپنے بڈھے چچا سطیح کا مبہم جواب لیکر جو صحرائے شام کی سرحد پر اقامت گزیں تھا واپس لوٹا - یہ جواب سجع * تھا - جس کو عربی کاھن اپنے الہامی جوابوں کے لئے موزون و مناسب سمجھتے تھے اس کے الفاظ یہ ھیں :—

سطیح کا الہامی جواب

عبدالمسیح علی جمل یسیح الی سطیح وقد اوفی علی الضریح بعثک ملک بنی ساسان ' لارتجاس الایوان ' و خمود النیران ' و رؤیا ' الموبذان ' رای ابلا صعابا ' تقود خیلا عرابا قد قطعت دجلۃ و انتشرت فی بلادھا —	عبدالمسیح تو اونٹ پر سوار ہوکر سطیح کے پاس آیا ھے جو اس وقت محض چراغ سحری ھے' تجھہ کو ساسانی بادشاہ نے یہاں بھیجا ھے کیونکہ محل لرز گیا ھے ' آگ بجھہ گئی ھے' اور (موبذ) موبذان نے خواب میں دیکھا ھے کہ سرکش اونٹوں اور عربی گھوڑوں کو لیکر وادی (دجلہ) میں گھس آئے ھیں اور علاقے میں پھیل گئے ھیں—
یاعبدالمسیح اذا کثرت التلاوۃ و بعث صاحب الهراوۃ ' و فاض	اے عبدالمسیح ! جب قرات پھیل جائے گی اور صاحب

* حضرت مصنف نے تسامح سے " مقفی رجز " لکھا ھے جو صحیح نہیں ھے —

وادی السماوہ، و غاضت بحیرۃ ساوہ، و خمدت نار فارس، فلیست الشام لسطیح شأما، یملک منہم ملوک و ملکات، علی عدد الشرفات و کل ما هو ات‘‘$

عصا* آجائے گا، اور وادی سماوہ† میں لشکر بھر جائے گا اور ساوا کی جھیل سو کھ جائیگی، اور ایران کی آتش بزرگ کچھ کام نہ دے گی اور سطیح کے لئے شام نہ رہے گا، تاہم کنگوروں‡ کی تعداد کے مطابق تمھارے ملوک و ملکات حکومت کریں گی اور ان کی سلطنت قائم رہے گی اگرچہ جو کچھ ہونی ہے وہ سرعت سے سامنے آرہا ہے‘‘ —

* حضرت عمر سے مراد ہے، ان کے عہد (۶۳۴ - ۶۴۴ع) میں ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی تھی —

† حیرہ کے قریب ایک مقام ہے، اس کے نواح میں قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی —

‡ چودہ کنگورے جن کو نوشیروان نے خواب میں گرتے ہوے دیکھا تھا، قیاساً نوشیروان کے چودہ جانشین مفصلۂ ذیل ہیں :—
۱ - ہرمزد چہارم؛ ۲ - خسرو پرویز؛ ۳ - شیرویہ؛ ۴ - اردشیر سوم؛ ۵ - شہربراز؛ ۶ - پوران دخت؛ ۷ - گشتسپ دہ؛ ۸ - آزرمی دخت ۹ - خسرو بن مہر گشنسپ ۱۰ - خرزاد خسرو؛ ۱۱ - پیروز بن گشنسپ دہ؛ ۱۲ - فرخ زاد خسرو؛ ۱۳ - ہرمزد پنجم؛ ۱۴ - یزدگرد سوم؛—

$ (طبری - طبع - یورپ مع حصہ اول ۱ : ۹۸۳) جزاً اختلافات متنی کے لئے دیکھو عقدالفرید طبع سنہ ۱۳۲۱ ج ۱ صفحہ ۱۰۸ و بعداو لسان العرب ۳ : ۳۱۳ —

لیکن شگون و آیندہ بینی کے ان قصوں کو تاریخی واقعات کی بجائے فرضی اور بعد کے خیالاتشہار کرنے چاھئیں- اور اس بات کا یقین رکھنا چاھئیے کہ اور ھزاروں جلیل القدر واقعات کے مثل پیغمبر عربی کی ولادت اس قسم کے آسمانی نعروں سے مشتہر نہ کی گئی ھوگی' اور نہ اس نے اھل مکہ کو اپنی جانب ایک لمحے کے لئے متوجہ کیا ھوگا ' کیونکہ "عامالفیل'' ان کے تفکرات کے لئے بہت کافی سامان رکھتا تھا —

چھٹی صدی میں عربوں کے سیاسی تعلقات

چھٹی صدی کے آغاز میں عربوں کی سیاسی حالت کا اجمال یہ ھے :- عرب کے مغرب میں غسان کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار تھی- اور مشرق میں حیرہ کی حکومت ایرانیوں کی سیادت میں - مگر وسط عرب کے اکثر باشندے لق و دق صحراؤں میں محفوظ اور باھم مخالف قبیلوں میں منقسم تھے' تقریباً موجودہ بدووں کے مانند قتل و غارت' یورش و جنگ اور شعر گوئی میں زندگی بسر کرتے تھے اور ھمسایہ حکومتوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے' جنوب میں یمن کی قدیم و دولت مند حکومت اپنے تبابعہ یا ملوک کے ماتحت تہذیب و تمدن اور فراغت و تمول کے لحاظ سے نسبتاً بہتر حالت میں تھی' بدنام و رسوا اور غاصب ذبیحہ ذو شناتر شہزادہ ذونواس کے ھاتھ سے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اور چونکہ جنوب عرب میں ملکۂ سباء بلقیس کے عہد سے سلطان کُشی وراثت تخت کی بہترین دلیل خیال کی جاتی تھی' اس لئے ذونواس کو بانتخاب عام قدیم حمیری قوم کا بادشاہ تسلیم کرلیا گیا' لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ھوگیا ھے' وہ اس قوم کا آخری

بادشاہ تھا —

ذونواس اور نجران کے عیسائیوں پر مصیبت

سلطنت کا تخت حاصل کرنے کے بعد ذونواس یہودی ہوگیا اور نئے مذہب کے جوش میں اس نے نجران کے عیسائیوں پر مصائب کی ایک گھٹا پھیلادی' جب انھوں نے ترک عیسویت سے انکار کیا تو ان کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا' ان کو آگ میں جھونکا اور گڑھوں میں؛ جو اس کام کے لئے تیار کئے گئے تھے؛ بھون ڈالا- غرض ان غریبوں کے ساتھہ بے رحمی کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا' قران شریف میں اس ہولناک واقعے کی طرف اشارہ ہوا ہے ' سورہ ۸۵ :—

اصحاب اخدود

قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود- اِذ هم علیها قعود - وهم علی ما یفعلون بالمؤمنین شهود- و ما نقموا منهم اِلا أن یؤمنوا بالله العزیز الحمید —

خندقوں والے ہلاک ہوں' (اور وہ خندقیں) آگ (کی تھیں) جن میں ایندھن تھا' جب کہ وہ خود خندقوں پر بیٹھے ہوے تھے اور جو (ظلم و ستم) مؤمنوں پر کر رہے تھے وہ (اس کا تماشا) دیکھہ رہے تھے اور وہ مؤمنوں کی اس بات سے چڑے کہ وہ الله پر ایمان لائے جو زبردست اور سزاوار حمد و ثنا ہے-

حبشیوں کا یمن فتح کرنا

طبری کا بیان ہے کہ مظالم ذونواس میں (۵۲۳ ع) بیس ہزار سپاہی مارے گئے تھے

مگر یہ صحیح نہیں ' بخیال اغلب مقتولین کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی ' تاہم جب اس ہولناک واقعے کی خبر کو ایک مفرور نے حبش میں پہنچایا تو یہاں کے نصرانیوں کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور ان کے فرمانروا نجاشی یا نیگوس نے اپنے ہم مذہبوں کا بدلہ لینے کے واسطے یمن پر چڑھائی کردی ' حبشی فوج کے سپہ سالار ارباط اور ابرھہ تھے ' انھوں نے اہل یمن کو شکست فاش دی ' جب ذونواس نے دیکھا کہ بات بالکل بگڑ چکی ہے تو ایڑ مار کر اپنے مرکب کو سمندر میں ڈال دیا اور انسانی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگیا ' اس واقعے کو 'ذوجدن' ایک حمیری شاعر نے اشعار ذیل میں قلمبند کیا ہے :—

هونک - ليس يرد الدمع مافاتا
لا تهلكي أسفاً في ذكر من ماتا
أ بعد بينون لا عين ولا أثر
وبعد سلحين يبني الناس أبياتا

—

دعيني لا أبا لك لن تطيقي
لحاك الله قد أنزفت ريقي
لدى عزف القيان إذا انتشينا
وإذ نسقى من الخمر الرحيق

—

ٹھیرو - جو چیز گزر گئی اُسے
آنسو نہیں لوٹا سکتے- جو مرگیا
اُس کے ذکر میں صدمہ سے جان
نہ ضائع کر - جبکہ بینون اور
سلحین (جیسے قصروں) کا نام
و نشان تک باقی نہیں رہا-
تو کیا اِس کے بعد لوگ (ویسی)
عمارتیں بنا سکتے ہیں ؟ -
چل دور ہو ' تیری آہ و زاری
بیکار ہے - خدا تیرا برا کرے '
تیرے کوسنے نے میرا لعاب دھن

و شرب الخمر ليس عليّ عاراً
إذا لم يشكني فيها رفيقي
فان الموت لا ينهاه ناه
ولو شرب الشفاء مع النشوق
ولا مترهّب في أسطوان
يناطح جدره بيض الأنوق
و غمدان الذي حدثت عنه
بنوه مسكاً في رأس نيق
بمنهمة و أسفله جروب
وحر الموحل اللثق الزليق
مصابيح السليط تلوح فيه
إذا يمسي كتوماض البروق
و نخلته التي غرست اليه

خشک کر دیا (گزشتہ دور میں
گانے والوں کے راگ اور ستار
کے نغمے خوش گوار تھے جب کہ
ہم شراب خالص پی اور پلا
رہے تھے) - شراب نوشی ہمارے
لئے کوئی عار نہیں - اگر ہمارا
شریک مے نوشی ہم سے سرگراں
نہ ہو - اس واسطے کہ موت کو
کوئی نہیں روک سکتا - اگرچہ
وہ سونگھنے اور پینے کی دوائیں
صحت کے لئے استعمال کرتا رہے۔
نہ کوئی راہب گوشہ نشین
(بھی موت سے بچ سکتا گو وہ)
ایسی اونچی خانقاہ میں
(رہتا ہو) جہاں عقاب اپنے انڈے
دیتے (اور گھونسلے بناتے ہیں)۔
اور غمدان کی نسبت تونے سنا
ہوگا۔ جس کی سربفلک عمارتیں
چھوٹی جھونپڑیوں سے الگ پہاڑ
کی چوٹی پر بنائی گئی تھیں۔

یکاد البسر یہرز با لعذوق
فاصبح بعد جدّته رماداً
وغیّر حسنه لهب الحریق
وأسلم ذونواس مستهیئاً
وحذر قومه ضنک المضیق

اور جس کے در و دیوار اور فرش صاف و شفاف متی اور پتھروں سے بنے ہوے تھے—
اور کوندنے والی بجلی کی طرح تیل کے چراغ اس میں رات کو روشن ہوتے تھے- اور کھجور کے درخت اله کچرے پھلوں سے ایسے لدے ہوے تھے کہ معلوم ہوتا اُن کے بوجھہ سے درخت توٹ پڑیں گے —
اب وہی عالیشان محل ایک خاک کا ڈھیر ہے—
آگ کے جھلسا دینے والے شعلوں نے اُس کے حسن و جمال کو متا دیا ہے —
ذونواس نا امید ہوکر اپنی موت سے دوچار ہوا مگر وہ اپنی قوم کو آخر دم تک موت کی ناگریز مصیبتوں سے آگاہ کرتا رہا—

(طبری طبع یورپ جلد اول حصہ اول صفحہ ۹۲۸ وبعد)

ارياط كا قتل

تاهم اریطا فاتح یمن کی عمر نے وفا نه کی که فتح کے ثمر سے بهره اندوز هوتا ، اس کے خود غرض نائب ابرهه نے یکایکی مقابلے میں دهوکے سے اس کا کام تمام کردیا ، خود اس کے چهرے پر بهی ایک زخم آیا ، جس کے سبب سے وه الا شرم یعنی نکٹا کہلانے لگا —

مکه کے خلاف ابرهه کی مہم

اب ابرهه نے سوچا که یمن کے پایه تخت صفا میں ایک پر شوکت و عظیم‌الشان معبد تیار کرنا چاهئے- اس ترکیب سے وه عرب زائرین کے سیلاب کا رخ مکه کی مربع عبادت گاه (یعنی کعبه) سے پهیرنا چاهتا تها ، عربوں کو یه جدت ناگوار گذری ، یہاں تک که قبیلهٔ فُقَیم کا ایک کاهن عرب نئی عمارت میں چپکے سے گهس گیا اور اس کی بے حرمتی کی ، اس پر ابرهه سخت برهم هوا اور اس نے مکه کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حلفیه عزم کیا ، بعد ازاں اس دهمکی کو عملی جامه پہنانے کی غرض سے جنگی هاتهی اور کثیرالتعداد حبشی سپاه لیکر مکه پر چڑه آیا —

شهر کے قریب مغمّس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تها که
عربی کے دادا عبدالمطلب نے اس سے ملاقات کی ، تے هیں)
قریش کے ارباب کبار میں تهے - اور یه وه معزز قبیله
معبد مقدس کا خاص محافظ تها ، ابرهه ان بزرگوں کے نے سنا

عبدالمطلب اور ان کے اونٹ

گفتگو اور ادب آداب سے ایسا
هوا که اس نے مترجم کے ذریعے
درخواست عطیات کی هدایت کی - عبدالمطلب نے جو

" میں چاھتا ھوں کہ بادشاہ میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دے جو مجھہ سے چھین لئے گئے ھیں " - ابرھہ متعجب ھوکر بولا " تجھہ کو اپنے دو سو اونٹوں کی پڑی ھے جو میں نے تجھہ سے لے لئے ھیں لیکن تو اس معبد کا کچھہ ذکر نہیں کرتا جو تیرا اور تیرے بزرگوں کا عبادت خانہ ھے اور جس کو میں توڑنے کے لئے آیا ھوں " عبدالطلب - کا جواب عربی خصوصیات میں ڈوبا ھوا تھا ' انھوں نے کہا " میں اونٹوں کا مالک ھوں ' معبد کا مالک خدا ھے ' وہ خود اس کی فکر کر لے گا " جب ابرھہ نے کہا " وہ اس کو میرے ھاتھہ سے نہیں بچا سکتا " - تو وہ بولے " یہ کس نے دیکھا ھے ' مجھہ کو تو میرے اونٹ واپس دے دے " —

اونٹ لیکر عبدالمطلب تو اپنے ساتھیوں سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر نتیجے کے انتظار میں جا بیٹھے ' مگر جانے سے پہلے وہ کعبے کی زیارت کو گئے اور بیرونی دروازہ کے عظیم‌الشان حلقۂ دستک کو ھاتھہ میں پکڑ کر آواز سے بولے :-

یا رب لا ارجو لہم سواکا اے خدا ! غنیم کے مقابلے پر
یا رب فامنع منہم حماکا میں تیری مدد چاھتا ھوں'
اِن عدو البیت من عاداکا اے خدا ! تو ان کو اپنے ارض
اِمنعہم أن یخربوا قراکا پاک سے دفع کر - تیرے گھر
کا دشمن تیرے مقابلے پر آیا ھے
تو اپنے شہر کو اس کے تباہ کن
ھاتھہ سے بچا —

(طبری طبع یورپ ۱: ۹۴۰

محمود هاتھی

دوسرا دن ہوا تو ابرھہ حملے کی نیت سے فوج لیکر مکہ کی طرف بڑھا، فوج کے آگے آگے محمود نامی قوی الجثہ ہاتھی تھا لیکن جونہی اُس ہاتھی نے آگے قدم اٹھایا، ایک عرب جس کا نام نفیل تھا، اس کی طرف جھپٹا اور اس کا کان پکڑ کے کہا " او محمود جھک جا اور جدھر سے آیا ہے اُدھر ہی سیدھا واپس چلا جا کیونکہ تو اس وقت خدا کی پاک زمین پر ہے"۔ ہاتھی وہیں بیٹھ گیا، مہاوت نے بہتیرے آنکس مارے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، مکہ کی جانب ایک قدم نہ بڑھاتا تھا، باقی ہر طرف جانے کو تیار تھا —

ابابیلیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے افواج حبش کے خلاف ابابیلوں کے مثل (قرآن شریف کے بیان کے بموجب) چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک لشکر پیدا کردیا* ہر ایک پرندہ کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو دونوں پنجوں میں، اُن کو پرندوں نے حبشیوں پر پھینکا، جس کسی کے کنکری لگ جاتی وہ فوراً مر جاتا تھا، اس صورت سے حبشیوں کو شکست فاش ہوئی، روایت ہے کہ ایک شخص فرار ہوکر حبش پہنچا اور اس نے لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا، جس وقت لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ پرندے کیسے تھے تو اس نے اوپر ایک پرندے کی طرف

---

* " ابابیل " جماعۃ طیور کو کہتے ہیں —
کلام اللہ میں نہ "ابابیلوں کے مثل کا ذکر ہے" نہ " لشکر پیدا کرنے کا " —

اشارہ کیا جو ابھی تک اس کے سر پر منڈلا رہا تھا ' وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے چونچ سے ایک کنکری چھوڑی اور وہ بھی راهی عدم هوا —

یہ واقعات هیں جن کی وجہ سے اس پراهمیت سال کو " عام الفیل " کہتے هیں۔ قرآن شریف کی سورۂ فیل میں اس قصے کا حوالہ آیا ھے ' اس کے الفاظ یہ هیں :—

الم ترکیف فعل ربک با صحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل .... فجعلہم کعصف ماکول —	کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ تمہارے رب نے ھاتھی والوں کے ساتھہ کیا کیا ' کیا خدا نے ان کی ساری تدبیریں خاک میں نہیں ملا دیں اور اُن کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا —

اس قصے کی تاریخی بنیاد

مغربی اهل تحقیق کے دائرے میں اس قصے کی بابت جو عام رائے پھیلی هوئی ھے' وہ یہ ھے کہ اس کی بنیاد ایک اصلی واقعے پر مبنی ھے ' وہ کہتے هیں کہ فی الحقیقت چیچک کی ایک شدید اور ناگہانی وبا نے ناپاک حملہ آوروں میں سے بہتوں کو هلاک کر دیا اور باقیوں کو بھگا دیا ' ایسی حالت میں کچھہ تعجب نہیں کہ عربوں نے اس معجز نما رد یورش کو خدا کا جلوہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ باور کیا اور 'عام فیل' سے ان کی قومی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز هوا —

سیف بن ذی یزن کی شاہ ایران سے استمداد

ابرہہ تباہ ہوگیا مگر اہل یمن کو حبشی غلبے سے نجات نہ ملی ' اس کے بعد اس کے بیٹے یکسوم * اور مسروق باری باری سے تخت پر بیٹھے ' انھوں نے حمیر لوگوں کو بہت تنگ کیا تاآنکہ مظلوموں نے سیف بن ذی یزن کو تدارک مصائب کے لئے باہر روانہ کیا تاکہ وہ مشرقی روم یا دولت ایران سے استمداد کرے - کیونکہ اس وقت دنیا کا یہ حصہ ان دونوں کی سیاست و اقتدار میں تقسیم تھا لیکن جب اول الذکر طاقت نے بے اعتنائی برتی تو اس نے حیرہ کے عرب بادشاہ منذر سے درخواست کی کہ وہ اس کو ایرانی دربار میں باریاب کرا دے ' نوشیروان نے اس کو دربار عام میں طلب کیا تو وہ اپنے زرنگار تخت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے سر پر ایک بہت بڑا قنقل † تھا تاج رکھا ہوا نہیں بلکہ چھایا ہوا تھا ' وہ لعل و یاقوت اور الماس و گوہر سے چمک رہا تھا اور چھت سے زنجیر میں لٹک رہا تھا ' ایک زمانے میں یہ تاج سلاطین ساسان کے لئے مایۂ ناز اور موجب ایذا تھا —

سیف ابن ذی‌یزن جب اس پُر شوکت ہستی کی تعظیم سے فارغ ہوچکا تو اس نے کہا " اے بادشاہ ! کالے کوّوں نے ہمارا ملک چھین لیا ہے " نوشیرواں نے پوچھا " کن کوّوں نے 'حبش کے یا ہندوستان کے " - سیف نے جواب دیا " حبشی کووں نے - اب

---

* اس کا ایک سکہ ہے جس کے نقوش رویل نے نکالے اور جوبقول گٹ شمید (بسی لی یس یکسومی) کا قصہ ہے اور اس کے دوسرے رخ پر اس کے آقا 'گورسم' کا نام ہے۔

† خشکت اشیا کے ناپنے کا پیمانہ۔ تاج خسرو کا نام —

تیرے پاس آیا ہوں کہ تو میری مدد کر اور ان کو میرے ملک سے نکال دے' پھر میرے وطن پر تیری حکومت مان لی جاے گی کیونکہ ہم تجھے ان لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں " —

بادشاہ بولا " تیرا ملک ہمارے ملک سے بہت دور ہے اور پھر وہ مفلس و نادار بھی ہے سواے بھیڑ اور اونٹوں کے ہمارے لئے کیا رکھا ہے ' عرب میں ایرانی فوج بھیجنے کی نہ میں جسارت کر سکتا ہوں اور نہ مجھے ایسی خواہش " —

کفایت شعارانہ شاہنشاہیت

پس نوشیرواں نے اس کو دس ہزار درہم اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا ' لیکن حمیری سفیر جس وقت محل سے نکل رہا تھا تو اس نے غلام و خدام اور کنیزوں کی طرف جو اس کے گرد و پیش ایستادہ تھیں اشرفیوں کی مٹھیاں پھینکنی شروع کیں جن پر یہ لوگ بھوکوں کی طرح گرے ' جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے ابن ذی یزن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ "شاہی عطیے کے ساتھ تو نے یہ کیا گستاخانہ سلوک کیا " - عرب نے جواب دیا کہ " میں ان کا اور کیا کرتا ' میرے ملک میں جہاں سے میں آرہا ہوں نرے چاندی اور سونے کے پہاڑ ہیں " - ایرانی تاجدار نے یہ سنا تو وہ اس جھانسے میں آ گیا اور سفیر کو اپنے مشیروں کے فیصلے تک روکنے کے لئے حکم دیا ایک وزیر نے کہا کہ " اے بادشاہ! تیرے قید خانے میں ایسے مجرم ہیں جن کو تو نے قتل کے لئے پا بزنجیر کیا ہے ' کیا انھیں تو اس شخص کو نہیں دے سکتا ' اگر وہ مارے گئے تو تیرا مقصد پورا ہو جاے گا اور اگر ملک پر قابض ہو گئے تو تیری حکومت وسیع ہو جاے گی" —

فوج مہم کی ترتیب

یہ عجیب تدبیر جس میں حصول دولت اور توسیع ملک دونوں مقصد ضم تھے بڑے جوش کے ساتھہ پسند کی گئی ' قید خانوں کی تفتیش پر آٹھہ سو مجرم کشتنی نکلے' ان کو ایک وظیفه یاب سپه سالار وهرز کی سرکردگی میں مرتب کیا گیا یه اس قدر سن رسیدہ تھا که بموجب روایت اس کے پپوٹے اس کی آنکھوں پر چھائے ہوے تھے اور نشانے کے وقت انھیں اوپر باندھنا یا اٹھانا نا گزیر تھا * —

جب فوج مہم ان مجرموں سے مرتب ہوگئی تو اس کو سیف کے ہمراہ آٹھہ جہازوں میں سوار کیا گیا' لیکن دو جہاز راستے میں تباہ ہوگئے' باقی چھہ صحیح و سالم حضر موت کے ساحل پر پہونچے جہاں چھہ سو کی مختصر ایرانی جمعیت سے یمن کے کثیرالتعداد اعراب بھی آ ملے' اس دلیرانه یورش کی خبر مسروق کو پہنچی تو وہ اپنا لشکر لے کر مقابلے پر آیا ' ادھر وهرز نے اپنے ساتھیوں کے لئے ایک عظیم‌الشان دعوت تیار کی ' جس وقت یه لوگ بادۂ و جام میں مشغول تھے وهرز نے اپنے جہازوں کو جلا دیا اور ذخائر سامان کو برباد کردیا' پھر ایک پر جوش تقریر میں اس نے بتا یا که اب ہمیں فنا یا فتح میں ایک چیز انتخاب کرنی چاہئے ' ہمیں چاہئے که

---

* اس عجیب تفصیل کی نسبت جو ایک اور سلسلے میں وارد ہوی ہے نولدیکی کی کتاب " ساسانی " صفحه ۲۲۹ ' حاشیه نمبر ۱' ملاحظه کرنی چاہئے —

اپنے فرائض کو مردانہ ادا کریں ' سب نے شجاعت کا وعدہ کیا ' کرتے بھی کیا ' کیونکہ دوسرا چارہ نہ تھا ' لڑائی شروع ہوئی ' وھرز نے اپنے قریب کے آدمیوں سے کہا کہ ذرا سلطان حبش

وھرز کا تاریخی نشانہ

کو دیکھ کر مجھے بتاؤ ' سلطان کی پیشانی انڈے کے برابر ایک یاقوت رمانی سے دھک رھی تھی اور وہ الگ نظر آتا تھا ' وھرز اپنے خچر پر سوار تھا ' اسی حالت میں اس نے ایک ساعت سعید انتخاب کر کے دشمن کے تیر مارا ' نشانہ سچا تھا ' تیر یاقوت کے بیچ میں پڑا ' پتھر ریزہ ریزہ ہو کر الگ جا پڑا ' اور تیر مسروق کی پیشانی میں گڑ گیا —

یمن کا الحاق

' بادشاہ کا کام تمام ہونا تھا کہ اس کی سپاہ کے قدم اکھڑ گئے ' فاتح ایرانیوں نے اس کو بے رحمی سے قتل کیا ' لیکن اس کے عرب اور حمیری ساتھیوں کی جان بخشی کی ' یمن ایران کا صوبہ ہو گیا ' اس کا پہلا حاکم ' اس کا فاتح وھرز تھا جس کی زندگی میں سیف نے بھی کچھ دنوں فرمانروائی کی ' وھرز کے بعد اس کا بیٹا پھر پوتا اور پڑ پوتا اور سب کے آخر میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا ایک اور خاندان کا ایرانی امیر 'باذان' مسند حکومت پر بیٹھا ' اسلام کے زمانۂ آغاز میں بھی ان ایرانی وطن گزینان یمن کے بہت سے قصے مشہور تھے ' اہل عرب ان کو ' بنوالا حرار ' یعنی امیر زادے کہتے تھے —

آل ساسان کی سریع الزوالی

ان واقعات کے تھوڑی مدت بعد (۵۷۸ میں) نوشیروان کو پیام اجل آپہنچا اور ساسانیوں

کا انحلال شروع ہوا، دولت ایران کا ظاہر، جس کو اسلام
کے سر فروشوں نے آئندہ صدی میں پاش پاش کردیا، اگرچہ
ہیبت و افتخار کی شان رکھتا تھا لیکن اس کا باطن آخری تہ تک
سڑچکا تھا، اور اس کے اندر سازشوں کا جال چھایا ہوا تھا، عالمگیر
بے چینی و انتشار، برادر کُشی اور فتنۂ و فساد نے اس کا
تار تار الگ کردیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے خود
نوشیروان کے عیسائی بیٹے انوش زاد نے اس کے خلاف سرکشی
کی، نوشیروان کے بعد اس کے جانشین ہرمزد چہارم نے اپنی
حماقت اور احسان فراموشی سے بہرام چوبین کو بغاوت پر
آمادہ کیا جس کے سبب سے ہرمزد اور اس کے بیٹے خسروپرویز
کے درمیان مغائرت پیدا ہوگئی، آخرالذکر اور اس کے دو چچا
'بسطام' اور 'بندویہ' وطن چھوڑ کر مشرقی روم کی سلطنت
میں بھاگ گئے اور خود بادشاہ قتل ہوا، پرویز کی حکومت
اگرچہ عرصے تک (یعنی ۵۹۰ سے ۶۲۷ ع تک) قائم رہی
مگر قتل و سازش اور فساد و شر سے اس کو بھی چین نہ ملا۔
اور اپنے بیٹے شیرویہ کی تلوار سے مارا گیا، برائے نام ضابطے
کی کارروائی کرکے اس کو غداری کا ملزم قرار دیا گیا اور یہ
بے دردانہ توہین اُس خلاف قدرت ظلم کا ایک ضمیمہ تھا
جو اِس کے ساتھہ روا رکھا گیا، پدر کُش فرمانروا چند ماہ
کی مسند آرائی کے بعد جس کا افتتاح اس نے اٹھارہ بھائیوں
کے قتل سے کیا تھا بیمار ہوا اور ملک عدم کو راہی، پھر طاعون
پھوٹ پڑا، اس نے ایران کو ویران کردیا اور معلوم ہوتا تھا کہ
یہ وبا خدا کا قہر ہے جو نالائق 'شیرویہ' پر نازل ہوئی ہے،

اس کا کم سن لڑکا اردشیر جو صرف سات برس کا تھا تخت پر بیٹھا لیکن غاصب شہر براز نے اس کے پایہ تخت طیسفون میں اردشیر کا محاصرہ کرکے اس کو تلوار کے گھات اتاردیا، ۴۰ دن (۹ جون سنہ ۶۳۰ ع) کے بعد شہر براز کو بھی اس کے تین محافظوں نے مار ڈالا، اب خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت، ایران کے خطرناک تخت پر متمکن ہوئی، بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دانائی اور نیک نیتی امن و امان کا پھل لائے گی مگر سولہ ماہ کے مختصر عہد اور مشرقی روم کے بادشاہ کو "لکڑی کی اصل صلیب" (جس پر حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے تھے اور جو اس وقت ایران میں تھی) واپس کرنے کے بعد وہ بھی جان بحق تسلیم ہوئی، اس کا جانشین پیروز ہوا جو دور کے رشتے سے اس کے باپ کا چچیرا بھائی تھا، اس نے ایک مہینے سے کم حکومت کی اور اس کی جگہ اس کی خوبصورت بہن آذری دخت کے قبضے میں آئی - اس ملکہ نے ایک توہین کے انتقام میں خراسان کے سپہبد خرخ ہرمزد کو تہ تیغ کردیا اور خود بھی چھہ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد اپنے بیٹے ایرانی جرنل رستم کے ہاتھہ سے ماری گئی، جو چار سال کے بعد (۶۳۵ ع) جنگ قادسیہ کی ہولناک شکست میں کام آیا، آذری دخت اور اس کے باپ کے پوتے یزدگرد سوم کے درمیان چار پانچ اور فرمانروا حباب کی طرح نمودار ہوکر غائب ہوگئے، کوئی تخت سے اتارا گیا، کوئی جان سے مارا گیا، بدنصیب یزدگرد اپنے شریف اور شاہی خاندان کا آخری بادشاہ تھا، اسلامیوں کے خوف سے تن تنہا تن بتقدیر بھاگا چلا جارہا تھا،

اس کے بدن پر صرف جواهرات باقی رہ گئے تھے ' جنهوں نے اپنے برباد اور مغرور مالک کے خلاف ایک ذلیل دهقان کے دندان طمع کو تیز کیا اور اسے افسوسناک موت مرنا پڑا - نوشیروان نے جب عبدالمسیح سے اپنے خواب کی تعبیر سنی تھی تو اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ آخری تباهی کے لئے ایک زمانہ چاهئے ' ابھی تو میرے خاندان میں چودہ بادشاہ اور هوں گے مگر اس خاندان کے پہلے چودہ بادشاهوں نے دوسو برس سے زیادہ فرمانروائی کی تھی ' کسے معلوم تھا کہ خسرو پرویز اور یزد گرد سوم کے درمیان جو (۱۱) تاجدار گزرے ان کی حکومتیں پانچ سال بھی پورے نہ کرسکیں گی * - پھر طرفہ یہ هے

تباهی کے آثار

کہ اس تمام عرصے میں غنیم اس سلطنت کے دروازوں پر کھڑا روز افزوں اصرار کے ساتھ گرجتا رها جس کی قسمت کا لکھا عنقریب پورا هو نے والا تھا ' تباهی کی علامتوں میں سے مورخ طبری † نے تین کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا هے - وہ لکھتا هے " خدا کی طرف سے ان علامات هی کے ذریعے خسرو پرویز کو خبر دار کر دیا گیا تھا کہ اگر اس نے رسول عربی (صلے اللہ علیه و سلم) کے پیغام کو رد کر دیا تو اس کی سلطنت پامال هو جاے گی - کہا جاتا هے کہ جس خط میں یہ پیغام قلمبند تھا وہ الفاظ ذیل پر مشتمل تھا : —

---

* شیرویہ ۲۵ فروردی سنہ ۶۲۸ ع کو تخت نشین هوا اور آل ساسان کا آخری تاجدار یزد گرد سوم ۶۳۲ کے آخر یا ۶۳۳ کے شروع میں

† دیکھو نولڈیکی [illegible] ۳۰۴ = ۳۲۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط خسرو پرویز کے نام* | بسم اللہ الرحمن الرحیم — من محمد رسول اللہ الی کسری بن ہرمزد۔ اما بعد

فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو و ھو الذی اوانی و کنت یتیماً و اغنانی و کنت عائلاً و ھدانی و کنت ضالاً ۔ ولن یدع ما ارسلت بہ الا من قد سلب معقولہ والبلاء غالب علیہ۔ اما بعد یا کسری فاسلم تسلم او افدن بحرب من اللہ و رسولہ ولن یعجزھا والسلام :—

ایک روایت سے پا یا جا تا ھے کہ خسرو پرویز نے اس خط کو پرزے پرزے کر ڈالا ' اس پر اسلامی سفیر نے بآواز بلند کہا " اسی طرح اے فارس کے بادشاہ ! خدا تیری سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے اور تیری فوج کو تتر بتر کرے گا " ۔ دوسری روایت میں درج ھے کہ ایرانی فرمانروا نے صوبہ دار یمن باذان کو (صفحہ ۳۲۱) لکھا کہ وہ فوراً مدینے پر چڑھائی کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو گرفتار کرے اور مدائن میں ان کو پابہ زنجیر لے آئے —

تنبیہی واقعات جن کے ذریعے خسرو پرویز کو دولت ایران کی سریع الزوالی سے آگاہ کیا جانا منقول ھے ' تین انواع پر ترتیب پاتے ھیں :۔ خواب ' علامات اور حقیقی

---

* یہ متن نہایۃ الارب کیمبرج کے موجودہ نایاب نسخے سے ماخوذ ھے ' دیکھو جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابتہ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۲۵۱ —

† دیکھو مضمون جو آخری نوٹ میں مذکور ھے صفحہ ۲۵۱ —

واقعات تاریخ —

تنبیہی واقعات (۱) خواب | خوابوں میں ایک خواب یہ تھا کہ خسرو پرویز نے کسی فرشتے کو دیکھا جو ایک عصا کو توڑ رہا ہے - اس عصا کی تعبیر قوت ایران تھی. اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ فرشتہ دیوار پر کچھہ لکھہ رہا ہے فہایت الارب میں اس تحریر دیوار کا خلاصہ اس طرح سے دیا ہے : —

" اے کمزور انسان ! تحقیق خدا نے
اپنے بندوں کے پاس ایک رسول بھیجا
ہے اور اس کو ایک کتاب وحی کی ہے
پس اطاعت کر اور ایمان لا ' خدا
تجکو دنیا اور آخرت دونوں میں
بھلائی دے گا لیکن اگر تونے ایسا نہ کیا
تو عنقریب تو ہلاک ہو جائے گا اور
تیری سلطنت تباہ ہو جاے گی اور
تیرا اقتدار تجھہ سے رخصت ہوگا * " -

(۲) علامات | علامات میں پہلے تو ایک بند کا بار بار پھٹنا ہے جو بادشاہ کے حکم سے " دجلۂ عورا † "

---

* دیکھو طبری طبع یورپ' ج ۱ ' صفحہ ۱۰۱۳' س ۷ - مترجم

† دیکھو لیسٹرینج کی کتاب (The Lands of the Eastern Caliphate) با سداد انڈکس —

(بصرے کے قریب دجلے کی ایک شاخ) پر باندھا گیا تھا ' دوسرے اُس گنبد دار محراب کا بیٹھ جانا جس میں بادشاہ کے تخت پر پیچھے کے برابر تاج لٹکتا تھا - تیسرے بحیلیوں کا کوندنا جو مشرق کی طرف بڑھتی ہوئی حجاز تک پہنچ گئیں —

(۳) جنگ ذوقار | تاریخی واقعہ ذوقار کی لڑائی ہے' جو ۶۰۴ اور ۶۱۰ عیسوی کے درمیان واقع ہوئی ' یہ لڑائی بجائے خود کوئی اہم چیز نہ تھی' لیکن اس نے عربوں کو بتادیا کہ اہل ایران باوجود اپنی قوت و شہرت اور بہتر تہذیب و تمدن کے غیر مغلوب نہیں ہیں ' آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے جب اس کا حال سنا تو کہا " آج پہلا دن ہے جب کہ عربوں کو اہل ایران کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا ہے ' میرے ہی توسط سے اِن کو نصرت ملی ہے'' —

باب پنجم

اهل عرب کا حملہ

عربوں کے عروج پر ڈوزی کی رائے

ڈوزي نے اسلام پر ایک پاکیزہ * کتاب لکھی ہے اس میں وہ رقمطراز ہے کہ

"ساتویں صدي کے پہلے نصف حصے میں ایران اور دولت بائزنطائن میں ہر ایک شے معمول کے موافق اپنی اپنی ڈگر پر جاری تھی، مغربی ایشیا کے تسلط کا جھگڑا دونوں سلطنتوں کو ہمیشہ دست و گریبان رکھتا تھا، دونوں کا ظاہر ہر ایک آنکھ کو خوشنما اور سرسبز معلوم ہوتا تھا، محصول چاروں طرف سے کثیر رقموں میں کھنچا چلا آتا تھا اور دونوں کے پایہ تخت عیش و طرب اور کر و فر کے لئے شہرۂ آفاق اور ضرب المثل تھے لیکن یہ جو کچھ بھی تھا دیکھنے ہی دیکھنے کا تھا، ورنہ دونوں سلطنتوں کی جڑوں میں گھن لگ چکا تھا

---

* اس کا فرانسیسی ترجمہ وکٹر شووین نے کیا اور نام یہ رکھا ہے "تاریخ اسلام پر ایک مضمون" (مطبوعہ لیڈن و پیرس ۱۸۷۹)

مسند آراؤں کی فرعونیت اور مطلق العنانی کے بوجھ نے
دونوں ملکوں کو دبا رکھا تھا ' شاھی خاندانوں کے کار نامے
قتل و غارت کا ایک طولانی سلسلہ اور مذھبی نزاعوں کے
باعث ملک کی تاریخ ظلم و تعدی کا ایک دفتر تھا ' اس اھم
موقعہ پر ایک نئی قوم گمنام صحراؤں سے دفعتاً اُٹھی اور
عرصہ گاہ عالم پر صف آرا ھوئی - پہلے اس قوم کے افراد
بے شمار خانہ بدوش قبیلوں میں تقسیم اور ایک دوسرے کے
خون کے پیاسے تھے مگر اس وقت وہ متحد و متفق ھو گئے تھے
اور ان کے اتحاد کا یہ پہلا موقع تھا لیکن یہی قوم ایسی تھی
جس کی رگ و پے میں آزادی کا جوھر جذب اور جس کے ضمیر
میں شرافت و مہمان نوازی اور ذھانت و شگفتگی کا عنصر
شامل تھا - ان کی غذا سادی اور لباس بھی تکلف سے بری تھا
مگر اس کے ساتھہ ساتھہ ان میں غرور و تمکنت تھی ' غصہ
بھی ایسا تھا کہ اس کا آ جانا غضب تھا ' مشتعل ھونے کے بعد
انتقام و کینہ اور جور و تشدد کسی چیز سے ھاتھہ نہ روکتے تھے-
انھوں نے ایرانیوں کی واجب‌التعظیم مگر کرم خوردہ سلطنت
کو دم کے دم میں الٹ دیا ' قسطنطین کے جانشینوں سے ان کے
بہترین صوبے چھین لئے ' جرمنوں کی ایک تازہ قائم مملکت
کو پامال اور باقی یوروپ کو خطرے کی حالت میں کر دیا -
ایک طرف تو انھوں نے یہ طوفان بر پا کیا دوسری طرف ان
کا قدم سندھ لشکر ھمالیہ کے دامن تک گھس گیا ' لیکن بر خلاف
دوسری فاتح قوموں کے یہ لوگ ایک نئے مذھب کی اشاعت
بھی کرتے جاتے تھے ' ایرانیوں کی ثنویت اور بگڑی ھوئی

عیسویت کے مقابلے میں انھوں نے خالص توحید کو پیش کیا اور کروڑھا مخلوق نے اس کو قبول کیا اور آج بھی اس مذھب پر نوع انسان کا $\frac{1}{10}$ حصہ ایمان رکھتا ھے" جیسا کہ ھم ذکر کر چکے ھیں اور (جنگ ذوقار کے واقعات میں) دیکھ سکتے ھیں (عربوں میں بے حد سکت اور عملی قوتوں کی علامتیں جنھیں اس وقت تک ان کے ھمسایے نا قابل التفات سمجھتے رھے موجود تھیں اور غلبۂ اسلام سے قبل بھی اس کی کوئی خاص کمی نہ تھی- لیکن تہذیب عالم کی تاریخ میں انھوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا وہ صرف اسلام کا طفیل تھا' وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کی عظمت کو کوئی بے تعصب محقق نظر انداز نھیں کر سکتا - یورپین مورخ پیغمبر عربی پر تنقید کرتے وقت اکثر عرب کے ان حالات کو چھوڑ جاتے ھیں جن سے پیغمبر صاحب نے عربوں کو نکال کر انھیں اعلیٰ رتبے پر پہنچایا اور وہ اس امر کو بھول جاتے ھیں کہ بہت سی رسم رواج مثلاً کثیر الازدواجی اور بردہ فروشی جن کی وہ مذمت کرتے ھیں خود آنحضرت نے پیدا نھیں کیں بلکہ وہ پہلے سے ملک میں رائج تھیں اور پیغمبر صاحب نے ان کو صرف جائز رکھا - ابتدائی مسلمان ان بے شمار اصلاحات کو بخوبی محسوس کرتے تھے جو حضرت کی تعلیم سے وجود میں آئیں ؛ وہ اصلاحات کیا تھیں ؛ ھم ذیل کے بیان سے جو ابن ھشام کی سب سے قدیم (۲۱۳ ھ = ۸۲۸ - ۲۹ ع) سیرت نبوی * ماخوذ ھیں اچھی طرح معلوم کر سکتے ھیں * :-

---

* مرتبۂ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۹ ع ویل کا ترجمہ ' اسٹٹ گرٹ سنہ ۱۸۶۴ ع

[نجاشی کا مہاجرین* کو اپنے روبرو طلب
کرنا اور ان سے اسلام کے متعلق سوالات کرنا
اور مسلمانوں کا جواب دینا]

"پھر اس نے (نجوش یا فرمانروائے حبش)
(خدام کو) بھیجا کہ وہ رسول خدا کے
پیروؤں کو بلا لائیں، جب ایلچی ان
کے پاس آیا تو وہ سب اکٹھے ہو گئے؟
اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، تم
بادشاہ کے سامنے جاؤگے تو کیا کہوگے؟
سب نے جواب دیا، بخدا ہم وہی کہینگے
جو ہم جانتے ہیں اور جو کچھ رسول نے
ہم کو حکم دیا ہے، اس کا نتیجہ خواہ
کچھ ہو۔ پس جب کہ وہ نجوش کے
سامنے آئے تو اس نے بڑے بڑے پادریوں
کو جمع کر رکھا تھا اور یہ بادشاہ کے
گرد و پیش کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے
تھے، بادشاہ نے ان سے سوال کیا، یہ
کیا مذہب ہے جس کی خاطر تم نے اپنے
برادران ملک کو چھوڑ دیا اور جس کے

---

† لفظ مہاجرون (= ہجرت کرنیوالے) محمد (صلعم) کے ان
پیروؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مظالم سے تنگ آکر مکہ سے
بھاگ گئے تھے اور حبش اور دیگر مقامات میں پناہ گزین ہوئے تھے۔

سبب سے نہ تم ہمارے مذہب کو اختیار
کرتے ہو اور نہ کسی دوسرے مذہب
کو؟" پھر جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی
طالب نے جواب دیا اے بادشاہ ہم
وحشی لوگ تھے جو بتوں کو پوجتے،
مردار کھاتے، شرم ناک کام کرتے،
برادری کے بندھوں کو توڑتے اور ہمسایوں
سے برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں جو
طاقت ور تھا کمزوروں کو کچل دیتا
تھا - ہم اس طرح سے زندگی بسر کیا
کرتے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ہمارے
پاس ایک رسول جس کا حسب و نسب
جس کی دیانت و صداقت اور پاک
زندگی سے ہم واقف تھے بھیجا تا کہ
وہ ہم کو خدا کی طرف بلائے اور ہم
خدا کی توحید کا اعلان کریں، اس کی
پرستش کریں اور پتھروں اور بتوں کو
چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ
دادا خدا کے بجائے پوجتے تھے- رسول نے
ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں اور
اپنے وعدوں کو پورا کریں، برادری کی
بندشوں کو سمجھیں اور پڑوسیوں کے
حقوق کو پہچانیں، حرام چیز اور

خون سے بچیں ؛ اس نے ہمیں برے کاموں
اور دھوکے کی باتوں سے روکا ' یتیموں
کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں کی
عزت لینے سے منع کیا اور اس نے حکم
دیا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں
اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھیرائیں'
نمازیں پڑھیں ' خیرات دیں اور
روزے رکھیں " —

جب (حضرت) جعفر بادشاہ کو اسلام کے احکام گنا چکے تو انہوں نے کہا " پس ہم نے اس کو سچا تسلیم کیا ' اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لایا تھا اُس کا اتباع کیا' یعنی اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگے اور اس کا کوئی شریک نہ کھڑا کیا ' جس کو اس نے حرام ٹھیرایا اُس کو حرام سمجھا اور جس کو حلال بتایا اُس کو حلال مانا ' اس پر ہماری قوم کے لوگ ہمیں ستانے اور اذیتیں پہنچانے لگے اور ہمیں ہمارے اعتقاد سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ ہمیں خداپرستی سے بت پرستی کی طرف لوٹا کر لے جائیں اور ہمیں ترغیب دینے لگے کہ ہم برے فعلوں کو جنھیں ہم پہلے جایز سمجھتے تھے پھر جایز قرار دیں ' پس انہوں نے ہمیں مجبور کرنے کی کوشش کی ' ہمیں تکلیفیں دیں ' ہمارے پیچھے پڑگئے اور ہمارے اور ہمارے مذہب کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ' اس لئے ہم تیرے ملک میں آ نکلے ' تیرے سوا ہر چیز پر تجھ کو ترجیح دی اور تیری حفاظت کے آرزومند ہیں

' اور اے بادشاہ! اب ہم التجا کرتے ہیں کہ تیرے سامنے ہم کو ایذائیں نہ پہنچائی جائیں '' —

اس کے بعد نجاشی نے اُن سے کہا ' کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تیرے نبی کو خدا کے ہاں سے پہنچی ہو؟ (حضرت) جعفر نے کہا' ہاں' بادشاہ نے کہا اچھا ! تو مجھے سنا' اس پر (حضرت) جعفر نے سورہ مریم (کھیعص) * کے ابتدائی کلمات پڑھے' نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ ایسا رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی' اس کے پادری بھی یہ سن کر اُس کے ساتھ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں' اس کے بعد نجاشی بولا' حقیقت میں یہ اور وہ جس کو موسیٰ لائے تھے ایک ہی شمع کا نور ہے ' اب جاؤ میں خدا کو شاہد کرتا ہوں کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں گے بلکہ آنے کا خیال تک بھی نہ لائیں گے —

آنحضرت کی عادات و خصائل اور ان کی غایت کی بحث کو اس مقام پر چھیڑا گیا تو ہم کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے بالخصوص جب کہ ان موضوعات پر ' آن حضرت کے سوانح' ان کے

---

* قرآن شریف سورہ ۱۹ جو زیادہ تر سورہ مریم کے نام سے مشہور ہے ' سورہ مریم اور دوسری انتہائیس سورتوں کے شروع میں جو پر اسرار حروف آئے ہیں ان کے متعلق دیکھو سیل کے " ابتدائی ڈسکورس " دفعہ سوم —

تعلیم کے ارتقا اور ترقی پر جو ابتدا رفتار میں آہستہ لیکن
بعد میں بجلی کے مثل تھی اور خود مذہب اسلام پر سیل '
' اسپرگز ' موئر ' کریہل ' ڈولڈیکیے ' بوسویل اسمتھہ اور
سید امیرعلی نہایت قابلیت سے اور کافی طور پر بحث کرچکے ھیں۔
ان میں سید امیرعلی کی تصنیف اُن لوگوں کو خصوصیت کے ساتھہ
مطالعہ کرنی چاھئے جو یہ سمجھنا چاھتے ھیں کہ اسلام اور
اس کے پیغمبر نے آج بھی اُن مسلمانوں پر جو مغربی تعلیم
اور مغربی شائستگی میں رنگے ہوئے ھیں کس قدر سخت
گرفت کر رکھی ھے کیوں کہ سید موصوف نے اپنی کتاب ایک
ایسے مسلمان کی حیثیت سے لکھی ھے جو وسعت قلب اور
وسعت نظر کے لحاظ سے ممتاز اور یوروپ و ایشیا کے خیالات سے
بخوبی آشنا ھے ۔(اسلام کی زبردست قوت اس کی سادگی اس
کی لچک اور اس کے اعلیٰ لیکن کامل طور پر ممکن الحصول
اخلاقی معیار میں مرکوز ھے/۔ اس میں شک نہیں کہ عیسوی
اخلاق کا معیار زیادہ بلند ھے مگر وہ انسان کی دسترس سے
دور اور سلطنت کی دسترس سے دور تر ھے ' اسلامی کامل
سیاست خیال میں آسکتی ھے اور آنحضرت کے قریبی جانشین
خلفاے راشدین کے عہد میں کامل طور پر یا قریب قریب وجود
میں بھی آچکی ھے ' ان خلفا کے عہد کی بابتہ مورخ الفخری
کا بیان ھے :—

الفخری کا بیان	" واضح ہو کہ یہ سلطنت اس دنیا کی سلطنتوں کے طور پر نہ تھی بلکہ اس کا نظم و نسق پیغمبر انہناموس اور اس کے

حالات عالم آخرت کے مطابق تھے'
حقیقت کو دیکھا جائے تو خلافت کے
قاعدے پیغمبروں کی ہدایت یا ولیوں کے
طریقوں کے مطابق تھے اور اس کی فتوحات
شاہان کبار کی فتوحات تھیں۔ وہ کیا قاعدے
تھے ؟ زندگی میں سختیاں' غذا موٹی
جھوٹی اور لباس سیدھا سادہ تھا ؛
ایک خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ وہ بازاروں
میں پیدل پھرتے تھے ' بدن پر ایک
شکستہ قمیص ہوتی جو بمشکل گھٹنوں
تک پہونچتی تھی ' پاؤں میں ان کے
کھڑاؤں اور ہاتھ میں کوڑا ہوتا ' کوڑے
سے ان لوگوں کو جو مستوجب ہوتے
سزا دیتے تھے۔ ان کی غذا غریب سے غریب
شخص کی سی ہوتی تھی ' امیرالمومنین
(رضی اللہ عنہ) شہد اور عمدہ
روٹی کو حد درجے کا عیش و عشرت
سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی
تقریروں میں ایک بار کہا تھا " اگر
میں چاہتا تو مجھ کو نہایت اچھا شہد
اور جو کی نہایت نرم روٹی مل
سکتی تھی " ــ

یہ بھی واضح ہو کہ لباس اور غذا

میں ان کی سادگی کچھ اس سبب سے
نہ تھی کہ وہ نادار تھے یا زرق برق
لباس اور نہایت شیریں غذائیں ان کو
میسر نہ تھیں بلکہ ان کا یہ سادہ
طریقہ صرف اس لئے تھا کہ وہ اپنی
حالت اپنی غریب سے غریب رعایا کے
برابر کردیں اور جسم سے اس کی
خواھشات کو جدا کردیں اور اسے ایسا
قابو میں لائیں کہ وہ اپنے بہترین
امکانات کا عادی ھو جائے؛ ورنہ ھر ایک
خلیفہ کے پاس کثیر دولت کھجوروں
کے جھنڈ کے جھنڈ باغات اور اسی نوع
کے دوسرے سامان موجود تھے - ان کا
بڑا خرچ خیر خیرات اور نذر وقربانی
کا تھا' امیرالمومنین علی (رضی اللہ عنہ)
کی ذاتی املاک کی آمدنی بہت بڑی
تھی لیکن وہ اسے غریبوں اور محتاجوں
پر صرف کرتے تھے اور خود معہ اھل
و عیال کے سوت کے موٹے کپڑوں اور
جو کی ایک روٹی پر گزارہ کرتے تھے -
رھیں ان کی جنگی مہمات اور ملکی
فتوحات سو بے شبہ ان کے رسالے افریقہ
میں پہونچے تھے اور خراسان کی آخری

سرحدوں تک پہنچ گئے تھے اور دریائے
جیحوں کو عبور کر گئے تھے" —

عربوں کے خصائل | محمد (صلعم) کا کام کچھ آسان نہ تھا، آغاز تبلیغ سے آٹھ یا دس برس بعد بلکہ در حقیقت (۶۲۲ میں) مکہ سے ھجرت کے وقت تک ان کی ہدایت و محنت ان افراد کے سوا جن کا اعتقاد نہ تو مایوسی کو راہ دیتا تھا اور نہ غیر ممکن کو خاطر میں لاتا تھا سب کو اکارت جاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ کچھ یہی نہ تھا کہ اہل عرب خصوصاً صحراؤں کے بدو اپنے کہن سال دیوتاؤں اور قدیم رسموں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اسلام کے زاہدانہ مقاصد کو سرے سے نا پسند کرتے تھے وہ اسلام کی دھمکیوں اور سزا و جزا کے وعدوں کو قبر کے بعد تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس ریاضت و تربیت سے کوسوں دور بھاگتے تھے جس کی طرف انہیں بلایا جاتا تھا۔ صحرا کا خالص بدو آج تک سخت مشکک اور گہرا مادہ پرست ہے؛ اس کی ٹھوس، صاف، تیز مگر کسی قدر محدود عقل جو اپنی اقلیم معاملات میں ہر وقت بیدار رہتی ہے غیر مادی اور فوق الحواس اشیا کو نہ تو بھولے پن سے مانتی ہے نہ ان کی ٹوہ میں لگتی ہے؛ اس کی خود سرا اور پر اعتماد فطرت میں نہ تو ایسے خدا کی گنجائش تھی اور نہ ایسے خدا کی ضرورت جو اگرچہ اس کی حفاظت کے لئے کافی تھا مگر خدمت و ایثار بھی چاہتا تھا۔ باقی عربوں کے لئے بھی محمد (صلعم) کا اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی نیا انکشاف نہ تھا، اور اگر قدیم بت پرست عرب چھوٹے خداؤں کی نسبت

اس اللہ تعالیٰ پر کم متوجہ ہوتے تھے یا اس کی نذر و نیاز میں گھٹیا چیزیں پیش کرتے تھے تو اس کا سبب یہ تھا کہ اول الذکر ایک طرح سے قبیلے کی ملکیت ہوتے تھے، اس لئے ان سے امید تھی کہ وہ اپنے قبیلے کے معاملات میں زیادہ سرگرمی دکھائیں گے۔ تاہم اگر معاملات پوجنے والوں کی منشا کے موافق انجام نہ پاتے تو ان خداؤں کی تعظیم میں فرق آجایا کرتا تھا اور بقول ڈوزی "وہ بات بات پر اپنے خداؤں سے بگڑ جاتے اور ان کی سرزنش و بے حرمتی سے نہ چوکتے"۔ اگر غیبی جوابات ان کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ان کی توہین کرتے، وہ بت جو قربانیوں کو مناسب طریقوں پر نہ قبول کرتے گالیاں کھاتے اور پتھروں کا نشانہ بنتے۔ الغرض دیوتا ذرا ذراسی بات پر معزول اور معتوب کردیے جاتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود عرب کے باشندے نئے اور سختی کرنے والے مذہب کی طرف مائل نہ ہوے، پرانے خدا گو نکمے تھے لیکن کم از کم مانوس اور بے ضرر بھی تھے، اگر وہ بندوں کو دیتے کم تھے تو معاوضہ کی امید بھی کم کرتے تھے، مگر اسلام ان کی ذرا رو رعایت نہیں کرتا تھا، انھیں اور ان کے پوجنے والوں حتیٰ کہ ان کے آبا و اجداد کو جہنمی بتاتا تھا، اس کا بت شکن جوش ان کے نہایت محبوب بت کی بقا ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتا تھا، مزید بریں جیسا کہ ڈاکٹر گولڈزیہر، نے اپنی فاضلانہ اور روشن کتاب "اسلامی حالات" کے پہلے باب میں دین و مروۃ کے عنوان سے صاف طور پر ثابت

کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے مطمحوں میں نہ صرف باعتبار چند در چند عدم مطابقت تھی بلکہ وہ ایک دوسرے کے سراسر خلاف تھے؛ شجاعت و دریا دلی، فیاضانہ مہمان نوازی و قبیلہ پرستی اور بدی کا انتقام یا توہین کا بدلہ خواہ وہ ایک شخص کے ساتھہ، اس کے اعزا کے ساتھہ یا اس کے اہل قبیلہ کے ساتھہ کی گئی ہو، عروب جاہلیت میں یہ خصوصیات بدرجہ أتم موجود تھیں اور صفات عالیہ تسلیم کی جاتی تھیں؛ بخلاف ان کے رضا و توکل، صبر و تحمل، ذاتی اور قومی مفاد کو مذہب کے مطالبات کا تابع کرنا، عدم دنیا داری اور غرور و نمود سے اجتناب اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو اسلام اپنے ساتھہ لایا تھا عربوں کو تضحیک و حقارت پر مشتعل کرتی تھیں —

زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مقابلہ

اس موازنے کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم اس اسپرٹ (حقیقت) کو پیش کرتے ہیں جو ذیل کے دو اقتباسوں سے جداگانہ طور پر نظر آتی ہے، پہلا اقتباس تو قرآن مجید سورۂ بقر (پنجم ۱۷۸) کا ہے اور دوسرا ایک نظم ہے جو تاکو مطرب تابطہ شراً سے منسوب کی جاتی ہے، یہ نام بھی بہت کچھہ معنی خیز ہے، اس کے معنی ہیں "اس نے گود بھرکے شرارت لی" —

پہلا اقتباس یہ ہے :—

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ و الیوم الاخر و الملائکہ و الکتاب و النبیین و آتی المال علی حبہ ذوی القربی و الیتمی و المساکین و ابن السبیل و السائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و الموفون بعہدھم اذا عاھدوا و الصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون۔

نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ (نماز میں) مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال(عزیز) اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (قید غلامی سے لوگوں کی) گردنوں کو (چھڑانے)میں دیا اور نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے رہے اور (کسی بات کا) جب وعدہ کرلیا تو اس کو پورا کیا نیز تنگی میں تکلیف میں ہلا چلی کے وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ سچے اور پرہیزگار ہیں *

* سر ولیم میور کی مختصر و پاکیزہ کتاب " اقتباسات قرآن " میں درج ہے (مطبوع لندن سنہ ۱۸۸۰ ع) —

تابطہ شراً کا قصیدہ

دوسرے اقتباس کے متعلق بعض محققوں کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہے اور علامہ خلف الاحمر نے جو طباع ہونے کے باوجود صدق و راستی کا زیادہ پابند نہ تھا، تصنیف کیا ہے، لیکن متوفی پروفیسر رابرٹسن اسمتھ کی رائے ہے اور بخیال راقم معقول رائے ہے کہ قصیدے میں ایام جاہلیت کی خصوصیات اس قدر صاف جھلکتی ہیں کہ اسے مشکل سے جعلی کہہ سکتے ہیں یا اگر یہ واقعی خلف الاحمر کی اختراع ہے تو گویا اسے نہایت خوبی کے ساتھ ایک ایسے قالب میں ڈھالا ہے جس میں جاہلیت کا خالص رنگ موجزن ہے * —

اس میں شاعر نے اوس انتقام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ماموں کے قتل پر قبیلہ ھذیل سے لیا گیا تھا، قصیدہ مقتول کی تعریف سے شروع ہوتا ہے :—

ترجمہ

نیچے نالے میں سلعہ ایک مقتول آدمی
پڑا ہے اس کا خون بغیر بدلے کے نہیں
چھوڑا گیا ہے وہ چلدیا اور انتقام کا بار

---

* اس نظم کا متن رائٹ کی " عربی کتاب " صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ (مطبوعہ للدن سنہ ۱۸۷۰ ع) میں دیکھنا چاہئیے اور اس کا شگفتہ منظوم جرمن ترجمہ اس مضمون میں جو 'بور' نے اس شاعر پر لکھا ہے اور جو جرمن جلد دھم (بابت سنہ ۱۸۵۶) صفحہ ۷۴-۱۰۹ میں شائع ہوا ہے —

مجھے ترکہ میں دیتا گیا ، میں نے اس
بار کو خوشی سے اٹھا لیا - خون کے
انتقام کی فکر میں بہن کا ایک بیٹا ھے
وہ ایسا شمشیر بند ھے کہ اس کی زرہ
کبھی ڈھیلی نہیں ہوئی ' وہ ایک خاموش
سراغی ھے جس کے بدن سے پسینے کی جگہ زھر
بہتا ھے اور ایک ایسے سرسرانے والے سانپ
کی طرح سراغ لگاتا ھے جو زھر اگلتا ھے۔
جو خبر ھمارے پاس پہونچی وہ جان
گُسل اور دردناک تھی ' اس کا اثر
اتنا بڑھا کہ ھم میں سے بڑے سے بڑا
چھوٹا معلوم ہونے لگا : قسمت نے (جو
ھمیشہ بے وفا ثابت ہوئی ھے) ھم سے
ایک ایسا آدمی چھین لیا جس کے
قریب جانا مشکل تھا اور جس کا موکل
کبھی ذلیل نہیں ہوا - وہ موسم سرما
میں آفتاب کی کرن تھا یہاں تک کہ
جب شعراے یمانی چمکا تو وہ بالکل
ٹھنڈا اور سایہ کے مثل تھا : اس کے پہلو
دبلے تھے لیکن محتاجی کے باعث نہیں '
وہ فیاض ' عقلمند اور مغرور تھا ' وہ
عاقبت اندیشی کے ساتھ سفر کرتا تھا
چنانچہ جب وہ ٹھیرتا تو جہاں وہ

ٹھیرتا عاقبت اندیشی بھی ٹھیر جاتی
جب وہ داد و دھش پر اترتا تو بارش
کے بادلوں کا برسنے والا سینہ بن جاتا
اور جب وہ میدان میں کودتا تو شیر
فاتح بن جاتا - قوم میں وہ سب سے
زیادہ دراز ریش تھا' سانولا اور
گھیردار اور جب وہ جنگی کوچ میں
ہوتا تو - نازک رفتار گرگ کی
طرح چلتا' اس کے پاس دو ذائقے
تھے شیریں اور تلخ اور ہر شخص نے
ان دونوں ذائقوں کو چکھا - وہ گھوڑے پر
سوار ہوکر خطرے یعنی صحرا میں
اکیلا سفر کرتا تھا کوی اس کے ساتھ
نہ ہوتا سواء اس کی دندانہ دار یمنی
تلوار کے - بہادروں کا ایک گروہ دوپہر
کی دھوپ اور پھر رات کی اندھیری
میں سفر کر رہا تھا' آخر جب صبح
کی کُھو صاف ہوگئی تو وہ اُتر پڑا' ہر
مشتاق جنگ جو کے پہلو میں ایک تیز
تلوار لٹکتی تھی اور جب وہ میاں سے
باہر نکلتی تو بجلی کی طرح چمک
جاتی - پس ہم نے ان سے خون کا بدلا
لیا اور دونوں گروہوں میں سے معدودے

چند کے سواء کوئی نہ بچا ' وہ نیند کے
جھونکوں میں تھے اور جب وہ اونگھنے
لگے تو میں نے ان کو سراسیمہ کر کے منتشر
کردیا اور اگر صفیل نے اس کی تلوار
کا پھل توڑ دیا تو کیا ہوا اس نے بھی
تو صفیل کے کئی ایک پھل توڑ ڈالے۔
اس نے کئی بار ان کو نا ہموار جھکنے
کی جگہہ جھکایا جہاں پاؤں ٹوٹ ٹوٹ
گئے اور کئی بار اس نے صبح کے وقت
ان کو ان کی پناہ گاہوں میں چھپ کے
جالیا اور اس صورت سے جب کشت و
خون ہو چکا تو لوٹ مار شروع ہوئی۔
میں نے صفیل کو بھونا اور میں ایسا
جنگ جو ہوں جو بدی سے اس وقت
تک نہیں تھکتا جب تک کہ وہ نہ تھک
جائیں۔ اس کے نیزے کو پہلا گھونٹ کون
دیتا ہے؟ جب وہ اپنا پہلا گھونٹ پی لیتا
ہے تو وہ دوسرا گھونٹ لیتا ہے ' شراب
میرے لئے اس وقت حلال ہو گئی جب کہ
وہ حرام تھی اور کس قدر مشکل سے
یہ کبھی کبھی حلال ہو جاتی ہے۔ اے
سواد ابن عمر! لا شراب دے کیونکہ
میرے خالو کی موت سے میرا جسم

دبلا ہوگیا ہے کفتار صفیل کے مقتولوں پر
ہنستا ہے اور تم دیکھہ سکتے ہو کہ
بھیڑیا ان پر اپنے چمکدار دانت نکال
رہا ہے اور شکاری پرندے صبح کو
پیٹ اٹے ہوئے اٹھتے ہیں اور ان
لاشوں کو روندتے ہیں اور اُڑ نہیں سکتے

الغرض جیسا کہ میور نے خوب کہا ہے " غیر مسلم عربوں کی انتہای نیکی " مروۃ " (" جوان مردی " یا نیکی ") کا لب لباب عزت و انتقام تھا ' حریت ' شجاعت ' سخاوت ' نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدی پیش کرنا مگر دل کھول کر مے و معشوق اور میدان جنگ کو جان کے برابر سمجھنا زندگی کو عزیز رکھنا اور موت سے نہ ڈرنا ' خود مختاری و خود اعتمادی اور غرور و غارتگری اختیار کرنا سب سے بڑہ کر یہ کہ جائز یا نا جائز ہر حالت میں اپنے بھائی بندوں کا ساتھہ دینا اور رشتۂ خون کو جملہ واجبات سے افضل جاننا - قدیم عربوں کے انتہائی خیالات یہ تھے اور موجودہ وحشی بدؤں کے خیالات بھی یہی ہیں جو نام کے سوا مشکل سے کسی اور چیز کے مسلمان ہیں- آنحضرت کے چچا ابو طالب جس طرح اپنے بھتیجے کے ساتھہ پیش آئے وہ بھی اس قوم کے خیالات کا نمونہ ہے اور اس سے دل پر اثر ہوتا ہے- پیغمبر کے دل کو لگی ہوی تھی کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں انہوں نے بہت کوشش کی اور انہیں سمجھایا لیکن انہوں نے جواب دیا " میں اپنے باپ داداؤں کا مذہب اور جو کچھہ وہ مانتے تھے اسے نہیں

چھوڑ سکتا لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تجھہ پر کوئی ایسی بات نہ آنے دوں گا جس سے تجھے تکلیف پہنچے * —

ابو طالب آنحضرت کو نبی بر حق نہیں سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے تو وہ اپنے باپ دادؤں کی صحبت میں جہنم کی آگ کو اس جنت پر ترجیح دیتے تھے جو ایمان کے انعام میں انہیں دی جاتی مگر باوجود اس کے وہ اس کی تاب نہیں لاسکتے تھے کہ غیر ان کے بھتیجے کو ستائیں —

هجرت نبوی (۶۲۲ع) سے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر کی خلافت تک کا زمانہ (۶۴۴ع) اسلام کی زاہدانہ زندگی کا دور زریں تھا اور یہ دور اسلام کی فلسفیانہ زندگی کے دور سے بالکل جدا چیز ہے، اگرچہ الفخری کے مذکور الصدر اقتباس میں جس بہترین " مذہبی حکومت " (تھیو کر یسی) کو بیان کیا گیا ہے وہ حضرت علیؑ کی وفات تک (۶۶۱ع) جنہیں دنیاے اسلام کا ایک کثیر گروہ جانشینان پیغمبر میں سب سے شریف، بہتر اور لائق مانتا ہے ، قائم رہی ، لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان کی خلافت میں نفاق و فرقہ بندی قتل و خانہ جنگی اور آپس کے جھگڑوں نے جنم لے لیا تھا - آن حضرت اس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ بظاہر سارے عرب نے ان کی تعلیم کے آگے سر نہ جھکا لیا لیکن جونہی ان کی آنکھہ بند ہوئی ، عربی قبائل میں اسلام کے خلاف ایک عالمگیر بغاوت نے سر اٹھایا اور جب تک کہ اس بغاوت کی آگ خون میں نہ بجھہ گئی اور تارکان دین قتل یا مطیع نہ کر لئے گئے حضرت ابوبکر نے غیر

ابن هشام (مرتبہ وستن فلیڈ) صفحہ ۱۷۰ —

عربی ممالک کی تسخیر اور ان کو مسلمان کرنے کی طرف کامل توجہ نہ کی؛ ان میں ہمارا تعلق صرف ایران سے ہے جس کی تفصیل کے لئے ہم شگفتہ بیان اور مرقع نگار الفخری کے صفحوں سے ایک بار اور استفادہ کرتے ہیں - اس نے ان علامات اور تنبیہات کی صراحت کی ہے جن کے باعث نوشیروان اور خسرو پرویز کو سخت فکر دامن گیر ہوگئی تھی اور اس کے بعد یہہ لکھا ہے کہ " اس قسم کی بد شگونیوں کا تار بندہ گیا اور ان کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ معاملے کا تصفیہ نہ ہوگیا " پھر وہ لکھتا ہے :—

الفخری اور ایران کی قسم

" اور در حقیقت جب رستم سعدبن ابو وقاص کے مقابلہ پر آیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور اس نے ایرنیوں کی کمانوں کو جمع کرکے ان پر مہر لگائی اور انہیں اپنے ساتھہ لیکر آسمان کی طرف چلا گیا ۔ اس پر عربوں کے سچے اقوال' خود اعتمادی اور مصائب میں ان کے بے حد صبر کے متعلق ایرانیوں نے جو کچھہ باتیں دیکھی تھیں وہ مستزاد ہیں ' اس کے سوا آخر میں شہریار کی وفات اور یزدگرد کی تخت نشینی پر جو اس وقت ایک نو عمر اور ناقص التدبیر لڑکا تھا خود ایرانیوں کے درمیان

مخالف آوازیں پیدا ہوگئیں ، پھر سب سے آخری اور سب سے بڑا سانحہ یہ گزرا کہ جنگ قادسیہ میں دفعۃً ان کے خلاف ہوا کا رخ بدل گیا جس کی خاک نے ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا اور ان کے چاروں طرف تباہی کا ایک حصار کھینچ دیا ، اس جنگ میں رستم قتل ہوا اور ایرانیوں کی فوج تتر بتر - پس ان علامتوں پر غور کرو اور جانو کہ خدا ایک مقصد رکھتا ہے جسے وہ پورا کرتا رہتا ہے "—

عراق پر فوج کشی اور ایران کی تسخیر

" عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ مستحکم اور خطرناک تھی اور وہ ان استحکامات سے اس قدر ہیبت زدہ تھے کہ ان پر حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے اور وہ سلاطین عجم کے ادب اور اُن کی اس طاقت کے باعث جس کو وہ دیگر قوموں کے زیر کرنے میں دکھا چکے تھے اُن سے پہلو بچاتے تھے ، یہ خیال حضرت ابوبکر کے اواخر ایام تک قائم رہا اور پھر صحابہ میں سے المثنی بن

حارثہ کھڑے ہوے ' انھوں نے لوگوں
کو ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے
اکسایا اور کہا یہ بات ہی کیا ہے اور انھیں
ہمت دلائی ' اس پر ایک گروہ تیار
ہو گیا اور لوگوں کو پیغمبر خدا کا
قول یاد آیا کہ انھوں نے ایرانی سلاطین
کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے متعلق
کیا فرمایا تھا ' مگر حضرت ابو بکر
کے عہد تک اس معاملے میں کوئی
عملی کار روائی نہ ہوئی '' —
'' لیکن حضرت عمر ابن الخطاب کے
زمانے میں مثنیٰ بن حارثہ نے ان کو
لکھا کہ ایران کے حالات ابتر ہیں اور
نیا بادشاہ یزد گرد ابن شہر یار جو
ابھی کمسن لڑکا ہے تخت پر بیٹھا ہے -
واقعی تخت نشینی کے وقت یزدگرد
کی عمر ۲۱ سال کی تھی - اس خبر
پر حملۂ ایران کا شوق عربوں کے دلوں
میں زیادہ ہوا اور حضرت عمر فوج
لے کر مدینہ سے باہر آ گئے لیکن کسی
کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے
ہیں اور نہ کسی کو اتنی جرأت ہوئی کہ
ان سے کوئی بات پوچھتا - آخر کار

ایک شخص نے ایک بار ان سے پوچھا
کہ روانگی کا وقت کیا ہے مگر ایک
جھڑکی کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا "
" مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ کسی بات
سے وہ بے چین ہوتے اور اس کی نسبت
انھیں پوچھہ گچھہ کی ضرورت ہوتی
تو وہ عثمان ابن عفان یا عبدالرحمن
ابن عوف کے پاس چلے جاتے اور اگر
معاملہ بہت ہی ضروری ہوتا تو وہ
ان دونوں کے ساتھہ حضرت عباس کو
بھی شامل کر لیتے، چنانچہ عثمان نے عمر
سے کہا " اے امیرالمومنین آپ کے پاس
کیا خبر آئی ہے اور آپ کا ارادہ کیا
ہے! حضرت عمر نے صلواۃ جامع کی
منادی کرائی اور جب لوگ ان کے
گرد و پیش جمع ہو گئے تو انھوں نے
اصل بات کا اعلان کیا، لوگوں کو نصیحت
کی اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی
ترغیب دی اور مہم کو ایک معمولی
سی چیز بیان کیا، لوگ نہایت خوشی
سے راضی ہو گئے - بعد ازاں انھوں نے
کہا کہ آپ بذات خود ہمارے ساتھہ
چلیں، عمر نے جواب دیا اچھا بشرطیکہ

اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہ ہوئی۔
پھر انہوں نے صحابہ میں سے ان
اشخاص کو طلب کیا جو سب سے زیادہ
ممتاز صائب‌الرائے اور دور اندیش
تھے، انھیں اپنے رو برو طلب کیا اور ان
سے مشورہ چاہا۔ انہوں نے مشورہ دیا
کہ وہ جنگ میں نہ جائیں اور صحابہ
میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیج
دیں اور خود پیچھے رہ کر کمک اور
مدد سے اسے تقویت پہونچائیں۔ اگر
ہماری فوجیں کامیاب ہوئیں تو ہمارا
مقصد پورا ہوگا اور ہلاک ہوئیں تو
ان کی جگہ وہ اور بھیج دیں " —

" پس جب لوگوں کو اس تدبیر پر
اتفاق ہوگیا تو حضرت عمر منبر پر آئے
کیونکہ اُن کا دستور تھا کہ جماعت
سے خطاب کرنے کے لئے اُن میں سے ایک
شخص منبر پر چڑھتا اور جس موضوع
پر اس کی خواہش ہوتی گفتگو کرتا –
پس جب عمر منبر پر پہونچ گئے تو
انہوں نے کہا اے لوگو! میں تمہارے
ساتھ جانے کو بالکل تیار تھا لیکن
تمہارے عاقل اور عاقبت اندیشوں نے

مجھے اس ارادے سے روک دیا اور کہتے
ہیں کہ میں یہیں پیچھے رہ جاؤں اور
تمہارے ساتھ کسی اور صحابی کو
بھیج دوں جو لڑائی کا اهتمام انصرام
کرے۔ پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ
وہ کس کو چاہتے ہیں - اس موقع پر
انھیں سعد بن ابی وقاص کا ایک خط
دیا گیا جو اس زمانے میں کسی کام
پر باہر گئے ہوئے تھے، لوگوں نے عمر
سے ان کی سفارش کی اور کہا وہ حملے
میں شیر کی طرح جھپٹتے ہیں - یہ
تجویز خلیفہ نے پسند کی، سعد کو
بلایا اور عراق کا سپہ سالار بنا کر فوج
ان کے سپرد کردی" —

پس سعد فوج کے ساتھ روانہ ہوئے
اور حضرت عمر بھی کچھ فرسنگ تک
اُن کے ساتھ گئے پھر انھوں نے فوج کو
نصیحت کی اور جہاد پر آمادہ کیا،
اس کے بعد خدا حافظ کہا اور مدینے
واپس چلے آئے، لیکن سعد برابر آگے
بڑھتے رہے اور راستہ بدل کر حجاز
اور کوفہ کے درمیانی صحرا میں نکل
آئے، اس اثنا میں وہ ہر قسم کی

خبریں فراہم اور عمر(رض) کے خط پر خط
وصول کرتے ہوے چلے۔ خلیفہ ہر خط میں
تدبیر پر تدبیر لکھتے تھے اور مسلسل
کمک سے تقویت پہونچا رہے تھے،
آخرالامر سعد(رض) نے فیصلہ کیا کہ قادسیہ
کی طرف بڑھنا چاہئے کیونکہ وہ سلطنت
ایران کا دروازہ تھا''۔ ''جب سعد(رض)
قادسیہ پہونچ کر ٹھیر گئے تو انھیں اور ان
کے ساتھیوں کو سامان کی ضرورت ہوئی،
اس لئے انھوں نے چند آدمیوں کو بھیجا
اور انھیں حکم دیا کہ وہ گاے، بیل، بھیڑ
بکریاں تلاش کرکے لائیں۔ باشندگان
سواد کو ان لوگوں کے آگے بڑھنے سے خوف
ہوا مگر آخر انھیں ایک آدمی مل گیا
اور اس آدمی سے انھوں نے مویشی اور
بکریوں کے متعلق دریافت کیا، لیکن
اس نے جواب دیا کہ ''میں بالکل ناواقف
ہوں'' حالاں کہ وہ خود چرواہا تھا اور
اُس نے اپنے جانور ایک محفوظ مقام پر
چھپا دئے تھے۔ روایت ہے کہ ان میں سے
ایک بیل خود بخود پکارا اور اس نے
چرواہے کو جھٹلایا اور گویا کہا کہ ہم
یہاں ہیں، پس وہ لوگ اندر گھس گئے

اور ان میں سے کئی ایک مویشیوں کو باہر
ہانک لائے اور انہیں سعد (رض) کے سامنے
پیش کیا - یہ واقعہ خدا کی مدد کی
علامت سمجھا گیا کیوں کہ اگر چہ بیل
نے زبان قال سے رکھوالے کا جھوٹ نہ
کھولا تھا مگر ایسے نازک وقت پر اس
کا ڈکارنا جس کی بدولت عربوں کو
مویشیوں کی موجودگی کا علم ہوگیا ،
بہت غنیمت ہوا - اس سے چرواہے کے
بیان کی قلعی کھل گئی - یہ واقعہ ان
اتفاقات میں سے تھا جنہوں نے فتح
و سلطنت کی پیشین گوئی کی اور اس
سے عربوں کا شگون نیک مستنبط
کرنا بجا تھا" —

" حضرت سعد (رض) اور اُن کی فوج کے
بڑھنے کی خبر ایرانیوں کو پہنچی تو
انہوں نے رستم کی سرکردگی میں
تیس ہزار مسلح سپاہ روانہ کی -
عربوں کی تعداد صرف سات اور آٹھ
ہزار کے درمیان تھی اگرچہ بعد میں
انہیں اور کمک پہونچ گئی تھی - جب
دونو لشکر صف باندھ کر سامنے آئے تو
ایرانی غنیم کے نیزے دیکھ کر ہنسنے لگے اور

کہا یہ نیزے کیا نکلے ہیں * - اس کے
ضمن میں ہم ایک قصہ اور نقل
کرتے ہیں جس کا یہاں بیان کرنا
نا مناسب نہ ہوگا ' فلک الدین محمد
ابن آیدمر نے ہم سے حسب ذیل
واقعہ بیان کیا :—

" سنہ ۶۵۶ ھ (= سنہ ۱۲۵۸ ع)
میں جس وقت دارالسلام (بغداد)
پر بلا نازل ہوئی ہے اور دویدار † اصغر
تاتاریوں ‡ کے مقابلے کے لئے فوج لے کر
شہر کے مغرب کی طرف بڑھا تو فوج

---

* دیکھو البلاذری (مرتبہ ڈے گیجے صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۰)
یہاں ایرانی فوج کے ایک سپاہی کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ قادسیہ
کی لڑائی میں ایرانی عربوں کے نیزوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے
اور ان کو دوک کہتے تھے —

† یہ لفظ ایک ایرانی عہدے کا نام ہے جس کے معنی دویت یا
دوات دار ہیں ' " انگریزی میں کیپرآف دی سیلز " (Seals)
کہہ سکتے ہیں ' الفخری نے شروع چودھویں صدی عیسوی میں اپنی
دلفریب تاریخ لکھی تھی ' یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حملۂ مغل کی
سفاکیاں دلوں سے ہنوز محو نہ ہوئی تھیں —

‡ عرب مورخ مغلوں کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں ' اہل
یوروپ نے اس کو " تار تار " بنا دیا تاکہ " تار تارس " کے مقامات
اسفل اور اس ہیبت ناک قوم کے درمیان ایک لسانی علاقہ بھی
پیدا ہو سکے —

میں میں بھی تھا ' ہم نہر شبیر پر
دجلہ خورد کے معاونوں میں ہے ایک
دوسرے کے مقابلے میں آے؛ ہماری
صف سے دشمن سے لڑنے کے لئے ایک جوان
نکلتا جو عربی گھوڑے پر سوار اور
زرہ بکتر زیب تن کئے ہوتا گویا کہ
وہ اور اس کا گھوڑا سنگینی میں ایک
پہاڑ تھا پھر مغلوں کے لشکر میں سے
ایک سپاہی جو گدھے کے مثل ایک
گھوڑے پر سوار اور دوک کی طرح کا
ایک نیزہ ہاتھ میں لئے مقابلہ پر
آتا ' اس کے جسم پر نہ زرہ ہوتی
تھی نہ اسلاح' جو کوئی اسے دیکھتا وہ
ہنس پڑتا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے
وہ ہم پر غالب آ گئے ' انہوں نے ہمیں
شکست فاش دی جو ہماری تباہی کی
جڑ ثابت ہوی ' پھر اس معاملہ میں ہم
پر جو گذری وہ گذری"۔ بعد ازاں رستم
اور سعد نے ایک دوسرے کے پاس اپنے
اپنے سفیر بھیجے ' صحرا کے عرب
رستم کے دروازے پر جاتے تو دیکھتے
کہ رستم ایک کمرے میں طلائی تخت
پر بیٹھتا ہے ' تخت پر زر تار گدے اور

کمرے میں زر بفت کا فرش بچھا ہوا ہے؛ ایرانیوں کے سرپر تاج ہیں اور جسم پر زیور، اور جنگی ہاتھی ان کے چاروں طرف کھڑے جھوم رہے ہیں - عرب ایلچی رستم کے قریب جاتا تو اس کے ہاتھ میں صرف ایک نیزہ ہوتا، کمر میں تلوار اور کندھے پر ایک کمان لٹکتی تھی، وہ اپنے گھوڑے کو رستم کے تخت کے قریب کسی چیز سے باندھ دیتا، اس پر ایرانی چلاتے اور ایلچی کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش کرتے مگر رستم ان کو منع کر دیتا اور عرب اپنے نیزہ پر سہارا کئے قالین اور گدیوں پر نیزہ کو ٹیکتا اور ان میں کھونچے لگاتا رستم کی طرف بڑھتا۔ ایرانی کھڑے ہوئے اس حال کو دیکھتے تھے اور جب وہ رستم کے پاس پہنچ جاتا تو اسے فوراً جواب دیتا اور رستم ان ایلچیوں کے عاقلانہ الفاظ اور جواب سن سن کر متعجب اور ہراساں ہوتا مثلاً سعد (رض) ہر موقعہ پر ایک نیا سفیر بھیجتا تو رستم اس سے پوچھتا "کل والا ایلچی آج کیوں

نہیں بھیجا گیا'' سفیر جواب دیتا
" اس وجہ سے کہ ہمارا امیر راحت و
کلفت میں سب کے ساتھ یکساں برتاو
کرتا ہے''۔ ایک اور دن رستم نے نیزے
کی طرف اشارہ کر کے پوچھا " تیرے
ہاتھ میں یہ تکلا کیسا ہے؟ " عرب نے
جواب دیا '' چنگاری کا چھوتا ہونا
اس کا کوئی عیب نہیں ''۔ پھر ایک دن
کسی اور سے پوچھا " تمھاری تلوار کو
یہ کیا مرض ہے کہ ایسی گھسی ہوی ہے''
عرب تڑپ کر بولا " میان سے گھس گئی
ہے ۔مگر اس کی دھار تیز ہے ''۔ پس اس
قطع کی باتوں سے رستم کے کان کھڑے
ہو گئے اور اس نے رفقا و خدام سے کہا
ذرا غور کرو' ان لوگوں کے دعوے یا
تو غلط ہیں یا صحیح' اگر غلط ہیں تو
بھی ایسے لوگ جو اس احتیاط سے اپنے
رازوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں؛ کسی
بات میں اختلاف نہیں کرتے اور اخفاے
راز میں ایسا اتفاق رکھتے ہیں کہ ان کے
راز کوئی معلوم نہیں کر سکتا' ایسے
لوگ فی الحقیقت نہایت قوی اور
نہایت طاقتور ہیں' اور اگر ان کے

دعوے صحیح ہیں تو ان کا مقابلہ
کوئی نہیں کر سکتا - حاضرین اس کے
گرد و پیش چلا کر بولے ' ہم تجھے
خدا کا واسطہ دلاتے ہیں کہ تو نے ان
کتوں کی جو کچھہ باتیں دیکھیں ان کے
اثر سے تو اپنے ارادوں میں ذرا فرق نہ
آنے دے اور ان سے جنگ کرنے کا جو
تیرا ارادہ ہے اس پر قائم رہے - رستم نے
جواب دیا " یہ میری رائے ہے جو میں
نے تم سے بیان کی ورنہ جو تم چاہتے
ہو میں تمھارے ساتھہ ہوں " —

" پھر کئی روز تک وہ خوب لڑتے
رہے ' آخری دن ہوا ایرانیوں کے خلاف
ہو گئی اور خاک نے انھیں اندھا کردیا -
رستم مارا گیا اور اس کی فوج کو
شکست ہوئی ' ان کا سارا مال و متاع
لوٹ لیا گیا ' ایرانی حواس باختہ ہوکر
دجلہ کے کناروں کی تلاش میں چلے تاکہ
اسے عبور کر کے مشرقی سمت پر جا
اتریں - لیکن سعد نے ان کا تعاقب کیا
اور جلولہ کے موقعہ پر ان کے بہت سے
آدمی پھر قتل کئے اور ان کا مال و
متاع لوٹ لیا ' قیدیوں میں ایرانی

تاجدار کی ایک لڑکی بھی پکڑلی *۔
پھر سعد نے مژدۂ فتح عمر (رض) کو
لکھکر بھیجا' اس زمانے میں عمر(رض)
لشکر کے حالات کا تردد کے ساتھ انتظار
کیا کرتے تھے حتی کہ وہ ہر روز
خبروں کی تلاش میں مدینہ سے باہر
نکل جاتے کہ شاید ادھر سے کوئی آنکلے اور
بتائے کہ عربوں پر کیا گزری - پس وہ
شخص جو سعد (رض) کے پاس سے مژدہ
لیکر چلا تھا آپہونچا تو عمر(رض) نے دیکھا
اور اس کو آواز دی۔ پھر پوچھا تو "کہاں
سے آتا ھے " - اس نے کہا " عراق سے "
بولے " سعد اور قوم کا کیا حال ھے ! "
قاصد نے کہا " خدا نے ان کو فتح بخشی "۔
قاصد اونٹ پر سوار تھا اور عمر (رض)
زمین پر برابر برابر چل رھے تھے' قاصد کو
معلوم نہ تھا کہ وہ عمر (رض) ھیں '
مگر جب مخلوق ان کے گرد و پیش جمع
ھونے لگی اور امیرالمومنین کے لقب سے
انھیں سلام کرنے لگی تو اس نے پہچان
لیا اور کہا " خدا کی تجھ پر رحمت!

---

* دیکھو صفحہ ۲۱۸

تونے مجھکو کیوں نہیں بتایا کہ خلیفہ
توهی هے " عمر (رض) نے جواب دیا
کہ " اے اخی! اس میں تیرا کیا قصور
هے " اس کے بعد عمر (رض) نے سعد
(رض) کو لکھا کہ " جہاں هو وهیں
ٹھیر جاؤ ' تعاقب نہ کرو ' اتنا کافی
هے ' اور اس مقام پر مسلمانوں کے واسطے
ایک جاے پناہ اور شہر قائم کرو تاکہ
وہ اس میں رهیں اور ان کے اور میرے
درمیان کوی دریا حائل نہ کرو "۔ پس
سعد (رض) نے مسلمانوں کے لئے کوفہ
بنایا اور اس میں ایک مسجد کا نقشہ
تیار کیا ' لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کے
نشان قائم کئے اور سعد (رض) نے کوفہ
کو صوبہ کا مستقر قرار دیا ' پس اس
طرح اس نے مدائن * پر قابو پایا اور
اس کے خزائن و ذخائر پر قبضہ کیا " —

"اس موقع کے بعض عجیب واقعات کا ذکر

" ان میں سے ایک واقعہ تو یہ هے کہ
کسی عرب کو کافور کا ڈھیلا مل گیا وہ
اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس اٹھا لایا '

---

* دیکھو صفحہ ۲۲۱ (حاشیہ)

انھوں نے کافور کو نمک * سمجھکر اس
کھانے میں ڈال دیا جسے وہ پکارہے تھے۔
مگر اس سے نمک کا مزہ پیدا نہوا ، نہ
انھیں یہ معلوم ہوسکا کہ وہ کیاچیزھے،
پھر ایک شخص نے جو اسے جانتا تھا
دیکھا اور تھیلا کا تھیلا اپنی شکستہ
قمیص کے بالعوض خرید لیا ، قمیص کی
قیمت دو درھم ھوگی —
" دوسرا یہ کہ صحرا کے ایک عرب کو
ایک بہت بڑا اور نہایت قیمتی یاقوت
مل گیا ، وہ اس کی قیمت سے واقف
نہ تھا۔ ایک شخص نے جو اس کی قیمت
سے واقف تھا اسے دیکھا اور ایک ہزار
درھم میں خرید لیا ، بعد میں عرب کو
اس کی اصلی قیمت معلوم ھوئی اس
کے یاروں نے لعنت ملامت کی کہ " تو
نے ایک ہزار سے زیادہ کیوں نہ مانگے"
اس نے جواب دیا مجھے ایک ہزار سے
زیادہ کی گنتی معلوم ھوتی تو میں
اس سے زیادہ مانگتا " —
تیسرا واقعہ یہ کہ ایک عرب

* دیکھو الھیۃ نمرۃ صفحہ ۲۶۳ —

سونے کا سرخ تلا اپنے ہاتھ میں لئے
ہوے آواز لگا رہا تھا "میرے زرد سے
کوئی اپنا سفید بدلتا ہے ' اس کا خیال
تھا کہ چاندی سونے سے بہتر
ہوتی ہے " —

یزد گرد کا انجام

" اس کے بعد یزد گرد بھاگ کر
خراسان چلا گیا اور اس کی قوت دن
بدن گھٹتی گئی یہاں تک کہ وہ سنہ
۳۱ھ (۶۵۱ - ۶۵۲ ء) میں قتل کردیا گیا'
وہ سلاطین ایران میں آخری تھا

ہم نے الفخری کا یہ طویل اقتباس ترجمہ کیا ہے ' سبب
یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ شگفتہ اور پر روز پیرایے میں
ایران کی عربی فتح کے نمایاں واقعات قلمبند کردئے ہیں مگر ہے
یہ مختصر اور خاکے کی طرح کا' کیونکہ طرح مقابلہ قادسیہ کی تباہ کن
لڑائی سے نہ تو شروع ہوا اور نہ اس پر ختم - ابتدائے
جنگ یعنی نومبر سنہ ۶۳۴ ع میں مردان شاہ اور چار ہزار
ایرانیوں نے مسلمانوں کو قسن ناطف پر سخت شکست دی '
نہ یہ بات تھی کہ نہاوند کی لڑائی میں جو قادسیہ سے
سات سال بعد واقع ہوئی ایرانیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی
ہو ' انھوں نے علحدہ علحدہ مقامات میں نہایت سختی کے
ساتھ مقابلہ کیا اور صوبہ فارس میں جو عظمت عجم کا مرکز
اور گہوارہ تھا ' ہر شخص سر بکف ہوکر لڑا بلکہ طبرستان نے

جس کے ایک طرف دلدل اور قدرتی جنگل آگیا ہے اور دوسری طرف سلسلۂ کوہ نے اسے مرکزی سطوح مرتفع سے کاٹ دیا ہے اپنے اسپہبدوں یا ساسانیوں کے فوجی گورنروں کی ماتحتی میں ۷۶۰ ع تک اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا —

ساسانی ممالک کی عربی فتوحات کے بیان سے یہ بیان زیادہ مشکل ہے کہ حضرت محمد صلعم کے مذہب نے کس طرح زرتشت کے مذہب کو آہستہ آہستہ مغلوب کرلیا ' اکثر فرض کیا جاتا ہے کہ نبرد آزمایان اسلام نے اپنے حریفوں کے سامنے شرائط کے طور پر جو کچھہ پیش کیا وہ قرآن تھا یا تلوار ' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجوسیوں کو اجازت تھی اور ان کے ساتھہ عیسائی اور یہودیوں کو بھی کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں ' البتہ انھیں جزیہ یا ایک قسم کا " شخصی محصول " ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور یہ انتظام بالکل انصاف پر مبنی تھا - کیونکہ غیر مسلم رعایا لازمی طور پر جنگی خدمات اور ادائے صدقات سے بری تھی اور مسلمانوں کے ساتھہ یہ دونوں شرطیں لگی ہوی تھیں ' چنانچہ فتوح البلدان بلاذری * کے صفحہ ۶۹ میں مرقوم ہے کہ یمن نے پیغمبر کی اطاعت قبول کی تو انھوں نے سفیروں کو بھیجا کہ وہ نو مسلموں کو آئین وار کان اسلام سکھائیں اور جو ایمان لائے اس سے صدقہ اور جو نہ لائے مثلاً عیسائی

* البلاذری سنہ ۲۷۹ ہجری = ۸۹۲ ع میں مرا — اُس کی تصنیف ڈے گوجے نے مرتب کی ہے (لنڈن ۱۸۶۶ ع)

یہودی اور مجوسی اس سے جزیہ وصول کریں ' اسی طرح عثمان کے معاملے میں انھوں نے "ابو زید کو حکم دیا کہ " مسلمانوں سے صدقہ اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا جاے " (صفحہ ۷۷)

بحرین میں ایرانی مرزبان اور اس کے چند اهل وطن نے اسلام قبول کیا مگر وهاں کے باقی لوگ بدستور مجوسی رهے اور هر بالغ آدمی ایک دنیا رفی کس کے حساب سے جزیہ ادا کرتا تھا ' کتاب مذکور کے صفحہ ۷۹ میں لکھا هے کہ " مجوسی اور یہودی اسلام کے خلاف تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے' عربوں میں جو منافقین تھے وہ یہ کہتے تھے حضرت محمد صلعم نے پہلے تو یہ کہا کہ جزیہ صرف اهل کتاب سے لینا چاهئے اور اب انھوں نے هجر کے مجوسیوں سے بھی جزیہ قبول کرلیا جو اهل کتاب نہیں هیں ' اس پر یہ آیت نازل هوئی :—

یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اهتدیتم الی الله مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون —

اے مسلمانو ! تم اپنی خبر رکھو' جب تم راہ راست پر هو تو کوئی بھی گمراہ هوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم سب کو الله کی طرف لوٹ کر جانا هے' تو جو کچھہ کرتے رهے هو تم کو بتا دے گا *

* زرتشتیوں اور ان کے ساتھہ عیسائی اور یہودیوں سے جزیہ وصول کرنے کے متعلق دیکھو " تہذیب مشرق " جلد اول صفحہ ۹ ۵ مصنفۂ اے فان کریمر

وہ صلح نامہ جو حبیب بن مسلمہ نے آرمینہ کے باشندگان " وابیل " سے طے کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :- بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ نامہ حبیب بن مسلمہ کا اہل " وابیل " کے نام ہے، خواہ وہ عیسائی ہوں ، مجوسی ہوں یا یہودی ، خواہ وہ حاضر ہوں یا غیر حاضر ، تحقیق کہ میں تمہاری جان و مال، تمہارے معبد اور گرجا اور تمہاری فصیلوں کی حفاظت اپنے سر لیتا ہوں ، تم اب محفوظ ہو اور ہم اس وقت تک شرائط صلح نامہ پر عمل در آمد رکھینگے جب تک کہ تم ان کو نہ توڑوگے اور شخصی و ارضی محصول دیتے رہوگے ، اس کا خدا گواہ ہے اور خدا کی گواہی کافی ہے " ــ جیسا کہ البلاذری کے صفحہ ۲۶۷ سے ظاہر ہوتا ہے، ایک موقعے پر عمر (رض) کو کچھہ شک گزرا کہ مفتوح مجوسیوں کے ساتھہ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے ، لیکن عبدالرحمن بن عوف تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا : " میں رسول خدا کی نسبت گواہی دیتا ہوں کہ انھوں نے فرمایا تھا " اُن کے ساتھہ بھی تم وہ ہی برتاؤ کرو جو اہل کتاب کے ساتھہ کرتے ہو " ــ

یہ سچ ہے کہ وہ شہر اور قصبے جو مسلمانوں کے مقابلے پر کھڑے ہوے، بالخصوص وہ جنھوں نے پہلے اطاعت قبول کی اور بعد میں بغاوت ، آسانی کے ساتھہ نہ بچ سکے اور زیادہ تر باغیوں میں بالغ مرد یا کم سے کم جو نفوس مسلح پائے گئے وہ تلوار کا لقمہ بنائے گئے ، اُن کی عورتیں اور ان کے بچے اسیر کئے گئے - لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ

آتش پرستوں کو محض آتش پرستی کے جرم میں تکلیفیں دی گئی ہوں یا یہ کہ ایران کا ایران محض تلوار سے مسلمان کرلیا گیا ہو ' علی گڈہ کالج کے پروفیسر مسٹر آرنلڈ نے اپنی معرکۃالارا کتاب " دعوت اسلام '' باب ہفتم میں اس الزام کی اچھی طرح دھجیاں اڑائی ہیں - انہوں نے دکھایا ہے کہ آتش پرست موبدوں کی مذہبی مخالفت نے جو نہ صرف غیر مذہب والوں بلکہ ایران کے دوسرے فرقوں ' پیروان مانی ' مریدان مزدک اور مودوں وغیرہ پربھی محیط تھی - ان حضرات کو ہر جگہ نہایت گہری حقارت کا مورد بنادیا تھا ' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ " مظالم نے " بہت سے ایرانیوں کے دلوں میں " قائم شدہ مذہب اور شاہی خاندان کی طرف سے جو تشددات کا حامی تھا ' سخت نفرت پیدا کردی اور عربوں کی فتح کو ایک نجات کی صورت میں پیش کیا '' - اس کے سوا جیسا کہ آرنلڈ نے آگے چل کر لکھا ہے - اسلام کی سادگی اور اس کی لچک ' خیالات حشر و معاد جو اس نے زرتشتیوں کے ہاں سے کثرت کے ساتھ لیکر اپنے قوام میں داخل کرلئے * اور وہ نجات جو اسلام

---

* مصنف کو اس اعتراف سے چارہ نہیں ہے - زرتشتی مذہب میں نہ سادگی ہے نہ لچک زرتشتیوں کی کتب مقدسہ اوستا ' ژند و پاژند کے جو اجزا دستبرد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان میں " خیالات حشرو معاد " اس نہج پر نہیں ' جس نہج پر قرآن کریم میں ہیں البتہ دساتیر کو معرض بحث میں لاسکتے ہیں - مگر یہ وہ کتاب ہے جو ظہور اسلام کے ایک زمانے بعد مو بدان مجوس نے

(باقی برصفحۂ آیندہ)

زرتشتی مذهب کے تکالیف دہ ارکان اور آداب طہارت سے دلاتا تھا، ان تمام باتوں نے بہت سے ایرانیوں کو اس کی طرف مائل کر دیا اور کچھ شک نہیں کہ نو مسلموں کا بڑا گروہ خود بخود اور اپنی خوشی سے مسلمان ہوا - مثلاً قادسیہ پر شکست کھانے کے بعد ایران کے چار ہزار دیلمی سپاہیوں نے باہمی مشورہ کر کے اسلام اختیار کرنے اور عربوں سے جا ملنے کا فیصلہ کیا، انھوں نے جلولہ کی لڑائی میں عربوں کا ہاتھ بٹایا اور بالآخر ان کے ساتھ کوفے میں آباد ہو گئے * - علاوہ ازیں لوگ جوق کے جوق بزمیت اسلام میں داخل ہونے لگے- فی الحقیقت ایرانی نو مسلموں اور ایرانی قیدیوں کی اس قدر تعداد کثیر عرب میں آنکلی آ ئی کہ خلیفۂ عمر (رض) کو ایک فکر سی پیدا ہوگئی، اور حسب بیان دینوری (صفحہ ۱۳۶) وہ گھبرا کے چیخ اٹھے کہ " اے خدا! جلولہ کے قیدیوں کے بچوں سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں " -

---

(بقیۂ صفحۂ گذشتہ)

اس کو تصدیق کیا- کلام اللہ نے بہت سی باتیں اس میں سے لے لیں اور ثابت کرنا چاہا کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ و السلام سے پیشتر ہی پیغمبران عجم کے صحف میں یہ سب کچھ موجود ہے - لیکن محققین اس فریب کی پردہ دری کرچکے ہیں اور مصنف خود اسی کتاب میں ' دساتیر ' کو جدید العہد مان چکا ہے-
پھر اسلام نے زرتشتیوں سے بھی کیا باتیں لیں اور اس کا کیا ثبوت ہے ؟ (مترجم)

* بلاذری صفحہ ۲۸۰ - " تہذیب مشرق " مصنفۂ اے فان کریمر جلد اول صفحہ ۲۰۷ —

واقعات نے ان کی فکر کو بجا ثابت کیا ' کیونکہ ایرانی قیدیوں میں سے ایک شخص نے جسے عرب ابو لولوۂ کہتے ھیں ان کا کام تمام کردیا - متعصب شیعہ اس قتل پر آج تک بغلیں بجاتے ھیں بلکہ کچھہ زمانہ پہلے تک " عمر کشاں " کے نام سے اس کی برسی بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح انگلستان میں " گامی فاک " کادن منایا جاتا ھے —

سلمان فارسی

سب سے پہلے ایرانی نو مسلم سلمان (رض) تھے ' صحابہ میں آپ کا درجہ بہت بلند ھے ' نصیریئین شام ان کو اپنی صوفیانہ تثلیث کا جو حروف الم میم' سین (= علی (ض) = تصور محمد (ص) = نام' سلمان (ض) = باب*) پر مشتمل ھے ایک جز و مانتے ھیں ' یہ اس زمانے میں ایمان لائے تھے جب کہ اسلام ابھی میدان جنگ میں نہیں اترا تھا ' انھیں فوجی انجنیری میں دخل تھا اور پیغمبر (صاحب) کو مدینے کی حفاظت میں ان سے بڑی مدد ملی تھی - ان کا حال جسے ابن ھشام نے (صفحہ ۱۳۶ سے ۱۴۳ میں) تفصیل کے ساتھہ لکھا ھے' نہایت دلچسپ ھے ؛ انھیں مذھبی باتوں کا بڑا شوق تھا ' اس شوق کی بدولت وہ نو عمری میں اصفہان کے عیسائی

---

* دیکھو الباکورۃ السلیمانیہ جس میں ایک نصیری مرتد کا اقبال درج ھے اور جو بیروت میں طبع ھوئی ھے ' اس میں تاریخ طبع درج نہیں ھے ' اس کا انگریزی ترجمہ از ای سیلسبری جرنل آف دی امریکن اورینٹل سوسائٹی بابۃ سنہ ۱۸۸۶ ع (جلد ھشتم صفحات نمبر ۲۲۷ - ۳۰۸) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ھے - نیز دیکھو جرنل ایشیا تک بابۃ ۱۸۷۹ صفحہ ۱۹۴ وغیرہ -

گر جاؤں میں اکثر آیا جایا کرتے تھے ' اسی کی بدولت وہ
اپنے شفیق باپ اور پر آسائش گھرکوچھوڑ کر بھاگ گئے اور اسی
کی بدولت انھوں نے اپنا پیدائشی مذھب پہلے عیسویت کے
لئے ترک کیا اور پھر اسلام کے لئے۔ ان کا یہ مذھبی شوق خالص
ایرانی تھا، اگرچہ ایرانیوں میں سلمان (رض) صرف ایسے شخص ھیں
جنھیں اصحاب کے معزز حلقے میں جگہ ملی لیکن اسلام کے
ممتاز علماے متقدمین میں اکثر اشخاص عجمی الاصل نظر
آئیں گے - اسی طرح جنگ کے بہت سے قیدی یا ان کی اولاد
مثلاً شیرین (سیرین) کے چار بیٹے جو جلولہ کی لڑائی میں قید
ھوے ' دنیاے اسلام کے نامور لوگ گزرے ھیں - لہذا یہ کہنا
(جیسا کہ اکثر وہ لوگ کہتے ھیں جو تاریخ ادبیات فارسی
میں محدود نظر رکھتے ھیں- جس کے خلاف ھم نےشروع کتاب
میں صراحت کردی ھے) درست نہیں ھے کہ ایران کی اسلامی
فتح کے بعد دو یاتین صدی تک اھل ایران کی دماغی اور
علمی زندگی کا صفحہ سادہ رھا - بخلاف اس کے یہ زمانہ خاص
اور بے حد دلچسپی کا زمانہ ھے ' اس میں قدیم و جدید کی
آمیزش ھوئی ' اس میں زبان نے اپنا لباس اور خیالات نے
اپنی جون بدلی؛ اس زمانے کو جمود اور موت کا زمانہ
کہنا بالکل غلط ھے - یہ سچ ھے کہ سیاسی اعتبار سے
ایران کا جداگانہ قومی وجود اس عظیم الشان اسلامی مملکت
میں غائب ھو گیا تھا جو سیحون سے جبرالٹر (جبل الطارق)
تک محیط تھی - تاھم اقلیم دانش و علم میں ایران نے بہت
جلد اس فضلیت کا اظہار شروع کردیا جس کا استحقاق اس کے

باشندوں کی قابلیت اور دقت نظر کے باعث اسے حاصل تھا ' وہ چیز جس کا نام ' عربی سائنس ' (علوم عربیہ) رکھا گیا ہے ' یعنی فن تعبیر ' فن روایت ' دینیات ' فلسفۂ و حکمت ' طب ' تاریخ ' سیرت ' لغت بلکہ عربی صرف و نحو بھی۔ اگران میں سے ایرانیوں کا حصہ خارج کر دیا جائے تو ان علوم کا بہترین حصہ غائب ہو جائے گا - اس کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے بہت سے طریقے ایرانی نمونوں پر ڈھالے گئے تھے - الفخری (مرتبۂ اہلورتت صفحہ ۱۰۱) دیوانہائے حکومت یا سرکاری دفاتر کی بابۃ لکھتا ہے * :—

" ہر مسلمان سپاہی تھا اور مسلمانوں کی لڑائیاں مذہب کے لئے تھیں' اس دنیا کے لئے نہ تھیں - ان میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی دولت کا معتد بہ حصہ خیر خیرات میں صرف کرتے تھے اور جو اپنے ایمان اور اپنے نبی کی اعانت کا معاوضہ خدا کے سوا کسی سے نہیں چاہتے تھے -

دیوانوں کا قیام وانتظام

---

* ڈوزی (" اسلام " صفحہ ۱۵۹ میں) لکھتا ہے " جس قدر قومیں مسلمان ہوئیں ان میں ایرانیوں کا مسلمان ہونا سب سے اہم چیز تھا ' انہوں نے اسلام کو استواری اور تقویت بخشی اور ایرانی ہی وہ لوگ ہیں جن میں سے اسلام کے مشہور ترین فرقے پیدا ہوے " -

پیغمبر یا ابو بکر نے ان پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں لگایا تھا بلکہ جب لڑائی میں لڑتے اور غنیمت کا مال ہاتھ لگتا تو بس اتنا ہی لے لیتے جتنا کہ قانوناً جائز تھا، اور مدینہ میں جب کسی ملک کی دولت سمٹ کرآتی تو مسجد نبوی میں اس کا ڈھیر لگا دیا جاتا اور پھر اس کو وہ مناسب طور پر تقسیم کردیتے، ابو بکر کی خلافت تک صورت حال یہ رہی لیکن پندرھویں ہجری (=۶۳۶ء) میں حضرت عمر کا زمانہ آیا اور انھوں نے دیکھا کہ کس طرح فتح پر فتح ہوتی چلی جاتی ہے اور ایرانیوں کے خزانے امڈے چلے آتے ہیں اور کس طرح سونے چاندی جواہرات اور قیمتی پارچہ‌جات کے انبار کھنچ کھنچ کر آرہے ہیں تو انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کردیں اور دولت ان کے درمیان بانٹ دیں مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں تو کیونکر، اتفاق سےمدینہ میں ایک ایرانی مرزبان تھا جس نے ان کی پریشانی دیکھ کر کہا اے امیرالمومنین! شاہان ایران کے ہاں ایک دفتر تھا جس کو وہ دیوان کہتے تھے، جہاں ان کی آمد و خرچ کا سارا حساب درج کیا جاتا

تھا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی
تھی' اور جو لوگ وظیفوں کے حقدار ہوتے تھے
ان کے نام درجہ بدرجہ قلم بند کرلئے جاتے تھے
تاکہ کوئی غلطی نہ ہوسکے' عمر نے یہ سنا تو وہ
متوجہ ہوئے اور مرزبان سے کہا' اس کا پورا حال
بیان کر' پس مرزبان نے اسے بیان کیا اور عمر اسے
سمجھ گئے اور پھر انھوں نے دیوان قائم کردئے —

مال کے محکمہ میں نہ صرف ایرانی طریقہ اختیار کیا گیا بلکہ حجاج بن یوسف (قریب ۷۰۰ ع) کے زمانہ تک ایرانی زبان اور حساب کی ایرانی علامتیں کام میں آتی رہیں اور اس کے بعد جیسا کہ البلاذری نے (صفحہ ۳۰۰ - ۳۰۱) لکھا ہے سیستان کے گرفتار شدہ قیدیوں میں سے ایک قیدی کے بیٹے صالح کاتب نے سواد (کلدان) کے محکمہ مال کے ایرانی صدر کاتب و محاسب زادان ابن فرخ سے فخریہ بیان کیا کہ اگر میں چاہوں تو سارا حساب خالص عربی میں رکھ سکتا ہوں ' یہ الفاظ الحجاج تک پہنچائے گئے تو اس نے صالح کو اس کام کے لئے حکم دیا ؛ اسپر زادان کے بیٹے مردان شاہ نے چیخ کر کہا " خدا تیرے خاندان کو اسی طرح نیست و نابود کردے جس طرح تونے ایرانی زبان کی جڑ کاٹی ہے " صالح کو ایک لاکھ درہم بھی پیش کئے گئے تاکہ وہ انتقال حساب سے انکار کردے لیکن اس نے درہم لینے سے انکار کردیا ' درحقیقت اس

زمانه میں عبدالملک نے بڑا زور لگایا تھا کہ خارجی یعنی ایرانی اور بائیزنٹینی اثرات کو جو نہایت قوت سے اپنا اپنا عمل کرنے لگے تھے دبا دے اور انہیں کم کر کے سرکاری دفاتر سے غیر عربوں کو خارج کر دے ؛ اس کے لائق اور تند مزاج لفٹننٹ الحجاج نے بھی اس کوشش میں اس کا ہاتھ بٹایا لیکن جزوی اور عارضی کامیابی کے سوا اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا * —

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس درمیان میں پارسی مذہب سرکاری مذہب کی حیثیت سے ساقط تو ہوچکا تھا لیکن وہ ایران میں بالکل معدوم نہ ہوا تھا تارکان وطن کے جو گروہ عربوں کے حملہ سے بھاگ کر پہلے جزائر خلیج فارس اور پھر ہندوستان پہونچے اور یہاں پارسی نو آبادیاں قائم کیں جو بمبئی سورت اور ان کے گرد و نواح میں آج تک بستی ہیں ان کی تعداد بہت قلیل تھی ، قوم کا بڑا حصہ اس وقت تک زرتشت کو حضرت محمد صلعم اور اوستا کو قران پر ترجیح دیتا تھا ؛ جیسا کہ گذشتہ سطور میں دکھایا جاچکا ہے پہلوی ادب اس نئے عربی ادب کے پہلو بہ پہلو زندہ تھا جسے نومسلم ایرانیوں نے پیدا کیا ، مجوسی مذہب کے موبدان اعلی اب تک اہم اشخاص سمجھے جاتے تھے ،

---

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول صفحات ۱۶۶ - ۱۸۳

سرکاری حکام سے خط و کتابت میں بھی ان کی یہ اہمیت ملحوظ رکھی جاتی تھی اور ان کے ہم مذہبوں میں بھی جو بہت بڑی حد تک حکومت خود اختیاری* حاصل تھی، ان کا اثر وسیع پیمانے پر چھایا ہوا تھا آتش کدوں کے انہدام کے لئے اگر قانون نافذ بھی کئے گئے تب بھی وہ انہیں بہت کم ہاتھ لگایا گیا اور ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ اگر کسی نے فاسقول جوش میں آکر ان آتش کدوں کو نقصان پہونچانا یا منہدم کرنا چاہا تو اسلامی حکام نے بعض وقت سخت سزاؤں سے کام لیا ہے† ، عربی فتوحات کے تین صدی بعد بھی ایران کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں آتش کدے آباد تھے اگرچہ آج ہوتم شنڈلر‡ کی تحقیقات اور اعداد و شمار کے مطابق ایران میں "آتش پرستوں" کی کل تعداد صرف آٹھ ہزار پانسو ہے، خانی کوف (اقوام وسط ایشیا" صفحہ ۱۹۳) کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جس وقت موجودہ خاندان قاچار کے بانی آغا محمد خاں نے کرمان کا محاصرہ کیا ہے تو صرف اس شہر میں پارسیوں کے بارہ ہزار گھر آباد تھے پس ان کی تعداد میں تیزی کے ساتھ کمی آنا از منہ جدید کا واقعہ سمجھنا چاہئے گو اُن مشاہدہ کرنے والوں

---

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول، صفحہ ۱۸۳

† مقابلہ کرو "دعوت اسلام" صفحہ ۱۷۹

‡ بابت ۱۸۸۲

کے اعداد کو جنہیں ہوتم شنڈلر نے پیش کیا ہے قابل وثوق مان لیا جائے تو پارسی ایران میں پھر زور پکڑ رہے ہیں —

آرنلڈ نے "دعوت اسلام" صفحہ ۱۸۰ — ۱۸۱ میں لکھا ہے "اس قسم کی شہادتوں کے باوجود یہ کہنا فی الحقیقت ناممکن ہے کہ اسلامی فاتحوں نے پارسیوں کو بجبر مسلمان کرکے ان کی تعداد گھٹا دی، عربوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں جن ایرانیوں نے مختلف وجوہ بالا سے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالبا بہت زیادہ تھی لیکن ان کے مذہب کا عرصہ تک باقی رہنا اور بعد کی صدیوں میں ان کا وقتاً فوقتاً تبدیل مذہب کرنا غالبا اس بات کی دلیل ہوسکتا ہے کہ قبول اسلام امن اور خوشی کے ساتھ عمل میں آیا: آٹھویں صدی کے آخر میں بلخ کے ایک پارسی سردار "سامان" نے خراسان کے گورنر اسد ابن عبداللہ کی مدد پہنچنے کے بعد زرتشت ترک کرکے اسلام اختیار کر لیا اور اپنے بیٹے کا نام اپنے حامی و محافظ کے نام پر اسد رکھا، یہی نو مسلم ہے جس کے نام پر سامانیہ خاندان (۸۷۴ — ۹۹۹ م) کا نام وجود میں آیا، نویں صدی

کے آفار کے کریم قریب ابن شہر یار قابو سیہ خاندان کا پہلا بادشاہ گذرا ہے جس نے اسلام قبول کیا اور ۸۷۳ ع میں ناصرالحق ابو محمد کے اثر سے دیلم کے آتش پرستوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی، اس کے بعد کی صدی میں ۹۱۲ ع کے قریب علی ؑ کے خاندان کے ایک شخص حسن بن علی نے، جو بحیرہ خضر کے جنوبی ساحل میں تھا اور علم و عقل سے آراستہ اور مختلف مذاہب کے اصول احکام سے واقف تھا، طبرستان اور دیلم کے باشندوں کو جن میں سے کچھ تو بت پرست اور کچھ مجوسی تھے، اسلام لے آنے کی دعوت دی بہت سوں نے اس کی دعوت قبول کی اور باقی اپنی غیر اسلامی حالت پر قائم رہے، ۳۹۴ ھجری (۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ ع) میں ایک مشہور شاعر دیلم کا باشندہ ابوالحسن مہیار نے جو مذہباً آتش پرست تھا، شریف الرضا کے ہاتھ پر جو اس سے بڑی زیادہ مشہور شاعر اور فن شعر میں اس کا استاد تھا، مسلمان ہوا، ● تبدیل مذہب

● ایک دوسرے ممتاز پارسی نومسلم مشہور ابن المقفع کی بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۹)

کی یہ مثالیں اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں
ہیں لیکن اسلامی فتوحات کے تین ساڑھے تین
سو برس بعد تک ان مثالوں کا پایا جانا اس
امر کا بین ثبوت ہے کہ اہل ایران مذہبی
رواداری سے مستفیض تھے اور ان کی تبدیلی
مذہب با امن اور کم از کم ایک حد تک
بتدریج طریقہ سے عمل میں آئی " —

تاہم کچھ زمانہ تک ایران اور عرب کی دماغی اور سیاسی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ بلکہ ایک ہی رہی ہے کہ آئندہ بابوں میں جہاں خلفاے اموی و عباسیہ کے عہد میں ارتقاء اسلام اور اسلام کے بڑے بڑے فرقے اور مسلکوں سے بحث کی گئی ہے ان دونوں قوموں کا ذکر ایک ساتھہ کرنا لازمی ہوگا اور بعض ایسے ملک پر قلم اوٹھانی پڑے گی جن کا تعلق ایرانیوں کی نسبت عربوں سے زیادہ ہے —

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۸)

طرح غالباً مہیار بھی کچھہ اچھا مسلمان نہتھا، خلیفہ مہدی اول الذکر کی نسبت کہا کرتا تھا " زندقہ (یعنی بدعت خصوصاً مانوی ڈھنگ کی) پر میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی جسکی تہ میں ابن المقفع نہ ہو"، آخر الذکر کے مسلمان ہونے کی خبر القاسم ابن برهان نے سنی توکہا " مسلمان ہونے سے تم جہنم کے ایک کونے سے محض دوسرے کونے میں منتقل ہوگئے " (ابن خلکان، مترجمہ ڈے سلین، جلد اول، صفحہ ۲۳۲، جلد سوم صفحہ ۵۱۷)

باب ششم

عہد بنو امیہ

(سنہ ۶۶۱ م تا سنہ ۷۴۹ م)

632 (A.D)

عہد خلافت سے کیا مراد ہے

عہد خلافت کا آغاز جون سنہ ۷۴۹ م* ہوا، جب کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر (رض) خلیفہ ہوئے، اور اس کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ م میں اس وقت ہوا جب کہ ہلاکو خان نے اپنی مغل فوجوں کے ساتھ بغداد پر قبضہ کرکے، شہر کو لوٹا اور آخری خلیفہ المستعصم با اللہ کو تہ تیغ کیا۔ بقول سرادورڈ کریری (Sir edward creary) کے یہ ضرور صحیح ہے کہ خلیفہ کا خطاب اس واقعہ کے تین سو سال بعد بھی یعنی سنہ ۱۵۱۷ م تک بنو عباس کے اٹھارہ جانشینوں میں باقی رہا، جو ممالک

---

* History of the ottoman turks London 1877

مصر کے دار الخلافة میں قاہری شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے ، لیکن حقیقی قوت سلب ہوچکی تھی بالکل اسی طرح جس طرح کہ مغل اعظم کی اولاد برٹش انڈیا میں رہتی تھی " اسی سال (سنہ ۱۵۱۷ م) عثمانی سلطان سلیم اول نے خاندان ممالیک کو تاخت و تاراج کردیا اور برائے نام خلیفۂ وقت کو مجبور کرکے خطاب خلافت مع لوازمات مقدسہ یعنی لوائے مبارک ، تلوار اور ردائے مبارک اپنے لئے حاصل کرلیا اس وقت سے سلاطین عثمانی اپنے آپ کو نائب رسول اللہ امیرالمومنین اور امام المسلمین کہتے ہیں ، لیکن خواہ ان القاب و خطابات سے انہیں کچھہ فائدہ پہونچا ہو یا نہیں واقعہ یہ ہے کہ خلافت چھہ سو چھبیس سال تک باقی رہنے کے بعد سنہ ۱۲۵۸ ع ہی میں ختم ہوچکی تھی ــ

اس دور کی تقسیم ممتاز لیکن غیر مساوی حصوں میں ہوتی ہے :ــ

خلافت کے تین دور

(۱) خلافت راشدہ یعنی حضرت ابوبکر (رض) عمر (رض) عثمان (رض) اور علی (رض) کا زمانہ (سنہ ۶۳۲ تا سنہ ۶۶۱ م) جسے تاریخ اسلام میں حکومت الہی کا نام

History of the Ottoman Turks, London 1877 ــ

دیا جا سکتا ہے۔

(۲) خلفائے امیہ یا یوں کہنا چاہئے کہ شاہان امیہ کا زمانہ' اس لئے کہ بعد کے مسلمان مورخین انہیں خلیفہ کا روحانی مرتبہ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے جو کل ۱۴ تھے' سنہ ۶۶۱ ع سے سنہ ۷۴۹ ع تک حکومت کی۔ اس زمانے کو "عرب شاہنشاہیت اور کفار کے رد عمل" کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۳) بنو عباس کا زمانہ جن کی تعداد ۳۷ تھی۔ ان کے عہد کا آغاز سنہ ۷۴۹ ع سے ہوا۔ ابوالعباس عبداللہ الملقب بہ السفاح کے نام کا خطبہ کوفہ میں پڑھا گیا' اور اس عہد کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ ع میں ہوا جب ہلاکو اور اس کے مغول نے المستعصم کو ہلاک کیا۔ اس زمانے کو ایرانی عروج' اور فلسفیانہ اور عالمگیر اسلام کا دور کہا جا سکتا ہے۔

مغلوں کے حملے سے اسلام کی [illegible] سیاسی تاریخ میں انقلاب

دور اول میں حکومت کا مرکز مدینہ تھا' دوسرے دور میں دمشق' اور تیسرے میں بغداد۔ تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کا حملہ

---

* اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سر ولیم میور کی مصنفانہ روے
Caliphste, its decliue & fall P. 594

نہ صرف خلافت کی تباہی کا باعث ہوا
بلکہ اس سے مشرق میں سلطنت اسلامی کے اتحاد
کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور اسلام کا زرین عہد
ختم ہو گیا - ایشیائی تاریخ میں آں حضرت
صلعم کے زمانے کے بعد اگر کوئی اہم ترین واقعہ
پیش آیا ہے تو وہ یہی حملہ ہے -
ویسے تو اس سانحہ جانکاہ کے بہت پہلے سے
خلافت کی قوت اپنی اس پہلی عظمت کی
ایک مٹتی ہوئی سی یادگار رہ گئی تھی
جسے ٹینی سن (Tennyson) نے "نیک دل
ہارون الرشید کا زرین عہد سلطنت" کہا ہے لیکن
اگرچہ خلفا کی سلطنت زیادہ تر ایسے خاندانوں
اور حکمرانوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم
ہو گئی تھی جن کی اطاعت اور انقیاد صرف
زبانی تھی لیکن شہر بغداد آخر وقت تک
اسلام کا دار الخلافہ اور علم و تہذیب کا
مرکز تھا' اور عربی صرف سیاسی اور
علمی زبان ہی نہ تھی بلکہ مہذب حلقوں
اور شستہ سجا اس میں بھی رائج تھی۔
مغلیہ دور سے پہلے کے مسلمان مصنفین کی
جس تحقیق علمی اور تنقیدی نظر کے ہم
سب معترف اور مداح ہیں اس کی بنا ہیں

بعد کو تیزی کے ساتھ کم ہوتی گئیں ۔
یہی وجہ ہے کہ جو ایرانی ادب (یعنی وہ
ادب جو فارسی زبان میں تھا) خلافت کے
آخری زمانے میں اور اس کے زوال کے بعد
پیدا ہوا ، وہ باوجود اپنے ظاہری محاسن
کے کسی طرح سے بڑی اہمیت اور دلچسپی
کے اعتبار سے پہلے کے ادب سے ٹکر نہیں کھاتا
جو اگرچہ عربی میں تھا ، لیکن زیادہ
تر غیر عربی اور خصوصاً ایرانی دماغوں
کا آفریدہ تھا ۔ مغلوں کا حملہ صرف سیاسی
اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے
بڑی ابتلا کا مقدم تھا ، اور اس سے پہلے
اور اس کے بعد کے خیالات اور تصانیف میں
جو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے وہ
صرف کمیت ہی کا نہیں بلکہ کیفیت کا بھی ہے ۔

خلفا کی مفصل تاریخ لکھنا اس موجودہ
تصنیف کے موضوع سے باہر ہے خاص کر
اس وجہ سے کہ یہ کام جرمن زبان میں ڈاکٹر
گستاف وائیل (Gastau Weil) (سنہ ۱۸۴۶
تا ۱۸۶۲) اور انگریزی میں سر ولیم میور *

---

* Annals of the car'y caliphate [1883]; the caliphate, its rise , decline and fall (1891 and 1892) ; also the life of Mahomet , Mahomet and Islam etc .

(Sir William Muir) بہت قابل تعریف طریقہ
پر انجام دے چکے ہیں۔ عربوں کی خصوصیات
کا جو مجمل بیان ہم کریں گے، خصوصاً
مذہب، فلسفہ، تہذیب، سیاسیات اور
سائنس کے میدانوں میں ان عربوں کے ایرانی
مظاہرات سے جو بحث کی جائے گی، اس کا
ماخذ مذکورہ بالا اعلیٰ درجے کی تصانیف نہ
ہوں گی، اس مقصد کے لئے یورپین زبانوں
میں جو بہترین کتابیں لکھی گئی ہیں اور وہ
حسب ذیل ہیں:—

(1) A. Von Kremer's: Geschichte der herrschenden Ideen des Islams (1868)

(2) ایضاً : Culturgeschichtliche Streifzuge: auf dem Gebiete des Islams (1873)

(3) ایضاً : Culturgeschichte des Orients unter dem Chalifen (2 Vols., 1875 - 1877)

(4) Dozys': Het Islam (1863)

جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں وکٹر شاون
(Victor Chauvin) نے Essai Sur l' Histoire de
l' Islamisme (1879) کے عنوان سے کیا ہے —

(5) Dozy's Histoire des Musulmans d'Espagne,

(تاریخ مسلمانان اندلس)

(6) Goldziher's ; Muhammedanische Studien (2 Vols., 1883 - 1890) — (اسلامیات)

(7) Von Volten,s Recherches Sur la domination arabe, le Chii tisme et les Croyances Messianiques Sous le Khilafat des, Omayades (1894)

(8) " Opkomst der Abbasiden ;

(9) T. W. Arnold's : Preaching of Islam. (1896)

" تبلیغ اسلام "

ان کے علاوہ اور دوسروں کی ایسی کتابیں مثلاً کاسین
ڈی پرسی وال (Caussin de Perseval) شمولڈرس
(Schmolders) ڈوگات (Dugat) وغیرہ کی تصانیف سے
نیز متعدد بہترین مقالات سے مثلاً خارجیوں کے متعلق
برونو (Brunnow) کا مضمون یا ظاہریوں کے متعلق
گولڈزیہر (Goldziher) کا مقالہ یا قرامطہ (de Goeje)
کے مضمون سے جو (Carmathians) پر ہے، اسٹائنر (Steiner)
کا مقالہ معتزلہ پر اسپٹا (Spitta) کا مقالہ الاشعری پر
بہت کچھ مدد مل سکتی ہے ۔

ایران کی جن دو تاریخوں سے انگریز سب سے زیادہ
روشناس ہیں، وہ سرجان ملکم اور کلی منٹس مارکھم کی

تاریخیں ہیں - ان دونوں نے اس دور تکوں سے جو ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کی فتوحات ایران اور نویں صدی میں پہلے خود مختار یا نیم خود مختار ایرانی خاندانوں کے قیام کا درمیانی زمانہ ہے، بہت سرسری اور مجمل طور پر بحث کی ہے - وہ اسے بھی اس زمانے کی طرح جو اقامنشیوں کے زوال اور ساسانی خاندانوں کے عروج یعنی ٣٣٠ ق - م اور ٢٢٦ عیسوی کے درمیان گزرا تھا ایرانی قومی زندگی کے عارضی تعطل کا زمانہ خیال کرتے ہیں، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے اور یہ دور (سنہ [illegible] تا سنہ ٩[illegible] م) نہ صرف ایک نہایت دلچسپ دور ہے، بلکہ ذہنی حیثیت سے ان سب دوروں سے زیادہ ثمرہ آفریں ہے - جن میں ایرانی تاریخ تقسیم کی جا سکتی ہے —

اگرچہ در اصل خلافت بنو امیہ حضرت علی کی وفات اور معاویہ کی مسند نشینی (سنہ ٦٦١ م) کے وقت سے شروع ہوتی ہے لیکن جو رجحانات اور خیالات اس خلافت کے قیام کا باعث ہوئے ان کا پتہ خلیفہ سوم حضرت عثمان (سنہ ٦٤٤ تا سنہ ٦٥٦ م) کے زمانے تک چلتا ہے - ہم اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں کہ آں حضرت ص کی رسالت کا سب سے بڑا اور اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ عربوں میں نہ صرف ایک مشترکہ قومی احساس پیدا ہو گیا بلکہ کفار عرب کے متعصبانہ تنگ نظری کی جگہ تمام

مسلمانوں میں ایک عام مذہبی حس بھی پیدا ہو گئی ۔ لیکن اس بلند اور اعلیٰ نصب العین پر قائم رہنا شروع ہی سے مشکل تھا ، اس لئے کہ عربوں کے قدیم قومی خصائص جو ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے ، اس قسم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتے تھے ۔ چنانچہ خود آنحضرت صلعم کا اپنے مولد مکہ اور اپنے قبیلۂ قریش کی طرف جو زیادہ رجحان تھا اس نے کئی موقعوں پر انصار مدینہ کے دلوں میں جن کی بر وقت مدد آنحضرت کے بہت کچھ مفید ثابت ہوئی تھی ، خلش اور بے اطمینانی پیدا کر دی تھی ۔ پھر بھی بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی مساوات کا یہ نصب العین سنہ ۶۴۴ م میں حضرت عمر کی وفات تک بخوبی قائم رہا ۔ اس کا نصب العین ہونا قران کی اکثر آیات نیز احادیث سے ظاہر ہے :—

" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " یا " انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم " یا یہ حدیث " اے انسان خدا نے تجھ میں سے زمانہ جاہلیت کی یہ اکڑ بوں ، اور نسب پر قدیم فخر دور کر دیا ہے ، عرب کو بربروں پر بجز اس کے کہ وہ زیادہ متقی ہو اور کوئی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ تم سب بنی آدم ہو اور آدم خود اہل ارض میں سے ہیں " ۔ اگرچہ اس وقت ایسے غیر عرب ، یا بربری جو ایمان لائے ہوئے معدودے چند ہی تھے اور

نبی کریم کو زیادہ سے زیادہ امید افزا لمحات میں بھی اس کی توقع بمشکل ہو سکتی تھی کہ دین اسلام کی اشاعت جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے آگے بڑھ سکے گی ' لیکن مذکورہ بالا آیات میں ہمیں مومنین کی باہمی مساوات ' اور ولادت یا نسب پر نہیں بلکہ ایمان پر فخر کرنے کا تصور نہایت صحیح طور پر بیان کیا ہوا نظر آتا ہے۔

لیکن حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی قدیم قبیلہ واری اختلافات پھر ابھر آئے۔ مکہ اور مدینہ ' مہاجرین اور انصار اور نبی کریم کے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی رقابتیں نیز قبیلہ قریش اور دیگر قبائل کی آپس کی رنجشیں جو قریش کے عروج کو کچھ زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ غرضکہ نفاق اور شقاق کے یہ سب اندیشے جو پہلے ہی سے موجود تھے ' نئے خلیفہ کی قوت فیصلہ کی کمی ' کمزوری ' ضد ' اور علانیہ بنو امیہ کی جنبہ داری حتیٰ کہ ایسے لوگوں کی بھی حمایت جن کا اسلام سے تعلق مشتبہ تھا ان سب وجوہات کی بنا پر اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ آئندہ جو بحث کی جائے گی اسے واضح تر بنانے کے لئے ہم نے سٹینلی لین پول (Stanley Lanepool) کی مفید کتاب مسلمان شاہی خاندان (Mohammadan Dynasties) سے دو شجرے نقل کر دئے ہیں۔ پہلے شجرے سے قبیلۂ قریش کی شاخوں اور خلفاء کے خاندانوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے:—

قریش
ابو مناف
ہاشم
عبدالشمس
عبدالمطلب
امیہ
عثمان اور بنو امیہ
عباس
ابو طالب
عبداللہ
ابو بکر
عمر
بنو عباس
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عایشہ
حفصہ
الحنیفہ
علی
فاطمہ
رقیہ اور
ام کلثوم
عثمان
محمد ابن الحنیفہ
حسن
حسین
شیعہ ائمہ
فاطمی خلفا وغیرہ
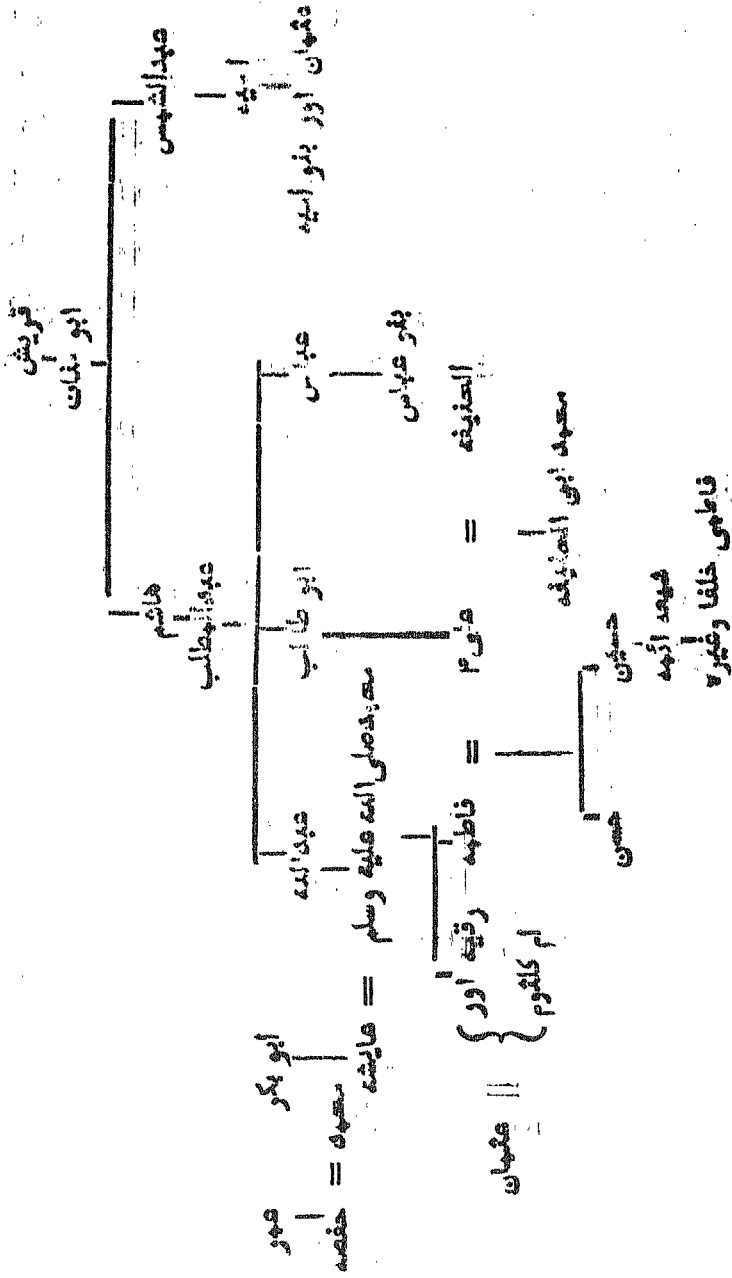
مذکورۂ بالا شجرے سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ خلفاے راشدین میں سے پہلے تو ابوبکر (رض) اور عمر (رض) نبی کریم کے خسر تھے اور آخری دو عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں ان کے داماد تھے؛ لیکن قرابت قریبہ ان میں سے صرف حضرت علی ہی کے ساتھ تھی اس لئے کہ وہ نہ صرف نبی کریم کے برادر عم زاد تھے، بلکہ شروع ہی سے اسلام کے حامی اور فدائی بھی تھے۔ ہمیں اس شجرے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے (جس کی اہمیت آئندہ باب میں ظاہر ہوگی) کہ لفظ بنو ہاشم میں شیعہ اُمہ (جو حضرت علی اور رسول کریم کی صاحب زادی فاطمہ کی اولاد ہیں) اور خلفاے عباسیہ دونوں شامل ہیں لیکن بنو امیہ اس کے دائرے سے خارج ہیں —

دوسرے شجرے سے خلفاے امیہ کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ نیز حضرت عثمان کے ساتھ معلوم ہوتا ہے :—

امیہ
حرب
ابوسفیان
(۱) معاویہ اول
(۲) یزید اول
(۳) معاویہ ثانی
ابوالعاص
عفان
عثمان
حاکم
(۴) مروان اول
عبدالعزیز
(۸) عمر ثانی
(۵) عبدالملک
محمد
(۱۱) مروان ثانی
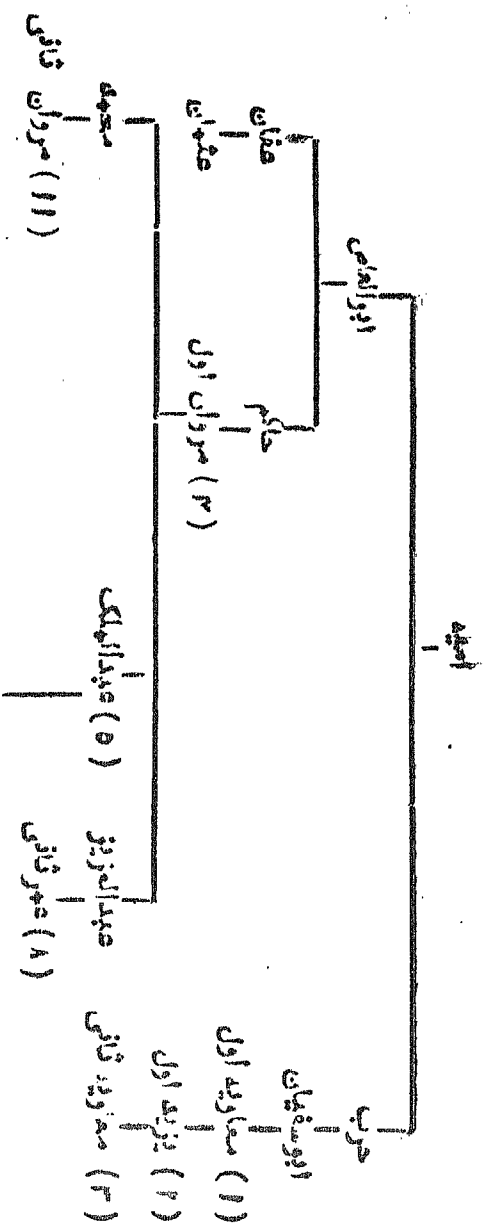
اسلام نے انصاف کا جو سخت اور بے لاگ معیار مقرر کیا تھا، حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آغاز ہی سے اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ خاص مراعات برتنی شروع کر دیں۔ سابق خلیفہ حضرت عمر کے قاتل ایرانی غلام ابو لولوء کو از روے اصول سزاے موت ملنی چاہئے تھی، لیکن عمر کے بیٹے عبیداللہ نے صرف قاتل ہی کو مارنے پر اکتفا نہ کی بلکہ ایک اور ایرانی سردار ہرمزان کو بھی جو اسیر جنگ تھا اور مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، شرکت جرم کے شبہ میں قتل کر دیا۔ لیکن اس کے شریک جرم ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا اور علی (رض) نے جو اسلامی قوانین کی پابندی اور حمایت سختی کے ساتھ کرتے تھے کہا کہ چونکہ عبیداللہ نے ایک مومن کو بے وجہ قتل کیا ہے اس لئے انہیں بھی سزاے موت ملنی چاہئے۔ لیکن عثمان نے اسے گوارا نہ کیا، بلکہ قصاص کے عوض ایک رقمی خونبہا تجویز کیا اور اپنی جیب سے ادا کیا * اور جب زیاد بن لبید نے جو انصار میں سے تھے ان کی اس بے جا نرم دلی پر اشعار † میں انہیں برا بھلا کہا تو انہوں نے اس جسارت کی پاداش میں شاعر کی زبان بند کر دی اور اسے

---
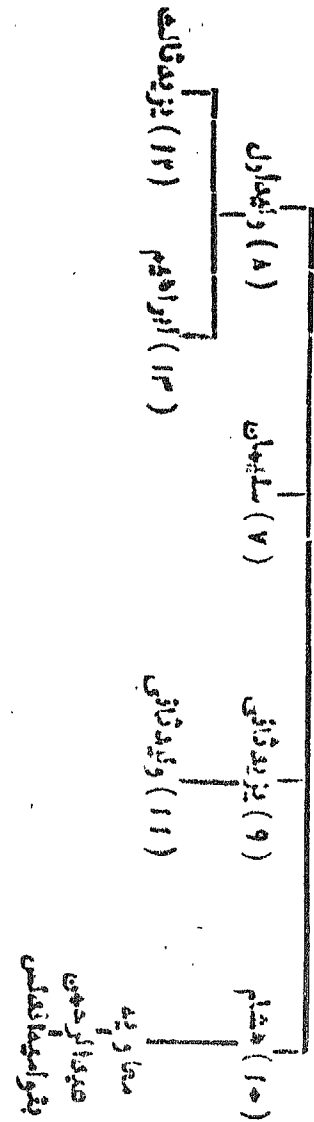
* میور کی تاریخ خلافت (Caliphate) صفحہ ۲۰۵-۱۲۔ مصنف

† یہ اشعار ناظرین کو (De goeje) کے طبری کے اڈیشن سلسلہ نمبر ۱ جلد ۵، صفحہ ۲۷۹۶ پر ملیں گے ۱۲۰ مصنف

خارج البلد کر دیا ۔

غرض کہ جس وقت سے حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے، ان کا ذاتی اغراض سے متاثر ہونا ظاہر ہونے لگا، اور مرور ایام کے ساتھ اس میں اور زیادتی ہوتی گئی ۔ عام طور پر عربوں کے دل قبیلۂ قریش کی طرف سے صاف نہ تھے، اور ان کے عروج پر ان کا رشک و حسد بڑھتا جاتا تھا ۔ اور اب حضرت عثمان کی امیہ کی علانیہ حمایت کی وجہ سے (جنھوں نے قاعدتاً ہمیشہ آنحضرت کی مخالفت کی تھی اور بدرجہ مجبوری اور بادل ناخواستہ اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب وہ اس کی مخالفت نہ کرسکتے تھے) ہاشمی شاخ کو ان کے ساتھ بالکل ہمدردی باقی نہ رہی اور قبیلۂ قریش کا آپس کا شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہوگیا ۔ آنحضرت کے بعض جانی دشمن مثلاً ابوسرح جو عثمان کے رضاعی بھائی تھے اور جنھیں اگر عثمان سفارش نہ کرتے تو آنحضرت فتح مکہ کے موقع پر سزائے موت دیتے، اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کئے گئے اور بیش قرار تنخواہوں سے ان کی دولت میں اضافہ کیا گیا ۔ ایسے لوگوں کو جن کی فرائض مذہبی ادا کرنے میں کوتاہی عام طور پر مشہور تھی، ذی ثروت ولایتیں سپرد کی گئیں ؛ مثلاً ولید بن عقبہ جس کے باپ کو آنحضرت نے غزوۂ بدر کے بعد مروا ڈالا تھا، اور ناری بتایا تھا، یا سعید بن العاص

جس کا باپ اسی جنگ بدر میں کفار کی طرف سے لڑکر
ہلاک ہوا تھا۔ ولید جس کے سپرد کوفہ کی ولایت کی
گئی تھی ، مسجد میں شراب پئے ہوئے آیا ، غلط نماز
پڑھائی اور پھر جماعت سے کہا کہ " جی بھر گیا یا کچھ
اور لوگے "۔ اس میں شک نہیں کہ اسے خدمت سے برطرف
کردیا گیا ، لیکن حد شرعی عثمان (رض) کی مرضی کے
خلاف محض علی (رض) کے اصرار سے لگائی گئی ۔ خلیفہ
(عثمان) کا چھوٹا چچا زاد بھائی ابن عامر بصرہ کا
عامل بنایا گیا جب یہ خبر بڑھے عامل ابو موسیٰ
(جس کی جگہ ابن عامر آیا تھا) نے سنی تو کہا کہ
اب تم کو ایسا محصول جمع کرنے والا مل رہا ہے جس
سے غالباً تمہارا جی بھر جائے گا ، جس کا چچا زاد بھائی ،
چچا ، اور چچیاں بے شمار ہیں اور جو اپنی جونکوں سے تمہارا
ناک میں دم کردے گا ۔ کوفہ کا نیا عامل سعید بن العاص
بھی اتنا ہی بد تھا جتنا اس کا پیش رو۔ یہاں
تک کہ رعایا میں شکایت کے طور پر یہ مثل مشہور
ہوگئی ایک قریشی دوسرے قریشی کے بعد عامل ہوتا
ہے اور جانشین بھی اتنا ہی بد تر ہوتا ہے جتنا کہ
پیش رو ۔ یہ تو بالکل وہی مثل ہوئی کہ چولہے سے
نکلا تو بھاڑ میں گرا " ۔

عثمان (رض) کا قتل سنہ ۶۵۶ء

اس روز افزوں بے چینی کے اور اسباب
بھی تھے جن کی وجہ سے نبی کریم کے

اور صحابہ بھی جو اپنے زہد و تقویٰ کے لئے ممتاز تھے ان سے بدن بد دل ہوتے گئے - ابن مسعود جو نصوص قرانی کے متعلق حکم کا درجہ رکھتے تھے ' حضرت عثمان کی قران کی نظر ثانی اور خصوصاً غیر مستند نسخ قرانی کے تلف کردئیے جانے کی وجہ سے ان سے ناراض ہوگئے - ابوذر کو ' جو مسلمانوں کی مساوات کے حامی تھے ' اور اس عیش پسندی کے جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی سخت مخالف تھے جلا وطن کردیا گیا ' اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا * - نئی نئی بدعتوں نے جن کے جواز کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ خلیفۂ وقت کی مرضی یہی تھی - بدظنی اور ناراضی کے اس طوفان کو اور شدید کردیا ' حتیٰ کہ کہ ۱۷ جون سنہ ۶۵۴ ع میں مصر خلیفہ کو اس حالت میں کہ وہ مدینہ میں اپنے زنانہ مکان میں بیٹھے تھے دشمنوں کے ایک گروہ نے بے دردی کے ساتھ قتل کردیا - ان کی بیوی نائلہ (رض) نے آخر وقت تک حق وفاداری ادا کیا ' اور اپنے ہاتھ پر قاتلوں کے ایک وار کو جو عثمان (رض) پر کیا گیا تھا روک لیا ' جس سے ان کی نئی انگلیاں کٹ گئیں - بعد کو امیر معاویہ نے یہ کٹی ہوئی انگلیاں

---

* اس واقع کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذہب مرتبہ بار بھرتی مے نارڈ جلد چہارم صفحہ ۲۶۸ - صفحہ ۲۷۳-۱۲ مصنف —

اور ان کے ساتھہ معمر خلیفہ کی خون آلودہ قمیص دمشق کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو دکھائیں، مطلب یہ تھا کہ قاتلوں کے خلاف شامیوں کی آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھے ٭ —

علی (رض) کا انتخاب خلافت

عثمان (رض) کی وفات سے اسلام کا رہا سہا نمایشی شیرازہ اتحاد و یکا نگہت بھی پراگندہ ہوگیا ' اور ایسی جنگیں شروع ہوگئیں جن میں اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی شمشیریں مسلمانوں ھی کے خلاف نیام سے نکل پڑیں - بالآخر علی (رض) خلیفہ منتخب ہوے ' جو منصب اکثر لوگوں کی راے میں ' ان کے حقوق کو دیکھتے ہوے انھیں بہت پہلے ملنا چاھئے تھا - طلحہ اور زبیر کو اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی جس پر انھوں نے حضرت عائیشہ (دختر ابوبکر (رض) اور بیوۂ رسول کریم) کے اشارے سے بغاوت کردی ' اور اس کی پاداش میں دسمبر سنہ۶۵۶ع میں جنگ جمل میں کام آے ' اس لڑائی میں دس ہزار مسلمان کھیت رہے - علی (رض) نے بہت کوشش کی کہ اس کشت و خون کی نوبت نہ آنے پاے ' لیکن عین اس وقت جب کہ انھیں کامیابی کی کچھہ امید ہو چلی تھی ' عثمان (رض) کے قاتلوں نے جو ان کی فوج میں تھے ڈرکر کہ کہیں صلح ہونے کی صورت میں ان سے مواخذہ

٭ انیکلوپیڈیا بریٹانیکا (اڈیشن ایلیونتھ) صفحہ ۱۰۹ - ۱۱۲ مصنف

نہ کیا جائے ، فوراً ہی لڑائی چھیڑدی —

معاویہ کا علی کو خلیفہ ماننے سے انکار

شام میں جہاں عثمان (رض) کے رشتہ دار معاویہ والی تھے ، اس سے اور زیادہ بے چینی پھیل چکی تھی ، اس لئیے کہ وہاں بنو امیہ کا اثر بہت زیادہ تھا ـ علی کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ اس ذی اثر اور فطرتی والی سے تعارض نہ کریں ، لیکن انھوں نے نہ مانا اور انھیں ان کی خدمت سے واپس بلانے پر مصر رھے ـ معاویہ نے تعمیل حکم سے انکار کردیا ، اور جواب میں علی کو صریحاً عثمان کے قتل کی سازش کا شریک ٹھیرایا ـ اس سے پہلے یہی الزام ولید بن عقبہ نے (جس کو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ھیں حضرت علی کے ھاتھوں سزا مل چکی تھی) بعض اشعار * میں جو اس نے ھاشمیوں کو مخاطب کر کے لکھے تھے علی پر لگایا تھا ـ ان میں سے آخری شعر یہ ھے :—

"تم نے ان (عثمان) کے ساتھ دغا کی
تاکہ ان کی جگہ لے لو جس طرح سے کہ
کسریٰ کے ساتھ اس کے امیروں نے دغا کی تھی"

غرض کہ معاویہ نے عثمان کے انتقام کا بیڑا اٹھایا ، اور نہ صرف علی کے احکام کی تعمیل ، یا ان کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ خود خلافت کا دعویٰ کیا ، اس دعویٰ کی تائید عمرو ابن العاص نے کی جنھیں

---

* ملاحظہ ہو مسعودی صفحہ ۲۸۹ - ۱۲۰ مصنف —

اس کے صلے میں والی مصر بنائے جانے کا وعدہ کر لیا گیا تھا - جب گفت و شنید سے معاملے کے تصفیہ کی امید نہ رہی تو علی نے جو مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا چکے تھے معاویہ اور ان کے شامیوں کے خلاف جنگ شروع کردی، اور پچاس ہزار کی فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے - دونوں فوجیں بمقام صفین

جنگ صفین

جو شام میں حلب اور حمص کے درمیان میں واقع ہے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں اور کئی روز کے شبخون اور صلح کی بے نتیجہ گفت و شنید کے بعد اواخر جولائی سنہ ۶۵۷ ع میں فیصلہ کن معرکہ ہوا - لڑائی کے تیسرے روز علی کی فتح بہت کچھ یقینی ہوگئی تھی، کہ اتنے میں امیر ابن العاص نے جو حربی چالوں کے بڑے ماہر تھے معاویہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو کہ نیزوں پر اوراق قرآنی بلند کریں اور یہ نعرہ لگائیں، " قانون الہی! قانون الہی!! وہی ہم میں فیصلہ کرے گا " اگرچہ علی نے اپنے ساتھیوں کو اس چال سے متنبہ کیا اور ان سے تاکید کی تھی کہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو اور بڑھے چلو، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی - ان پر جوش اور کٹر مسلمانوں نے جو ان کی فوج کی جان تھے ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کر دیا جو قران کو درمیان میں لائیں - عارضی طور پر صلح کا اعلان کردیا

گیا ، اور دونوں فریقوں نے ثالثی پر رضا مندی ظاهر
کی - اس موقع پر بھی علی کو اپنی مرضی کے خلاف
کمزور ارادہ اور متلون المزاج ابو موسیٰ الاشعری کو
جنہے اسی کمزوری کی وجہ سے وہ کوفہ کی ولایت سے ہٹا چکے
تھے ، اپنا نمائندہ بنانا پڑا - ادھر معاویہ کی طرف سے
زیرک اور پر تدبیر امیر ابن العاص نمائندگی کر رہے تھے
اور انھوں نے چال سے * حضرت علی کو ہٹا کر معاویہ کی
خلافت کا اعلان کردیا - یہ واقعہ فروری سنہ ۶۵۸ ع میں بمقام

معاویہ کی خلافت کا اعلان فروری سنہ ۶۵۸

دومۃ الجندل جو صحرائے شام میں
عرض البلد ۳۰ کے عین جواب میں
اور دمشق اور بصرہ سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے ، پیش آیا -

علی کی حالت

حضرت علی اور ان کے شرکا کو اس واقعہ
سے جو کچھہ مایوسی اور نفرت ہوئی اس
کا بیان تحصیل حاصل ہے - معاویہ اور ان کے حلیفوں
کے لئے روزانہ عراق کی مسجدوں میں دعائے قنوت کی
جانے لگی - واضح رہے کہ یہ صوبہ کم و بیش علی کا وفادار
تھا - دوسری طرف سے اس کے جواب میں معاویہ اور ان
کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے خلاف اسی قسم کی دعائیں
دمشق کی مساجد میں کرائیں ، اور علی اور ان کے
رفیقوں کے خلاف یہ دعائے قنوت عمر ثانی کے زمانے تک

---

* ملاحظہ ہو میور کی " caliphate " صفحہ ۲۸۰ - ۲۸۲
نیز الفخری (ایڈوارڈس اڈیشن) صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳ - ۱۲ مصنف

ہوتی رہی اور ان کے حکم سے منسوخ ہوئی۔ سارے خاندان امیہ میں عمر ثانی ہی ایسے خلیفہ تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا۔ علی (رض) نے بھی صرف تبرا بازی ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنے دشمن سے ایک اور جنگ کی تیاری کرنے لگے، لیکن اتنے میں قرب و جوار کے دوسرے اہم واقعات نے ان کی توجہ کو ادھر سے ہٹا دیا۔

علی (رض) کی فوجوں کی ترکیب

علی (رض) کی فوجوں میں ذاتی احباب، ملازمین، بساط سیاست کے شاطروں اور بصرہ اور کوفہ کے شورش پسند اور متلون المزاج باشندوں کے علاوہ دو جماعتیں ایسی تھیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھیں اور اسلام کے دو قدیم ترین فرقوں شیعیوں اور خارجیوں کی نمائندہ تھیں۔ ان میں سے

شیعیان علی (رض)

اول الذکر یعنی شیعہ علی (رض) اور ان کے خاندان کے جاں نثار اور وفادار تھے اور اس نظریہ کے موید تھے جس کی تشریح ہم اس جلد کے صفحہ ۲۱۷ پر کر آئے ہیں، اور جسے مختصراً ان لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو اس بات کا الٰہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں۔ صفحات آئندہ میں ہم ان لوگوں کا نیز ان عجیب و غریب عقائد و مسائل کا جو ان میں کے غالی افراد نے

پیش کئے ہیں ذکر کریں گے - اس موقع پر صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ حضرت علی کے تقدس بلکہ ان کی الوہیت کے متعلق خود ان کی زندگی میں اور ان کی سخت مخالفت کے باوجود جو عقائد پیدا ہو گئے تھے ان کا ایک پر جوش حامی عبداللہ ابن سبا نام ایک یہودی تھا جو بعد کو مسلمان ہو گیا تھا اور جس نے عثمان (رض) کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۶۵۳ ع میں بمقام مصر اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی تھی —

خوارج

خوارج † (جنھیں میور (Theoeratic Separatists) دینی اختلاف پسند کہتا ہے کا عقیدہ انتہائی جمہوریت پسندی کا تھا ' یعنی ان کی رائے میں ہر آزاد عرب منصب خلافت کے لئے منتخب کیا جا سکتا تھا ' اور جو خلیفہ جمہور مسلمین کی تائید حاصل نہ کر سکے

* ملاحظہ ہو میور کی (Caliphate) صفحہ ۲۲۵ - صفحہ ۲۲۶ نیز شہرستانی کی کتاب الملل و النحل (کوریٹن اڈیشن (Curetan Edition) صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۲ - مصنف —

† برونو کی رائے ہے کہ خوارج کا نام ان لوگوں نے خود اختیار کیا تھا ' ان کے دشمنوں کا دیا ہوا نہیں ہے ' نیز یہ کہ اس کے معنے بغاوت یا خراج کے نہیں ہیں ' بلکہ " مہاجروں " کی طرح کا ایک لقب جو ان لوگوں نے اس وجہ سے اختیار کرلیا تھا کہ یہ خدا کی راہ میں گھر سے نکل پڑے تھے - وہ اپنی رائے کی تائید میں قرآن ۴ - ۱۰۱ کو پیش کرتے ہیں - ۱۲ - مصنف —

اسے معزول کیا جا سکتا تھا * ان کی فوجیں ریگستان کے
پکے عربوں (خصوصاً بعض اہم قبائل جیسے تمیم) اور
جنگ قادسیہ اور دوسرے معرکے کی لڑائیوں کے سورماؤں
پر مشتمل تھیں - ان کے ساتھ ہی پکے شرعی مسلمان
بھی شریک تھے جنھیں شہرستانی نے "اہل الصیام والصلواۃ"
کہا ہے' جو افراد کی حوصلہ آزمائیوں کو دین اسلام کے
اتحاد کے لئے مضر سمجھتے تھے' اور دینی اغراض کا
فرقہ واری اغراض کے تابع ہو جانا پسند نہ کرتے تھے -
یہ لوگ قرآن ۲ - ۲۰۳ کے حوالے سے اپنے آپ کو
'شرات' کہتے تھے' یعنی بہشت کی خاطر جان فروشی
کرنے والے - ان شراۃ کی اٹل ہمت' ان کا درشت غلو
اور خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کرنے کا عزم
بالجزم' یہ سب باتیں ہمیں نہ صرف آخر اٹھارویں اور شروع
انیسویں صدی کے وہابیوں کی یاد دلاتی ہیں بلکہ
اسکاٹ لینڈ کے (Covenanters) اور انگلستان کے (Puritans)

---

* بعد کو غالی خوارج نے اس میں دو اور شرطوں کا اضافہ
کیا - ایک تو انہوں نے "آزاد عرب" کی جگہہ "نیک مسلمان"
رکھا اور دوسرے لفظ "معزول" کے آگے یہ عبارت بڑھائی "بشرط
ضرورت قتل کیا جاسکتا ہے" - خوارج کے متعلق" خاص طور پر
ملاحظہ ہو برونو کا فاضلانہ مضمون (Die charid schiten) (لائڈن
سنہ ۱۸۸۴) نیز Von Kremer کی تصنیف (Herr Schemden
(Idem etc) صفحہ ۳۵۹ - ۳۶۰ : Dozy کی
(Hstoire de l' Islamisive) صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۹ - ۱۲ مصنف

کی یاد بھی تازہ کرتی ھیں - اور اکثر خارجی نظمیں *
اس انداز اور ایسے الفاظ میں لکھی گئی ھیں کہ
(Balfour of Burleigh) بھی اگر اپنا مطلب ظاھر کرنا چاھتا
تو ھو بہو انہیں الفاظ میں کرتا —

اس جمہوریت پسند جماعت کو معاویہ اور اُمیہ کی
لا مذھبیت سے جتنی نفرت تھی، اس سے کچھ ھی کم
نفرت اس اکابر پرستی سے تھی جس کی نمائندہ علی (رض)
اور قبیلۂ قریش کی ھاشمی شاخ تھی' اور اگرچہ جنگ
صفین میں یہ لوگ علی کی طرف سے لڑے تھے' لیکن
جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ھے ان کی شرکت تمام تر
فائدہ ھی کا باعث نہ ھوئی کیونکہ جس ثالثی پر خود
انھوں نے زور دیا تھا' اس کے بعد جب ان کی جماعت میں
درھمی پیدا ھوئی' تو یہ علی (رض) کے پاس آئے اور

---

* ان نظموں کا بہترین ذخیرہ المبرد کی کامل میں موجود
ھے' جو نویں صدی عیسوی میں تصنیف ھوئی اور جس کا
ایک اڈیشن Wright نے سنہ ۱۸۶۴ — ۱۸۸۲ع میں شایع کیا
ملاحظہ ھو باب نمبر ۳۹' ۵۱ و ۵۴ - نولدکی کی کتاب Delectus
vet. Carm. Arab. (برلن سنہ ۱۸۹۰ع) میں بھی ان کا کچھ
انتخاب موجود ھے (صفحہ ۸۸ تا ۹۴) ' نیز ملاحظہ ھو
von Kremer کی culturgeschichte جلد دوم صفحہ ۳۶۰ —
۳۶۲ — ۱۲ — مصنف —

کہنے لگے * " ثالثی صرف خدا ہی کو زیبا ہے۔ تجھے کیا ہوا تھا کہ تونے انسانوں کو ثالث قرار دیا۔ علی (رض) نے جواب دیا میں نے کبھی ثالثی پر رضا مندی ظاہر نہیں کی تھی، تم ہی نے اس کی آرزو کی تھی۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ شامیوں کی چال ہے اور تم کو حکم دیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے لڑتے رہو لیکن تم ثالثی کے سوا اور کسی بات پر تیار نہیں ہوے، اور میرا حکم رد کردیا۔ پس جب ثالثی سے مفر نہیں رہا، تو میں نے یہ شرط کردی تھی کہ ثالث صرف کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، لیکن ان میں اختلاف پیدا ہوا اور انھوں نے احکام الہی کے خلاف ہوائے نفس کے مطابق فیصلہ کیا اس لئے ہم اب بھی اپنی پرانی راے پر قائم ہیں کہ دشمنوں سے جنگ کی جاے۔ اس پر خوارج نے جواب دیا اس میں شک نہیں کہ پہلے ہم نے ثالثی منظور کی تھی، لیکن اب ہم پچھتا رہے ہیں اور ہمیں اعتراف ہے کہ ہم غلطی پر تھے۔ اب بھی اگر تو اپنے کفر کا اقرار کرے اور خدا سے اپنے اس گناہ کی کہ تونے انسانوں کی ثالثی قبول کی توبہ کرے تو ہم تیرے ساتھ مل کے تیرے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کریں گے ورنہ ہم تجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے " ۔

---

* میں اس موقع پر الفخری (ایلوارڈت اڈیشن) صفحہ ۱۱۴ الخ کے الفاظ نقل کررہا ہوں ۱۲ مصنف ۔

جنگ نہروان

علی (رض) کو ان لوگوں کی بے عقلی کی روش پر غصہ آیا ، لیکن ان کی تنبیہہ اور ترغیب کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ، اور قبل اس کے کہ ان کی واپس جانے والی فوج کوفہ تک پہنچے اس میں سے ۱۲۰۰۰ آدمی ، جیسا کہ انھوں نے دھمکایا تھا ، علیحدہ ہو گئے اور حرورا میں جاکر پڑاؤ کیا۔ انھوں نے اپنا نعرۂ جنگ " لا حکم الاللہ " مقرر کیا اور مدائن کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کر کے وہاں ایک " مجلس نمائندگاں " قائم کریں جو " گرد و پیش کے بے دین شہروں کے لئے نمونہ بنے " * لیکن جب گورنر کی دور اندیشی کی وجہ سے انھیں اپنے اس ارادے میں ناکامی ہوئی تو نہروان کی طرف جو ایرانی سرحد کے نزدیک تھا ، بڑھ گئے۔ انھوں نے ۲۲ مارچ سنہ ۶۵۸ ع کو قبیلۂ راسب † کے عبداللہ بن وہب کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور جن مسلمانوں نے ان کے ہم رائے ہونے ، ان کے خلیفہ کو تسلیم کرنے اور عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں کو برا کہنے سے انکار کیا ، ان کو انھوں نے کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کیا۔ ان کے افعال خشونت اور خدا ترسی کا ایک عجیب معجون مرکب تھے۔ ان میں سے ایک نے ایک کھجور جو درخت سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی اٹھا کر اپنے منہ میں رکھی لیکن جب

---

* میور (Caliphate) صفحہ ۲۸۴ - ۱۲ - مصنف

† برونو صفحہ ۱۸ - ۱۲ - مصنف

اس کے ساتھیوں نے ملامت کی " تونے یہ کھجور بغیر
حق کے لی ہے تونے اس کی قیمت ادا نہیں کی ہے" تو
اس نے اسے منہ سے نکال کر پھینک دیا ' اسی طرح سے
کہتے ہیں کہ ایک خارجی نے ایک خنزیر پر جو ادھر سے
جا رہا تھا اپنی تلوار چلائی اور اس کی کونچیں کاٹ
ڈالیں اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا یہ " فسادفی الارض "
میں داخل ہے تو اس نے اس کے مالک کو تلاش کر کے
اس کو تاوان ادا کر دیا * لیکن دوسری طرف بے گناہ
مسافر قتل کئے جاتے تھے ' حاملہ عورتوں کے پیٹ تلوار
سے پھاڑ ڈالے جاتے تھے ' اور ان مظالم پر ان غالیوں کی
طرف سے کسی ندامت کا اظہار نہ ہوتا تھا ۔ بر خلاف
اس کے جب علی (رض) نے ان سے کہا کہ قاتلوں کو حوالے کردو
اور بقیہ سب لوگ چپ چاپ چلے جاؤ تو یہ ایک آواز
ہو کر پکار اٹھے " ہم سب نے کفار کے قتل میں حصہ لیا ہے"۔
ظاہر ہے کہ جب علی (رض) کی فوجوں کے اہل و عیال اور
گھر بار کو ایسے خطرے کا سامنا ہو ' تو وہ لوگ بغیر
اس طائفہ باغیہ کا استیصال کئے ہوے کس طرح شام کی
طرف پیش قدمی کر سکتے تھے ۔ حضرت علی (رض) نے رحم دلی
سے کام لے کر ان خوارج کو جو جانا چاہیں ' بغیر تعارض
خوارج کی لشکر گاہ سے چلا جانے دیا ۔ ان میں سے نصف
تعداد نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا ۔ بقیہ دو ہزار نے مقاومت

---

* الخضری اطوارتت اتیھن صفحہ ۱۱۷ ۔

کے ساتھہ اس رعایت کو ٹھکرا دیا، اپنی جگہ پر قدم جمائے رھے اور ایک ایک کرکے مارے گئے - دوسری طرف علی (رض) کے ساتھہ ھزار مجاھدین میں سے صرف سات کام آئے - یہ سنہ ۶۵۸ ء کے مئی یا جون کا واقعہ ھے، اور اس کی وجہ سے پس ماندہ خوارج کی عداوت علی (رض) کے ساتھہ اور زیادہ سخت ھوگئی، اور اب وہ ان سے معاویہ (رض) سے بھی زیادہ متنفر ھوگئے - علاوہ بریں علی (رض) کی فوجوں نے انکار کردیا کہ جب تک ھم دم نہ لے لیں اور مزید سپاہ بھرتی نہ کر لیں، معاویہ (رض) کے خلاف پیش قدمی نہ کریں گے - انھوں نے کہا " ھماری شمشیریں کند ھو گئی ھیں، ھمارے ترکش خالی ھو چکے ھیں اور ھم جنگ سے اکتا گئے ھیں، کچھہ دنوں کی ھمیں مہلت دو تاکہ ھم اپنے انتظامات درست کرلیں اور اس کے بعد ھم پیش قدمی کریں گے* " - لیکن جیسے ھی کہ ان لوگوں کو موقعہ ملا، وہ ایک ایک کرکے کھسکنے لگے یہاں تک کہ لشکر گاہ خالی ھو گئی -

مزید مصائب

اپنے مخالف کی یہ روز افزوں مشکلات دیکھہ کر معاویہ (رض) دن بدن جری ھوتے گئے - انھوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور بصرہ میں بھی بغاوت کرادی - دوسری طرف خوارج نے جنوبی ایران کے باشندوں کو ورغلایا "کہ ایک لا مذھب خلیفہ کو جزیہ دینا گویا اس کی تائید کرنا

---

* الفخری (اھلوارٹ ایڈیشن) ص ۱۱۷ - ۱۲ مصنف

ہے اور یہ ناجائز کام ہے * اور سارے جنوبی ایران میں
خوارج علی (رض) کے خلاف بغاوت کے لئے کھڑے ہوگئے '
غرض کہ ان حالات نے ' نیز ان کے علاوہ اور کئی مسلسل
دردناک اور خلاف امید واقعات نے علی (رض) کو اس حد
تک بد دل کردیا کہ وہ سنہ ۶۶۰ م میں معاویہ (رض) کے ساتھہ
صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے ' جس کی رو سے ان
(معاویہ) کا قبضہ مصر اور شام پر بغیر شرکت غیرے تسلیم
کر لیا گیا تھا - اس کے دوسرے سال (جنوری سنہ ۶۶۱ م)

علی کا قتل ۲۵ جنوری سنہ ۶۶۱ م | علی (رض) کو ابن ملجم اور دو اور خارجیوں نے کوفہ کی مسجد میں قتل کردیا -

غرض کہ اس طرح نبی کریم کے برادر عم زاد اور داماد
خلفاے اربعہ میں سے آخری خلیفہ اور شیعہ ائمہ میں سے
پہلے امام علی (رض) کا خاتمہ بعمر شصت سالہ ہوگیا -
ان کے جانشین حسن (رض) ہوے جو ان تین فرزندوں میں سے †

حسن (رض) کی جانشینی اور خلع | جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے ہوے سب سے بڑے تھے ' لیکن وہ ۱۰ اگست سنہ ۶۶۱ م

میں ' بلا عذر و مقابلہ خلافت سے دست بردار ہوگئے '
اور اس طرح معاویہ (رض) عظیم الشان سلطنت اسلامی
کے مالک کل ہوگئے ' اور خاندان امیہ مستحکم ہوگیا

* میور Caliphate ص ۲۹۲ - ۱۲ - مصنف
† دوسرے بیٹے حسین تھے ' اور تیسرے کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا
تھا - ۱۲ - مصنف -

اور دنیا اس کا اودھا ماننے لگی —

ڈوزی (Dozy) نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کی فتح در اصل اس گروہ کی فتح تھی جو دل میں اسلام کا دشمن تھا '- نبی کریم کے جانی دشمنوں کی اولاد ' جن کے دلوں میں اب تک ویسی ہی مخالفت تھی ' اب جانشینی اور نیابت رسول کے مدعی ہوئے اور جن لوگوں نے ان کی بدعتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالی ان کی زبان بندی بزور شمشیر کی گئی - خود معاویہ (رض) کے زمانے میں بھی رعایا کو شکوہ و شکایات کی بہت سی وجوہات پیدا ہو چلی تھیں - وہ دمشق میں اپنے پر شکوہ دربار میں بیٹھ کر اور اپنی ادنی درجہ کی رعایا کی داد فریاد سے دور رہکر خلفاے راشدین کی بجاے باز نطینی شہنشاہوں اور ایرانی بادشاہوں کی شان و شوکت کی نقالی کر رہے تھے - ان ہی کی تقلید میں انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور بجز بلاد مقدسہ مکہ و مدینہ کی رعایا سے ان کی خلافت منوالی —

یزید اول سنہ ۶۸۰ سنہ ۶۸۳ م

جب معاویہ (رض) کی وفات (اپریل سنہ ۶۸۰ م) کے بعد یزید ان کا جانشین ہوا ' تو صورت حالات اور بدتر ہو گئی - دنیاے اسلام اور خصوصاً ایران میں اس کے نام سے زیادہ اور کوئی نام سب و شتم ' لعنت و ملامت کا مورد نہیں بنایا جاتا - ایک ایرانی کو " کذاب " ' " متفنی " اور " قزاق " کہو تو

ممکن ھے کہ وہ /نہیں برداشت کر لے ' لیکن اگر تم اُسے یزید ' شمر ' یا ابن زیاد کہو تو وہ فوراً آپے سے باہر ھو جاے گا - ایک ایرانی شاعر کو کسی نے یزید پر لعنت بھیجنے کے سلسلے میں برا بھلا کہا تھا ' تو اس نے جواب دیا اگر خدا یزید کو معاف کر سکتا ھے ' تو یقیناً وہ اس پر لعنت بھیجنے والوں کی خطا سے بھی در گزر کر سکتا ھے "۔ " حافظ " پر محض اس وجہ سے کہ اس کے دیوان کی پہلی غزل یزید کے حسب ذیل شعر کے دوسرے مصرے سے شروع ھوتی ھے ' بہت کچھ لعن طعن کی گئی ھے - یزید کا شعر یہ ھے :-

انا المسموم ما عندی بتریاقٍ ولا راقی
ادر کاساً و ناولہا ' الا یا ایہا الساقی

' اھلی شیرازی ' ' لسان الغیب ' کی معذرت میں کہتا ھے :-

" ایک رات میں نے استاد حافظ کو خواب میں دیکھا - میں نے پوچھا " اے یکتاے روزگار و یگانۂ علوم ' تونے باوصف اپنی خوبیوں اور شہرتوں کے ' یزید کے اس مصرعہ کو کیوں لیا ' - حافظ نے جواب دیا ' تو اس معاملہ کو نہیں سمجھتا ھے - کافر کا مال مسلم کے لئے مباح ھے "

لیکن اس معذرت سے بھی کام نہیں چلا ' چنانچہ " کتابی نیھا پوری " نے اس کا جواب دیا ھے " مجھے استاد حافظ پر بہت تعجب ھے ' عقل اس کے سمجھنے قاصر ھے

ہے ' اس نے یزید کے مصرع میں کیا خوبی دیکھی کہ اپنے دیوان میں پہلے اس کو رکھا - اس میں شک نہیں کہ مومن کے لئے کافر کا مال حلال ہے ' اور اس میں کسی کو اختلاف رائے کا محل نہیں ہے ' لیکن شیر کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ کتے کے منہ سے نوالہ چھین لے " —

یزید کی سیرت

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ یورپی مورخین میں سے بعضوں نے یزید کی حمایت کی ہے — یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مسلمہ فیصلوں کی تردید میں اتنا لطف آتا ہے کہ یہ اس سے باز نہیں رہ سکتے - اس میں شک نہیں کہ یزید کی شخصیت ہرگز نفرت انگیز نہیں ہے - وہ ایک بدوی * ماں کا بیٹا تھا - صحرا کی آزاد فضا میں اس نے پرورش پائی تھی - ماہر اور شوقین شکاری تھا ' بلند پایہ شاعر ' بہادر عاشق ' شراب ' موسیقی اور سیر و شکار کا شوقین تھا - مذہب سے اسے کچھ زیادہ سروکار نہ تھا - ممکن تھا کہ ہم اس کی وجاہت † اس کے دلفریب اشعار ‡ ' اس کی شاہانہ صفات ' اور اس کے مسرت آمیز نظریۂ حیات سے متاثر ہوکر اس کے متعلق

---

* میور خلافت صفحہ ۳۱۶

† الفخری صفحہ ۹۷ — ۱۲ — مصنف

‡ الفخری نے اس کے بعض بہت دلفریب اشعار نقل کئے ہیں (اہلوارڈت اڈیشن صفحہ ۱۳۷ — صفحہ ۱۳۸) ۱۲ مصنف

فیصلہ بدل دیتے ' لیکن واقعۂ کربلا کی یاد اس کے دامن پر ایک ایسا سیاہ دھبا ہے جو دھوے نہ دھویا جا سکے گا ۔ الفخری لکھتا ہے " صحیح تر بیانات کے بموجب اس کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی ۔ پہلے سال میں اس نے حسین (رض) فرزند علی " (علیہما السلام و الصلواۃ) کو قتل کیا ۔ دوسرے سال مدینہ کو تاراج کیا اور تین دن تک غارت گری کی ' اور تیسرے سال کعبہ پر چڑھائی کی "

سانحۂ کربلا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ م

ان تین سیاہ کاریوں میں سے پہلی (واقعۂ کربلا) ایسی تھی جس کی وجہ سے ساری اسلامی دنیا میں نفرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی ۔ جس شخص میں ذرا بھی احساس ہے وہ اس درد ناک واقعے کو بغیر متاثر ہوے نہیں پڑھ سکتا ۔ یہ نہ صرف ایک جرم تھا ' بلکہ ایک بہت بڑی اور فاش غلطی تھی ' جس کی وجہ سے یزید اور اس کے قابل نفرت چیلوں ابن زیاد ' شمر وغیرہم نے اپنی حرکتوں کی وجہ سے تمام دنیاے اسلام میں محبان رسول اور حامیان دین مبین کے دلوں سے خاندان معاویہ کی طرف سے ہمدردی کے جذبات یک لخت فنا کر دیے ۔ ہم نے " ہمدردی " کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا ' کہ رعایا کے دلوں میں بنو امیہ کی طرف سے دوسرے جذبات مثلاً محبت یا وفاداری کا تو پہلے سے ہی کہیں نام نہ تھا ۔ جیسا کہ ہم پہلے

گئے آئے ہیں، اس وقت تک شیعیان علی (رض) کا جوش اور جذبۂ وفا شعاری بہت پھیکا تھا۔ لیکن اس سانحہ کے بعد سے بالکل کایا پلٹ گئی۔ اور کربلا کی خون آلودہ زمین کی یاد سے، جہاں نبیء کریم کا نواسا اس حالت میں شہید ہوا کہ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے، اور زمین پر گرد و پیش اعزا و اقربا کے بے جان لاشے پھیلے پڑے تھے، آج بھی سرد مزاج سے سرد مزاج اور لا ابالی سے لا ابالی شخص کے دل میں انتہائی گہرے اور شدید غم و اندوہ کے جذبات بر انگیختہ ہو جاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا روحانی علوہ پیدا ہوجاتا ہے جس کے سامنے تکلیف، خطرات اور موت کا خیال بھی ہیچ ہوجاتا ہے۔ ہر سال عاشورۂ محرم کو ایران، ہندوستان، ترکی، مصر غرض کہ جہاں کہیں بھی شیعہ آبادی ہے اس سانحہ فاجعۂ کی تمثیل دکھائی جاتی ہے، اور کون شخص ایسا ہے، خواہ وہ کسی غیر مذہب ہی کا کیوں نہ ہو، جو یہ کہہ سکے کہ جب میں نے ان "تعزیوں" کو دیکھا تو میرے دل میں ان ماتم گساروں کے جذبات کا مطلق احساس نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی نہیں!۔ اِس وقت کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، یہ پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ نوحہ و زاری کی آوازیں، فرط رقت سے سسکیاں بھرنے والے مجمع، سفید لباس جو اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے زخموں کے خون سے سرخ

ہوگیا ہے، غم و ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو کر ہجوم خلائق کی بے خودی اور وارفتگی - یہ سب باتیں میری چشم تخیل کے روبرو اس وقت موجود ہیں - الفخری لکھتا ہے *

"یہ ایک سانحہ فاجعہ ہے کہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرسکتا - میں اس کو نہ صرف بہت "دردناک" بلکہ دہشت انگیز بھی خیال کرتا ہوں - حق یہ ہے کہ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے زیادہ شرم ناک حادثہ اسلام میں اور نہیں ہوسکتا - قسم ہے اپنی جان کی کہ (علی) امیرالمومنین کا قتل ابتلائے عظیم تھا، لیکن اس سانحہ میں قتل، اسیروں کی پابجولانی اور شرم ناک سلوک کی ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ آدمیوں کے رونگٹے دہشت سے کھڑے ہوجاتے ہیں - میں نے اس کی تفصیل دینے سے اس وجہ سے بھی احتراز کیا ہے کہ یہ واقعہ بہت معروف بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ معروف ترین سانحات ہے - لعنت ہو خدا کی ہر اس شخص پر جس کا اس میں کچھ بھی دخل تھا یا جس نے اس کا حکم دیا، یا جس کو اس کے کسی جز سے بھی کسی طرح کی خوشی ہوی - خدا ایسے لوگوں کی کسی توبہ یا کسی کفارہ کو قبول نہ کرے - خدا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے جن کے افعال سے دنیا میں نقصانات عظیم ہوتے ہیں، اور جن کی مساعی اس حیات دنیوی میں بھی ناکام رہتی ہیں حالانکہ

---

* صفحہ ۱۳۸ الخ - ۱۲ - مصنف

وہ اس خواب غفلت میں پڑے ہوے ہیں کہ ہم خوش ہیں "

سر ولیم میور لکھتے ہیں " سانحہ کربلانے نہ صرف خلافت کی قسمت کا ، بلکہ جو اسلامی حکومتیں خلافت کے مٹ جانے کے بہت عرصہ بعد بھی قائم ہوئیں ان کی قسمتوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔ جس شخص نے بھی سال بہ سال محرم کے زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں کو غم کے انتہائی جذبات میں گرفتار ، ساری ساری رات جاگتے ، سینہ کوبی کرتے ، اور حسرت بھری آواز میں " حسن حسین ، حسن حسین " کا ماتم کرتے ہوے دیکھا ہے ، وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کربلا کی بنا ڈالکر بنو امیہ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کیسی شمشیر دو دم دیدی تھی "

زبیر اور مختار کی بغاوتیں عبداللہ ابن زبیر کی بغاوت جو ۹ سال تک (سنہ ۶۸۳ ع - سنہ ۶۹۲ ع) ذک خود مختار خلیفہ کی حیثیت سے بلاد مقدسہ پر قابض رہے ، نیز مختار کی زبردست بغاوت (سنہ ۶۸۳ ع - سنہ ۶۸۷ ع) ان دونوں کی کامیابی کی وجہ تھی کہ حسین رض اور ان کے اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لینے کا جذبہ عوام میں پیدا ہوگیا تھا ، اور نہ صرف پوری شیعہ جماعت ، بلکہ اکثر خوارج ؁ بھی اس جذبے سے متاثر ہوچکے تھے - سنہ ۶۸۲ ع میں یزید نے مدینہ میں جو لوٹ مار کی ، اس میں ۸۰ صحابی ، اور کم از کم سات سو قاری ،

---

* میور (تاریخ خلافت صفحہ ۳۳۲) ۱۲ - مصنف

جو حافظ بھی تھے ' شہید ہوئے - ان لوگوں کا خون ' نیز حرم مکہ کی بے حرمتی پکار پکار کر ان مظالم کی داد چاہ رہی تھی - بالآخر سنہ ۶۸۶ ع میں مختار نے کربلا کا پورا پورا انتقام لے لیا ' اور ابن زیاد ' شمر ' عمر ابن سعید اور کئی سو دوسرے ادنیٰ درجے کے افراد جنھوں نے اس سانحہ میں کچھ بھی حصہ لیا تھا ' سخت ترین ایذائیں دیکر قتل کئے گئے - لیکن اس واقعہ کے ایک سال کے اندر ھی اندر خود مختار اور اس کے سات یا آٹھ ہزار ساتھی ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ھاتھوں مارے گئے - دنیائے اسلام میں جو نفاق و شقاق عام طور پر پیدا ھو گیا تھا ' اس کی ایک عجیب و غریب مثال یہ ھے کہ جون سنہ ۶۸۸ ع میں اموی خلیفہ عبدالملک ' محمد ابن علی رض (المعروف به ابن الحنیفہ ' ابن زبیر ' اور نجدہ خارجی - ان چاروں نے الگ الگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حج مکہ کی صدارت کی تھی !

مختار نے جس تحریک کی بنا ڈالی تھی ' وہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ھیں ' لازماً شیعی تحریک تھی - سارے ملک میں حسین رض اور ان کے اھل بیت کے خون کا انتقام لینے کی صدائیں بلند ھورھی تھیں ، اور ابن الحنفیہ * کے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رھا تھا -

---

* ملاحظہ ھو الیعقوبی (اڈیشن ھوتسما - جلد دوم صفحہ ۳۰۸) ۱۲۰ مصنف

مختار کی بغاوت کی خصوصیات

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ تحریک بعد کی شیعہ تحریکات سے مختلف تھی، یعنی اس میں منصب خلافت کے لئے اس کی قید نہ تھی کہ خلیفہ حضرت فاطمہ کے بطن سے (جو حسین اور اور حسن کی والدہ تھیں لیکن ابن الحنفیہ کی نہ تھیں) براہ راست اولاد رسول میں سے ہو، یا ایران کے شاہی ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ دہرا استحقاق ہمیں سب سے پہلے حسین کے فرزند علی الملقب بہ سجاد میں نظر آتا ہے جنہیں عام طور پر زین العابدین بھی کہا جاتا ہے اور جن کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یزد گرد آخری تاجدار ایران کی دختر تھیں* اثنا عشری اور سبعیہ نے جن میں بعد میں چلکر شیعہ جماعت منقسم ہو گئی تھی، اور جو دونوں یکساں طور پر حق ولایت پر زور

---

* ملاحظہ ہو جلد ہذا کا صفحہ ۲۱۷ نیز الیعقوبی کی لاجواب تاریخ (اڈیشن ہوتسما صفحہ ۲۹۳ و صفحہ ۳۶۳ بقول اس مورخ کے جس کی وفات نویں صدی عیسوی میں ہوئی:- ان (حضرت سجاد) کی والدہ حرار دختر یزد گرد شاہ ایران تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ عمر ابن الخطاب (رض) نے یزد گرد کی بیٹیوں کو قید کیا تھا جن میں سے ایک حسین (رض) بن علی (کرم) کے عقد میں دی گئیں جنہوں نے ان کا نام "غزال" رکھا۔ اور جب علی ابن حسین (رض) (جو انہیں ایرانی شاہزادی کے بطن سے تھے) کا ذکر آتا تھا تو شریف سے شریف خاندان کے لوگ پکار اٹھے "سب انسانوں کے لئے باعث فخر ہو اگر ان کی مائیں (ایسی) کنیزیں ہوں۔"

ھوتے تھے ' انھی حضرت سجاد (رض) [امام زین العابدین] ھی کو مستحق خلافت سمجھا - جیسا کہ ھمیں پہلے سے معلوم ھے ' مختار کے ساتھیوں میں غیر عربی سوالی (واحد مولی جمع موالی) کی ایک بہت بڑی تعداد تھی ' جن میں سے اکثر غالباً ایرانی النسل تھے - اس کی آٹھ ھزار فوج میں سے جس نے ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ھاتھوں شکست کھائی تقریباً صرف دسواں حصہ (یعنی ۷۰۰) عرب تھا - جن اسباب کی وجہ سے یہ غیر ملکی مسلمان مختار کی فوجوں میں شریک ھوے ' ان کی تحقیق فان فلوٹن (Von Vloten) اپنی لاجواب تصنیف Reser ches Sir la domination Arabe etc) عربی فتوحات کی تحقیق " میں کمال احتیاط کے ساتھ کی ھے اور ذیل کے فقرات میں ہم نے زیادہ تر اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ھے —

---

* میور " خلافت - صفحہ ۳۳۶ " یہ مورخ لکھتا ھے " یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ھے کہ اس دور میں عربوں کی زندگیوں کو خاص طور پر قیمتی سمجھا جاتا تھا ' مثلاً ایک تجویز یہ کی گئی تھی کہ عرب اسیران جنگ کو رھا کرد یا جاے اور غیر ملکی " موالی " کو مار ڈالا جاے " لیکن کسی قدر رد و قدح کے بعد سب تہ تیغ کئے گئے ' دیلاووی نے صفحہ (۲۹۶) بھی کہا ھے کہ مختار کے پیرووں میں بہت سے ایرانی تھے —۲ امصنف

عبدالملک کی حکومت سنہ ۶۸۵ء - سنہ ۷۰۵ء

بنو امیہ کی حکومت عبدالملک کے عہد سلطنت (۶۸۵ء - سنہ ۷۰۵ء) میں اپنے انتہائی نقطہ عروج پر پہنچی اور یہی زمانہ عربوں کی دنیاوی قوت و شوکت کے انتہائی اوج کا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اسی زمانے میں پہلی مرتبہ عربی سکّے استعمال ہوئے، سرکاری دفاتر فارسی زبان کی بجائے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عرب کے قدیم شریف خاندانوں کا اقتدار بڑھا۔ غیر ملکی "موالی" محقر اور مقہور بنے، اور دین دار مسلمانوں خصوصاً انصار مدینہ کے جذبات اور احساسات کو بے دردی کے ساتھ پامال کیا گیا۔ عبدالملک کا قابل لیکن خون آشام نائب حجاج ابن یوسف (جس کا نام بھی یزید ابن زیاد اور شمر کے ناموں کی طرح مردود نام ہے) جس پر عبدالملک کی نظر عنایت محض اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے مکہ پر گولہ باری کرنے اور ابن زبیر کی بغاوت کو فرو کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی * ۲۲ سال (سنہ ۶۹۱ء - سنہ ۷۱۳ء) تک اپنی قسی القلبی اور خونخواری کی وجہ سے دنیائے اسلام کے حق میں لعنت عظیم بنا رہا۔ مقتولین جنگ کے علاوہ صرف ایسے لوگوں کی تعداد جو اس کے حکم سے بے دردی سے قتل کئے گئے ایک لاکھ

---

* الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۲۰۳۱۸ مصنف ـ

بیس هزار بتائی جاتی ہے - خود اس نے کوفہ میں رعایا کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے ' وہ اس کی خون آشام طبیعت کی سچی تصویریں ہیں " - واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نظریں مجھ پر جمی ہوئی ہیں ' گردنیں آگے کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور سر کاٹے جانے کے لئے تیار ہیں ' اور میں یہ سب کچھ کرنے کا اہل ہوں * "

اسی طرح سے عبدالملک کی سیرت کی جھلک دیکھنا ہو تو اس کے وہ الفاظ سنو جو اس نے اپنے منصب خلافت پر فائز کئے جانے کی خبر سن کر کہے تھے † کہتے ہیں کہ جب قاصد یہ خبر لیکر آیا تو وہ تلاوت قرآن کر رہا تھا - اس خبر کو سنتے ہی اس نے کتاب بند کردی اور کہا " هذاالفرق بینی و بینکم " - سیاسی مصالح کے اقتضا سے اسے مقدس مقامات یا تقدس مآب انسانوں کے برباد کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا تھا ' اور اس کے شامی اس کے ہر حکم کو بجالاتے تھے ' بقول الیعقوبی کے ‡ " احترام مذہبی اور وفاداری کے جذبات میں تصادم ہوا ' اور وفاداری غالب آئی " --

---

* ملاحظہ ہو مسعودی کی مروج الذہب (اڈیشن بی ڈ ' مے نار ڈ جلد پنجم صفحہ ۲۹۳ - صفحہ ۳۰۰ --

† (الفخری اڈیشن اہلوارڈٹ) صفحہ ۱۴۹ = صفحہ ۱۷۳ - ۱۲ - مصنف --

‡ جلد دو صفحہ ۳۰۰ --

بنو امیہ کی حکومت کے متعلق ڈوزی کی رائے

ڈوزی لکھتا ہے *

غرض کہ اسلام کی مخالف جماعت کو اس وقت تک چین نہ پڑا جب تک کہ انہوں نے دونوں مقدس شہروں کو زیر و زبر نہ کرلیا - مکہ کی مسجد کو اصطبل بنایا گیا ' کعبہ میں آگ لگائی گئی اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے تھے ان کی اولاد کی ہر طرح سے ذلت کی گئی عربی قبائل نے جنہوں نے ایک قلیل جماعت سے شکست کھاکر اسلام قبول کیا تھا ' اب اس موقع پر اس سے خوب کسر نکالی - غرض کہ بنو امیہ کا پورا عہد حکومت سوائے کفر و الحاد کے رد عمل اور غلبہ کے اور کچھہ نہیں کہا جاسکتا - خود خلفائے بنو امیہ بھی (بجز ایک استثناء کے) یا مذہب کی طرف سے بے پروا تھے ' یا کافر تھے ' ان میں سے ایک ' ولید ثانی (سنہ ۷۴۳ ع - سنہ ۷۴۴ ع) تو نماز جماعت میں اپنی جگہ اپنی داشتہ عورتوں سے امامت کراتا تھا ' اور قرآن کو اپنی تیر افگنی کی مشق کے

* L' Islamisme (Chauoni styaul) ص ۱۲ مصنف

لئے ھدف بنا تا تھا † "

بنو امیہ کی پالیسی نے چار جماعتوں کو ان کی طرف سے بددل کردیا

عام طور پر ، بنو امیہ کی پالیسی کی وجہ سے ان کی رعایا کی حسب ذیل چار جماعتیں ان سے بالکل بد دل ہوگئیں

(۱) دیندار مسلمان

۱۔ دیندار مسلمان ، جو اپنے حکمرانوں کے اعمال سئیہ ، بے دینی کی زندگی ، اسلام کی اھانت اور دنیا پرستی کو نفرت اور دھشت سے دیکھتے تھے - ان میں تمام اصحاب وانصار اور ان کی اولاد شامل تھی - ابن زبیر کی بغاوت کو زیادہ تر اسی عنصر کی وجہ سے تقویت پہونچی —

۲ - شیعہ

۲۔ شیعیان علی ، جنھوں نے خاندان امیہ کے ھاتھوں نا قابل تلافی مصائب برداشت کئے تھے ، خصوصاً کربلا کا سانحہ فاجعہ جس کا ذکر ھم اوپر کرچکے ھیں - یہ جماعت ، مختار کی بغاوت کا رکن اعظم تھی —

---

† ملاحظہ ھو الفخری صفحہ ۱۵۹ جہاں ولید کے وہ دو اشعار نقل کئے گئے ھیں جو اس نے اس نسخۂ قران کو مخاطب کرکے لکھے تھے ۱۲ مصنف

۳ - خوارج | ۳ - خوارج ' جنہوں نے ہر قسم کے شورہ پشتوں اور لٹیروں کی مدد سے سنہ۷۰۰ ء تک اموی حکومت کو سخت پریشان کیا *

۴ - محکوم اقوام | ۴ موالی ' یا غیر عرب مسلمان ' جنھیں عربوں کے ساتھ مساوات کا درجہ دینا تو کجا ' ان کے حکمرانوں نے اپنے مظالم اور استحصال ناجائز کا شکار بنائے رکھا ' اور ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا -

اموی سلطنت کے زوال کے اسباب | فان فلوتن (van vloten) کی قابل تعریف تحقیق کو اپنا نمونہ قرار دیکر ہم بھی اپنی بحث کی ابتدا اسی آخر الذکر طبقہ سے کریں گے - یہ فاضل مصنف بنوامیہ کے زوال اور عباسیوں کے عروج کے حسب ذیل تین اسباب قرار دیتا ہے :-

(۱) محکوم نسل کے اپنے ظالم حکمرانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات -

(۲) شیعہ تحریک یعنی اہل بیت اطہار کی حمایت -

(*) برونو کی رائے ہے کہ شبیب بن یزید الشیبانی کی وفات کے ساتھ زیادہ پریشان کن بغاوتیں ختم ہوگئیں تھیں -

(۳) ایک نجات دهندہ ' مسیح موعود کے ظہور کی اُمید —

شمالی اور جنوبی عرب کے قبائل کی آپس کی رقابت کو، (جس کے شعلے ان دور دراز شہروں تک بھی پہنچ گئے تھے: جہاں یہ قبائل جا کر آباد ہوے تھے ' اور جس کی یاد، کو نصر ابن سیار نے اپنے اشعار میں ' جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا غیر فانی بنا دیا ہے) بعض لوگوں نے زوال بنو امیہ کا سبب قرار دیا ہے ' لیکن فان فلوتن (Van Vloten)؛ کا خیال ہے کہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے لہذا اس کی حیثیت اس نے ثانوی رکھی ہے —

محکوم نسلوں کی حالت زار محکوم اور مفتوح نسلوں کی حالت - جس میں نہ صرف نو مسلم بلکہ یہودی ' عیسائی اور مجوسی بھی شریک تھے - جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ' بنو امیہ کے زمانے سے پہلے اگر بہت زیادہ اچھی نہیں تھی ' تو کم از کم قابل برداشت ضرور تھی - * لیکن بنو امیہ کے عہد میں جو شدید نسلی تعصبات میں گرفتار تھے اور بزور و قوت اپنی شہنشاہیت قائم کرنا چاہتے تھے ' قدیم زمانے کی تباهی جنگوں اور جہاد کی بجاے صرف لوٹ مار کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے حملے اور

---

* فان فلوتن صفحہ ۳ ' نیز صفحہ ۱۴ صفحہ ۱۵ — ۱۲ - مصنف —

لڑائیاں ہونے لگیں ۔ لیکن حکمرانوں کی روز افزوں عیش پسندی اور اسراف کے لئے جب یہ ذریعہ بھی کافی نہ ہوا ، تو محکوم اقوام پر روز بروز ٹیکس کا بوجھ زیادہ پڑنے لگا ، اور اب اسلام قبول کرنا بھی کم از کم مالی حیثیت سے ان کے لئے کچھ زیادہ منفعت بخش نہ رہا ۔ والیوں اور ان کے عملے میں غبن اور قغلب اور تصرف کی عادتیں روز بروز بڑھنے لگیں اور وہ اس کی کوشش کرنے لگے کہ اپنے زمانۂ تقرر میں جس طرح بھی ہو سکے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں ۔ غبن کی یہ وارداتیں اس قدر کثرت اور شدت سے ہونے لگیں کہ ہر جانشین والی اپنے پیش رو سے بذریعہ استخراج ہضم کیا ہوا مال اگلوانے لگا ، اور استخراج کی اس کارروائی کا حق اور اختیار دمشق کی مرکزی حکومت سے بعوض زر نقد خریدا جانے لگا ۔ ان ظالم والیوں سے اس طرح سے جو رقمیں اگلوائی گئیں ان کی مقدار بعض وقت بہت زیادہ ہوتی تھی ، مثلاً کہتے ہیں کہ یوسف ابن عمر نے اپنے پیش رو خالد القصری (والی عراق) اور اُس کے چیلوں سے کم سے کم ۷ کروڑ درہم [تقریباً ۲۸ لاکھ پونڈ = ۳ کرور ۷۸ لاکھ روپیہ] وصول کئے ۔ اس قسم کے تمام استحصال ناجائز کا بوجھ آخر چلکر غریب زراعت پیشہ لوگوں کی گردن پر پڑتا تھا ، جن کو دادرسی کا بھی کوئی موقع نہ دیا جاتا تھا ، اور ٹیکس وصول کرنے کے سلسلے میں جو جو فاقیں برداشت کرنی

ہوتی تھیں وہ مزید براں تھیں * قدیم ایرانی عمائدین اور مالکان اراضی (دھقان) تو اسلام قبول کر کے اور اپنی قسمت فاتحین کے ساتھہ وابستہ کرکے اپنے قدیم اقتدار اور ثروت کو کسی قدر بحال رکھہ سکتے تھے' اس لئے کہ فاتحین کے لئے ان کی خدمات بے انتہا ضروری تھیں اور مقامی حالات اور اثرات سے ان کی واقفیت ان کے لئے ناگزیر تھی لیکن ادنی تر طبقوں کو پھلنے کا موقع بھی نہ تھا' اور بقول فان فلوتن کے "عربوں کی حرص و آز اور ان کا نسلی غرور یہ دو اتل موانع تھے جس سے ان (ادنی طبقات) کی حالت کی بہتری دشوار ہو گئی تھی۔" موالیوں کو تو عرب اپنے سے پست بلکہ غلاموں سے کچھہ ہی بہتر سمجھتے تھے۔ مورخ طبری مختار کی بغاوت کے ذکر کے سلسلے میں (جس کے حامی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں زیادہ تر غیر عرب مسلمان یعنی "موالی" تھے) لکھتا ہے "کوفی عربوں کے لئے اگر کوئی بات انتہائی ناگوار اور اشتعال دینے والی تھی تو یہ کہ مختار موالی کو بھی مال غنیمت کا حصہ دیتا تھا۔ وہ خفا ہو کر اس سے کہتے تھے تم نے ہم سے ہمارے موالی کو چھین لیا ہے' جو خدا کی طرف سے اس تمام صوبے کے ساتھہ ہمارے حصے میں آئے تھے۔ ہم نے تو انھیں اس لئے آزاد کرایا تھا کہ خدا اس سے خوش

* فان فلوتن صفحہ ۹ ‐ ۱۱ ‐ ۱۲ ‐ مصنف

ھو کو ھمیں نعمتوں سے سرفراز فرمائے کا لیکن تم کو اس کا مطلق احساس ھی نہیں ھوتا اور تم انہیں ھمارے مال غنیمت کا حصہ دار بناتے ھو" *

ظالم اور خدا نا ترس حجاج ابن یوسف کے زمانے میں نو مسلموں پر بھی کافروں کی طرح جزیہ عائد کیا گیا تھا ' حالانکہ انہیں اس سے مستثنیٰ ھونا چاھئے تھا - ان کی بد دلی اور بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ بڑی تعداد میں عبد الرحمن ابن اشعث کی بغاوت میں شریک ھوگئے ' لیکن سخت کشت و خون کے بعد اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور موالی کو ان کے مواضعات کی طرف بھگا دیا اور ھر شخص کے ھاتھ پر اس کے موضع کا نام گرم لوھے سے داغا گیا † فان کریمر کہتا ھے کہ حجاج کی اس کارروائی سے موالی اور نو مسلموں کی رھی سہی امید کہ وہ فاتح نسل کی مساوات کا دعویٰ کرسکیں گے ' ٹوٹ گئی ' ان کی بددلی اور ناراضی بڑھتی گئی ' اور آخر میں سلطنت امیہ کے زوال کا ایک نہایت اھم سبب بنی —

عمر ابن عبد العزیز

بقول ڈوزی ‡ " تمام خلفائے اُمیہ میں صرف عمر ثانی (سنہ ۷۱۷ - ۷۲۰ ع)

---

* فان فلوٹن صفحہ ۱۶ — ۱۲ — مصنف —

† ایضاً صفحہ ۲۶ ۔ صفحہ ۲۷ — ۱۲ مصنف

‡ l' isiamisme[channi 'sLraus Latin] PP 180 — lsr

ھی اصل معنوں میں مومن اور عبادت گزار بادشاہ ہوا ھے —

" مالی فائدے کی غرض کبھی اس پر غالب نہ آئی ' اور اس نے ھمیشہ دین کی اشاعت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنا یا ۔ چونکہ اس کے اصول سابقہ حکمرانوں کے اصول سے اس قدر مختلف تھے ' اس لیے اس کے ماتحت عہدہ داروں کے لئے خود کو ان کے مطابق بنانا کسی قدر دشوار ثابت ہوا ۔ ایک عہدہ دار نے خلیفہ کو لکھا " اگر مصر میں چندے یہی حالت رھی جو اب ھے تو اس میں شک نہیں کہ ایک ایک عیسائی مسلمان ھوجائے گا ' لیکن سلطنت کی ساری آمدنی غائب ھوجائے گی " عمر نے اس کے جواب میں لکھا " میں اسے بہترین نعمت الہی سمجھوں گا کہ سارے عیسائی مسلمان ھوجائیں خداوند کریم نے حضرت رسالت مآب کو اشاعت دین کے لئے مبعوث فرمایا تھا نہ کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے " اسی طرح سے والی خراسان نے شکایت کی تھی کہ اس ولایت کے اکثر ایرانی صرف جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ھوگئے ھیں حالانکہ وہ اب تک مختون نہیں ہوے ھیں "

اس کے جواب میں بھی عمر نے لکھا
خدا وند کریم نے محمد کو اس لئے بھیجا
تھا کہ وہ لوگوں کو دین مبین کی تلقین
کریں، نہ اس لئے کہ انھیں مختون بنائیں۔
غرض کہ احکام شریعت کی تعمیر میں وہ
شدت کو بالکل دخل نہ دیتا تھا۔ وہ جانتا
تھا کہ اکثر نو مسلم اپنی نیتوں میں سچے
نہیں ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھے
ہوا تھا کہ اگر ان کی اولاد اور ان کے پوتوں
پر پوتوں کی پرورش بحیثیت مسلمان کی گئی
تو وہی آگے چل کر عربوں کے برابر، بلکہ
شاید ان سے بہتر مومن بن جائیں گے "

عمر ثانی کی سیرت اور اس کے عہد حکومت کے اثرات

خاندان اُمیہ کے دوسرے بے دین ظالم اور خود پرست حکمرانوں کے مقابلے میں عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت خاص طور پر درخشاں اور شریفانہ نظر آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی حکومت کی بنیاد مفاد دینوی کی بجائے حصول فلاح آخروی پر تھی اور اس کا اثر مالیہ پر بڑا پڑا، اس کے طریقے، جو اس کے مشہور هم نام عمر ابن الخطاب رض کے طریقوں کا ہو بہو چربہ تھے، بہت پرانی وضع

* ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۲۲ - صفحہ ۲۳ - ۱۲ - مصنف

کی بلکہ اکثر صورتوں میں تو بالکل رجعتی تھی اور اس وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکتی تھی ' اور اس کے عدل اور قیام امن و امان سے محکوم اقوام کے دلوں میں امید کی جو چنگاری پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی حرکات سے بالکل بجھ گئی ' اور اس چیز نے عرب شاہنشاہیت اور اقتدار کے خلاف رعایا کے جذبات کو اور زیادہ مشتعل کردیا غرض کہ دنیاوی نقطہ نگاہ سے دیکھو تو کہہ سکتے ہو کہ عمر ثانی نے اپنے ہاتوں اپنے خاندان اور نسل کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی ' لیکن مذہبی حیثیت سے نظر ڈالو تو تم کو ماننا پڑے گا کہ اس کی ایک ایک کارروائی بالکل ویسی تھی جیسی پکے مومن اور مسلم کی ہونی چاہئے - مساجد میں علی (ع) پر تبرا بازی کی جو رسم اب تک چلی آرہی تھی اسے روک کر اس نے تمام خدا ترس اور دیندار مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کی ' اور شاید کسی قدر شیعہ جماعت کی برہمی کو بھی کم کیا - کثیر شاعر * نے اس کے اس حکم کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں جن کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے —

تو مسند نشین ہوا ' اور تو نے نہ علی (رض) پر
تبرا بازی کی ' نہ بے گناہوں پر دہشت طاری
کی ' نہ بدکرداروں کے مشوروں پر کان دھرے -
تونے جو کہا ' اپنے عمل سے اس کی تصدیق

* ملاحظہ ہو الفخری (ایڈیشن اہوارڈ) صفحہ ۱۵۴ – صفحہ ۱۵۵

کی اور ہر مسلمان کا دل اطمینان
سے لبریز ہوگیا —

پہلی صدی ہجری کا اختتام اور عباسی تبلیغ کی ابتدا

عمر ابن عبدالعزیز کی وفات پر پہلی صدی ہجری کا خاتمہ ہوا — محکوم اقوام کو اپنی روز افزوں بد دلی کی وجہ سے عام طور پر یہ یقین ہو چلا تھا کہ صدی کے ختم ہوتے ہی کوئی انقلاب عظیم ضرور رونما ہوگا — دینوری لکھتا ہے '—

اس سال (سنہ ۱۰۱ ھ مطابق سنہ ۷۱۹ – ۷۲۰ء) شیعوں نے امام محمد بن علی بن عبداللہ ' بن عباس بن عبدالمطلب ' بن ہاشم * کی خدمت میں جو سر زمین شام میں بمقام 'حمیمہ سکونت پزیر تھے ' اپنے وفد روانہ کئے — سب سے پہلے جو شیعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ میسرہ العبدی ' ابو عکرمہ سراج ' محمد بن خنیس اور حیان عطار تھے — یہ سب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا — انھوں نے کہا " اپنے ہاتھ دیجئے تاکہ ہم ان پر بیعت کریں اور آپ کے لئے یہ بادشاہی حاصل کرنے کی کوشش کریں شاید آپ ہی کے طفیل

---

* ملاحظہ ہو شجرہ صفحہ ۲۱۴ —

میں خداوند کریم انصاف کو زندہ اور ظلم
و بے رحمی کا خاتمہ کردے - اس کام کا
وقت اور موقع بھی یہی ہے، جس کی
اطلاع ہمیں آپ لوگوں میں سے سب سے
بڑے عالموں سے مل چکی ہے -" محمد بن
علی نے جواب دیا " بے شک جس چیز کی
ہمیں امید اور آرزو ہے اس کا موقع اور
وقت یہی ہے اس لئے کہ ایک صدی ختم
ہو چکی ہے - تحقیق کہ جب کسی قوم پر
پورے سو سال گذر لیتے ہیں، تو خداوند
کریم ان لوگوں کا حق پر ہونا ظاہر کر دیتا
ہے جو حق کے لئے لڑتے ہیں اور جرم و خطا
کے معاونین کے عجب و غرور کو خاک میں
ملا دیتا ہے کیونکہ خدائے عز و جل فرماتا ہے -
" یا اس کی طرح جو ایک قریہ کے پاس سے
گذرا، اس وقت جب کہ وہ ویران تھا، اور
اس کی چوتیں سرنگوں تھیں اور کہا اس
نے " خدا اس کو فنا کے بعد دوبارہ کیونکر
زندہ کرے گا، اور خدا نے اسے ایک سال تک
مرا ہوا رکھا اور پھر اسے جلا یا، پس اے
شخص جا، اور لوگوں کو احتیاط کے ساتھ اور

---

* قرآن ۲ : ۲۶۱

راز میں طلب کرو اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تیرا مقصد
پورا کرے اور تیرے مدعا کے ثمرات ظاہر
کرے، علی اور سوائے خدا کے کسی دوسرے
میں قدرت نہیں ہے"

یہ تھا عباسیوں کی "دعوت" کا آغاز، جس نے
خاموشی کے ساتھ، لیکن یقینی طور پر رعایا کے ان
بے شمار بد دل افراد سے کام لیا جو پہلے ہی سے بکثرت
موجود تھے، امیہ کی قوت کی بنیادیں تو کھوکھلی کر دیں
اور ۳۰ سال کے اندر اندر ان کے خاندان کی گرتی ہوئی
عمارت کو بالکل ہی زمین کے برابر کر دیا۔ اس تبلیغ
و دعوت کے داعی سب کے سب قابل اور مستعد اشخاص تھے،
جو اگر ایک طرف یہ احتیاط کرتے تھے کہ قبل از وقت
بغاوت نہ پھوٹ پڑے تو دوسری طرف اپنے مقصد کے لئے
اپنی جانیں تک دینے کے لئے تیار تھے۔ ان لوگوں نے خصوصاً
اس بے چینی اور بد دلی کے مواد سے بہت فائدہ اٹھایا
جو خراسان کے ایرانی صوبے میں اندر ہی اندر پک رہا
تھا، جہاں بقول دینوری کے (صفحہ ۳۳۵) :—

دینوری کی عبارت کی نقل

انہوں نے لوگوں کو دعوت دی
کہ محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت
کریں، اور امیہ کی بد اعمالیوں اور مظالم سنا
سنا کر انہیں ان کی حکومت سے بیزار کر دیا۔
خراسان کے اکثر حصہ آبادی نے انکی صدا پر

لبیک کہا ' لیکن ان کی بعض کارروائیوں کا شہرہ ہوگیا اور وہ سعید * (بن عبدالعزیز بن الحکم بن ابولعاص) والی خراسان کے کانوں تک پہنچیں۔ پس اس نے انہیں طلب کیا اور کہا "تم لوگ کون ہو" انہوں نے جواب دیا "تاجر"۔ پھر اس نے کہا "کہ تم لوگوں کے متعلق یہ کیا اطلاعیں آج کل میرے کانوں تک آرہی ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ عباسی خاندان کے داعی ہو۔" انہوں نے جواب دیا ' "یا امیر ہمیں اپنے مفاد کا خود خیال ہے ' اور ہم اپنے کاروبار میں خود اس قدر مصروف ہیں کہ ہم ان باتوں میں نہیں پڑ سکتے۔" پس اس نے انہیں چلا جانے دیا ' اور وہ اس کے سامنے سے رخصت ہو گئے ' اور مرو سے روانہ ہو کر خراسان کے صوبے اور اس کے دیہاتوں میں تاجروں کے بھیس میں دورہ کرنے لگے ' اور لوگوں کو امام محمد بن علی کی طرف سے دعوت بیعت دینے لگے۔ انہوں نے دو سال تک یہی کیا پھر وہ شام میں امام محمد بن علی کے پاس

---

* یہ اپنے زنانے پن کی وجہ سے خزینہ کہلاتا تھا میور ' تاریخ خلافت صفحہ ۳۸۴۔ صفحہ ۳۸۶۔ ۲:۱۔ مصنف

واپس گئے اور انہیں مطلع کیا کہ ہم نے خراسان میں ایک ایسا بیج بویا ہے جو ہمیں امید ہے کہ مناسب وقت پر پھل پھول دیے گا ' اور انہیں معلوم ہوا کہ ان کو خدا نے ایک فرزند بھی دیا ہے

ابوالعباس کی ولادت

جس کا نام ابوالعباس * ہے جس کو انہوں نے ان لوگوں کے سامنے منگوایا اور ان سے کہا " یہ تمہارا آقا ہے " اور انہوں نے اس کے ہاتھہ پانو کو بوسہ دیا " —

عباسی دعوؤں کی تائید ایرانیوں کی طرف سے

مظلوم اور مقہور ایرانیوں کی تائید کا داعیوں کو خاص طور پر یقین تھا ' کیونکہ وہ ایک عقلمند اور لائق قوم تھی اور قدیم شاندار روایتوں کی حامل تھی اور اب ایک ایسی قوم کے ہاتھوں جو بجز ذاتی شجاعت اور حب آزادی کے اور ہر حیثیت سے ان سے ادنی درجے کی تھی ' ان کی حقارت اور ذلت ہوتی تھی - مختار اور اس کا سپہ سالار ابن الاشتر ایرانیوں کے جوہر کا پہلے ہی ثبوت دے چکے تھے ' اس لئے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں ان کی فوجیں زیادہ تر ایرانی سپاہیوں ہی پر

---

* یہ بعد کو السفاح (خونریز) کے لقب سے مشہور ہوا اور خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ تھا - ۱۲ مصنف —

مشتمل تھیں * —

مختار اور ابن الاشتر نے ایرانیوں کی جوہر شناسی کی	جب ' فرات ' اور ' عمیر ' نے جو اس شامی فوج کے افسر تھے جو خلیفہ عبدالملک نے مختار کے

خلاف بھیجی تھی ' ابن الاشتر سے اس کے کیمپ میں ملاقات کی ' تو انھوں نے شکایت کی کہ جس وقت سے ہم لوگ تمھاری فرودگاہ میں داخل ہوے ہیں اس وقت سے اب تک کہ ہم تمھارے سامنے آئے ہیں ہم نے ایک لفظ عربی کا نہیں سنا ' اور پھر اس سے پوچھا کہ ایک ایسی فوج کے ساتھ تم شام کے منتخب عساکر کا مقابلہ کرنے کا خواب کیونکر دیکھ سکتے ہو "

ابن الاشتر نے جواب دیا " واللہ ' اگر میرے حلیفوں میں صرف چیونٹیاں بھی ہوں ' تو میں ان کے ساتھ بھی شامیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہوں ' چہ جائیکہ موجودہ صورت میں ' اس لئے کہ جن لوگوں کو تم میرے ہمراہ دیکھتے ہو ان سے زیادہ باریک بین قوم اور کوئی دوسری نہیں ہے اور یہ ایرانی امرا و اعیان کی اولادیں ہیں "

مختار نے بھی ایرانی الاصل لوگوں کو ترقیاں دیں ' اور انھیں اور ان کی اولادوں کو تحائف دئے ' انھیں ممتاز

* ملاحظہ ہو دینوری صفحہ ۳۰۰ تا صفحہ ۳۰۲ ' نیز صفحہ ۳۰۹ ' صفحہ ۳۱۰ ' ۳۱۵ ' ۱۲ - مصنف —

عہدوں پر سرفراز کیا ، اور عربوں سے پہلو تہی کی ، اور انہیں دورھی دور رکھا اور مایوس کیا - اس پر وہ بہت برھم ہوے اور ان کے اکابر جمع ہوکر اس کے پاس آے اور اسے برا بھلا کہا - لیکن اس نے جواب دیا " خدا تم لوگوں سے الگ ہوجاے - میں نے تمھاری عزت کی اور تم نے ناک بھوں چڑھائی میں نے تمہیں حکومت و اختیار دئے اور تم نے ملک کے محاصل کو غارت کردیا بر خلاف اس کے ، یہ ایرانی تم سے زیادہ میرے مطیع ھیں اور میرے احکام کو تمھاری بہ نسبت زیادہ وفاداری اور مستعدی سے بجا لاتے ھیں —

لیکن ابھی ایک جماعت ایسی اور تھی جس کی مدد کی عباسی دعوت کے لئے ضرورت تھی - یعنی شیعہ - اگرچہ حقوق اہل بیت اظہار کے متعلق ان کے عقائد تقریبا مشترک تھے لیکن اس بارے میں اختلاف تھا کہ اہل بیت میں سے خلافت کا زیادہ مستحق کون تھا - عام طور پر یہ کہہ سکتے ھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت (وفات) کے بعد ان میں دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جن میں سے ایک نے ان کے برادر رضاعی محمد ابن الحنیفہ کی تائید کی ، اور دوسری نے ان کے فرزند علی الموسوم بہ امام زین العابدین علیہ السلام کی —

ہاشمیہ ابن الحنیفہ کی وفات کے بعد اول الذکر جماعت نے ان کے فرزند ابو ھاشم کے ھاتھ پر بیعت کی ، اور اسی وجہ سے ھاشمیہ کہلاے ، بقول فان فلوٹن

کے * یہ ابو ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے منتظم طور پر دعوت کا کام کیا اور شیعیوں میں حضرات ائمہ کی طرف سے احترام کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے انہیں قوی تر بنایا، اور ان باطنی عقائد کو زیادہ مضبوط بنایا، جن کا حل امام ہی کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ان ابو ہاشم کا انتقال سنہ ۹۸ ھ (سنہ ۷۱۶ ع - سنہ ۷۱۷ ع) میں ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اموی خلیفہ سلیمان نے انھیں زہر دیا † اور انہوں نے محمد ابن علی، خاندان بنو عباس کے سردار کو اپنی امامت تفویض کی اس کے بعد سے ہاشمیہ اور ان کی دعوت عباسیوں کے لئے ہونے لگی —

امامیہ

شیعوں کی دوسری جماعت یعنی امامیہ عباسی دعوت کی اتنی زیادہ معین نہ تھی، اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ امام کو اولاد علی و فاطمہ میں سے ہونا چاہئے چنانچہ ان کے امام حضرت زین العابدین خلف حضرت حسین تھے، جن کا انتقال سنہ ۹۹ ھ یا سنہ ۱۰۰ ھ (سنہ ۷۱۸ ع) میں ہوا ‡ اس جماعت کو اعانت حاصل کرنے کے لئے عباسیوں کی دعوت ہاشم کے نام سے کی گئی، جو عباسیوں اور علویوں دونوں کے مشترکہ طور پر صورت اعلیٰ

---

* Recherehes Sur la Dominatio.n Arabe (تحقیق در باب تسلط عرب) صفحہ ۳۴ - صفحہ ۳۵ ۱۲ مصنف

† (مرتبہ ہوتسما) جلد دوم صفحہ ۳۵۶ - ۱۲ مصنف

‡ الیعقوبی صفحہ ۳۶۳ ۱۲ مصنف

۲۶

تھے ' اور جب کامیابی ہوگئی اس وقت علویوں کی آنکھیں کھلیں ' اور انہیں یہ دیکھکر سخت مایوسی ہوئی کہ ان کی جانفشانیوں سے صرف عباسیوں ہی نے فائدہ اٹھایا اور علوی اس سے محروم رہے —

غرض کہ خاموشی کے ساتھہ ' لیکن تیزی سے ' دعوت کا کام ہو تارہا - کبھی کبھی سلطنت داعیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیتی تھی ' جیسا کہ ابو عکرمہ اور حیان کے ساتھہ ہوا لیکن فوراً ہی ان کی جگہ پانچ داعی خراسان روانہ کئے گئے اور انہیں کمال حزم و احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت کی گئی اور منع کر دیا گیا کہ جب تک رازداری کا حلف نہ اٹھوالیں اس وقت تک کسی پر اپنا بھید ظاہر نہ کریں * ہشام کے عہد حکومت میں جب کہ خالد عراق کا والی تھا خوارج اور شیعیوں نے کئی عجیب و غریب اور سخت شورشیں کیں جن کے سرغنہ اکثر صورتوں میں زندہ جلا دئے گئے † برخلاف اس کے خراسان میں خلیفہ نے ان لوگوں کے ساتھہ مصلحت نرمی برتی اگرچہ اس کا والی برابر اسے ہوشیار کرتا رہتا تھا ‡ خراسان میں عباسی دعوت کی منتظم اور نگران ۱۲ نقیبوں کی ایک مجلس تھی جس کے نیچے ۷۰ ماتحت سرداروں کی ایک مجلس

* الیعقوبی صفحہ ۲۹۳ ۱۲ — مصنف

† ویکوری صفحہ ۳۳۶ — صفحہ ۱۲ — مصنف

‡ میسور — صفحہ ۳۹۱ — صفحہ ۳۹۲ ۱۲ مصنف

شورش بھی تھی (*) کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ کوئی داعی منتظمین کی نگرانی کے باوجود آپے سے باہر ہو کر غلاۃ کے شدید ترین عقائد کی برملا تبلیغ کرنے لگتا تھا ، جیسا کہ الخداش نے کیا ، جو سنہ ۷۳۶ ع میں قتل کیا گیا ۔ اس شخص کے ، نیز راوندیوں اور خرمیوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہم ناظرین کو فان فلوتن کی محققانہ تصنیف (صفحہ ۴۷ ۔ صفحہ ۵۱) اور اپنی اس کتاب کے باب (۹) کے پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔

محمد بن علی کی وفات

تقریباً سنہ ۷۴۳ ع میں محمد بن علی عباس کا انتقال ہو گیا انھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراھیم کو اور ان کے بعد دوسرے بیٹوں ابوالعباس اور ابو جعفر کو نامزد کیا ۔ ان میں سے ابراھیم کو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے تقریباً سنہ ۷۴۷ ع ۔ سنہ ۷۴۸ ع میں قتل کر دیا اور بقیہ دو بہت دنوں تک زندہ رہے اور عباسی دعوت اور خلافت عباسیہ کے سلسلے میں زمانہ دراز تک جو جانفشانیاں کی گئی تھیں اس کے اثرات سے بہرہ اندوز ہوے ۔

تقریباً اسی زمانے میں وہ عجیب و غریب شخص عرصہ

ابو مسلم

شہود پر آیا جسے دنیا ابو مسلم کے نام سے جانتی ہے اور جس نے سب سے زیادہ امیہ کے قلع قمع

---

* دینوری † ۔ صفحہ ۳۳۸ ۔ ۱۲ ۔ مصنف

‡ فان فلوتن ۔ ۴۷ ۔ ۱۲ ۔ مصنف

اور عباسیہ کی فتح میں حصہ لیا تھا اور آخر انہیں لوگوں کے حسد کا شکار ہوا جو اس کے بہت زیر بار احسان تھے ۔

اس زمانے کے ہر واقعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب فیصلہ کی آخری گھڑی قریب آن پہونچی ہے - مروان ثانی جسے میدان جنگ میں برابر جمے ہوئے رہنے کی وجہ سے "الحمار" کی کنیت دی گئی تھی ، سنہ ۷۴۵ ء میں تخت پر بیٹھا ، اور لوگوں کو یہ پیشین‌گوئی یاد آگئی کہ "الحمار میں ان کی نجات ہو گی اور عین ابن عین ابن عین (عبداللہ بن علی بن عبداللہ یعنی ابو العباس جو بعد کو السفاح کے نام سے مشہور ہوا) میم ابن میم ابن میم (مروان ، ابن محمد ابن مروان آخری اموی خلیفہ) کو مار ڈالے گا (*) اس قسم کی منحوس پیشین گوئیاں عام طور پر مشہور تھیں اور لوگ انہیں شوق سے سنتے اور قبول کرتے تھے ، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی پراسرار کتابوں ، ملاحم وغیرہ کو وہ محکوم اقوام بہت شوق سے پڑھتی تھیں جو مدت دراز سے ظلم سہتی رہی تھیں اور جنہیں اس کا یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی نجات کا دن قریب آگیا ہے اور مسیح موعود کا ظہور قریب آگیا ہے جس کی وجہ سے قسیاوت کے دور دورہ کے بعد انصاف و عدل کا دور دورہ شروع

(*) ملاحظہ ہو فان فلوتن صفحہ ۵۷ - ۱۲ - مصنف

هوگا - اس آنے والے طوفان کے آثار اور علامتوں سے اگر کوئی بے خبر اور غافل تھا تو خلیفہ مروان اور اس کے اهل دربار حالانکہ مروان کو اس کے مشرق کے سرداروں اور عاملوں کی طرف سے متعدد اطلاعیں پہونچ چکی تھیں ' خصوصاً خراسان کا گورنر نصر ابن سیار اس کو متنبہ کر چکا تھا کہ ۲ لاکھ آدمی ابو مسلم کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے هیں ' اپنے اس خط کے خاتمہ پر نصر ابن سیار نے عربی اشعار لکھے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے (†) —

نصر بن سیار نے بنو امیہ کو متنبہ کیا

خاکستر میں مجھے آگ کی چمک نظر آتی ہے '
اس کے بھڑک اٹھنے میں بس ذرا هی سی کسر ہے —
اور اگر اکابر قوم نے اسے نہ بجھایا تو لاشیں
اور کھوپڑیاں اس آگ کا ایندھن بنیں گی —
تحقیق آگ دو لکڑیوں سے نکلتی ہے اور تحقیق
کہ الفاظ لڑائی کا پیش خیمہ ہوتے هیں —
اور میں تعجب سے پکار اٹھتا ہوں " کاش
مجھے اس کا علم ہوجاتا کہ بنوامیہ جاگ رہے
هیں یا سو رہے هیں " —

(†) ملاحظہ ہو الفخری صفحہ ۱۷۰ ' دینوری صفحہ ۳۵۶ ' الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۴۰۸ ' نولد کی Delectus carminum Arabicorum صفحہ ۸۷ = صفحہ ۸۸ = ۱۲ مصنف —

اس نے عرب فوج کو بھی جو قبیلوں کی لڑائیوں کی وجہ سے پراگندہ ہوگئی تھی اور آنیوالے خطرے کی طرف سے بالکل غافل تھی حسب ذیل اشعار لکھے تھے (*) —

مرو کے رہنے اور اس کے بھائیوں (†) کے
رہنے والوں سے کہدوکہ غضب ناک ہوکر اٹھہ کھڑے
ہوں قبل اس کے کہ غضب بے سود ہوجاے —

اورجنگ شروع‌کردیں ' اس لئے کہ تحقیق رعایا
نے ایک ایسی جنگ شروع کی ہے جس کے دامن
پر جنگل جل اٹھے ہیں —

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم آپس میں لڑتے
جھگڑتے ہو گویا کہ تم میں کوئی سمجھہ دار
شخص باقی ہی نہیں رہا —

اور ایک ایسے دشمن کی طرف سے غافل ہو
جو ابھی سے تم پر چھایا ہوا ہے ' یعنی ایک
مختلف العناصر انبوہ جس میں نہ کوئی مذہب
ہے اور نہ شرافت —

وہ ہمارے عرب نہیں ہیں جن کو ہم
جانتے ہوں ' نہ مہذب موالی ہیں اگر ان کا
شجرہ بیان کیا جاے —

وہ ایسی قوم ہے جس کا عقیدہ ایسا ہے کہ

(*) نولدکی - صفحہ ۸۸ ، ۱۲۰ - مصنف —

(†) یعنی خراسان کے دوسرے شہر —

جس کے متعلق میں نے آنحضرت صلعم سے ایک
لفظ بھی نہیں سنا تھا ' اور جس کا مصحف
سماوی میں کوی ذکر نہیں آیا ہے —
اور اگر کوئی مجھ سے ان کے مذہب کی اصل
پوچھے تو تحقیق کہ ان کا مذہب صرف یہی
ہے کہ عربوں کو مارڈالا جاے

لیکن یہ اور اس قسم کی دوسری تنبیہیں بے اثر ثابت ہوئیں * خراسان میں بے امنی اور بغاوت کے شعلے

عباسیوں نے سیاہ علم بلند کیا - ۹ - جون سنہ ۷۴۷ ع

ہر طرف بھڑک رہے تھے اور جب ابو مسلم نے یہ اطمینان کرلیا کہ اب مواد بالکل تیار ہے تو اس نے مرو کے پاس قصبہ سفیدنج میں ۹ جون سنہ ۷۴۷ ع کو معنی عباسیہ کا سیاہ علم بلند کیا† اس علم پر قرآن کی حسب ذیل معنی خیز آیات منقش تھیں " ہتھیار اتھانے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس

---

* مثلاً حارث بن عبداللہ الجعدی اور اموی شہزادے عباس بن الولید کے وہ یاسیہ اشعار ملاحظہ ہوں جو فان فلوٹن (صفحہ ۶۲ صفحہ ۶۳) اور دینوری (صفحہ ۳۵۸ - صفحہ ۳۵۹) نے نقل کئے ہیں ۱۲ مصنف —

† عباسیوں کے سیاہ علم اور سیاہ لباس کی (جس کی وجہ سے وہ المسودہ کہلاے) وجہ معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۶۳ - صفحہ ۶۵ اور اس کے حوالہ جات ۱۲ مصنف —

لئے کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے " اُذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علی نصرہم لقدیر ۱۷ پارہ - سورۃ حج پانچواں رکوع لیکن کچھ دنوں تک بغاوت کے شعلے خراسان کے انتہائی شمالی مغربی حصوں، مثلاً نسا، بیورد، ہرات مرورود اور آس پاس کے علاقوں سے آگے نہ پھیلے - نصر بن سیار نے خلیفہ سے جواستمداد کی تھی، اس کے جواب میں خلیفہ مروان نے لکھا ‡ —

تحقیق کہ وہ شخص جو موقع پر موجود ہے وہ دیکھ سکتا ہے جو ایک ایسا شخص جو موجود نہیں ہے نہیں دیکھ سکتا - پس تو اس بیماری کا علاج کر جو تم لوگوں کے درمیان پھیل گئی ہے —

نصر بن سیار کو اس وقت صرف ایک ہی عملی کارروائی مناسب نظر آئی، اور وہ یہ تھی کہ اس نے ابراہیم عباس کو پکڑ کر قید کردیا اور اسے زہر دلوادیا، جس پر اس کے دونوں بھائی ابوالعباس اور ابو جعفر اپنے خاندان والوں کو لیکر الحمیمہ سے (جو شام میں ان کا مسکن تھا) بھاگ کھڑے ہوئے اور کوفہ پہنچے جہاں ابو سلمہ اور دوسرے اکابر شیعہ نے انہیں پناہ دی اور ان کی خبرگیری کی — الفخری لکھتا ہے :-

---

‡ الفخری صفحہ ۱۷۰ - صفحہ ۱۷۱ —

اقتباس از الفخری

اس کے بعد ابو مسلم میں اور نصر بن سیار اور خراسان کے دیگر امرا میں لڑائیاں ہوئیں جن میں مسودہ کو یعنی ابومسلم کی فوجوں کو فتح ہوی - ان لوگوں کو مسودہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ انھوں نے بنو عباس کے لئے جو لباس تجویز کیا تھا وہ سیاہ رنگ کا تھا - اب ذرا خداوند تعالی جلشانہ کی قدرت کو دیکھو کہ جب وہ کچھہ کرنا چاھتا ھے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ھے ' اور جب اسکی مشیت ہوتی ھے تو کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی - پس جب کہ اس کا حکم ھو گیا کہ اب حکومت بنو عباس میں منتقل ھو تو اس نے ان کے لئے اس کے جملہ ذرائع فراھم کردئے - کیونکہ امام ابراھیم بن محمد بن عبداللہ بن العباس شام یا حجاز میں اپنے مصلے پر بیٹھے ھوے اپنے اذکار اور اشغال میں لگے ھوے تھے اور ان کے پاس کوئی زبردست دنیوی وسیلہ نہ تھا ' اور خراسان کے لوگ ان کی طرف سے لڑے ' اور ان کی خاطر اپنی جانیں اور مال خطرے میں ڈالا ' حالانکہ ان میں سے بہت سے انہیں جانتے تک نہ تھے اور ان کے نام ان کی شخصیت میں تمیز نہ

کرسکتے تھے ۰ نہ انھوں نے ان پر کوئی دولت
صرف کی نہ ان میں سے کسی کو گھوڑے
یا اسلحہ دئے ' بلکہ صحیح یہ ہے کہ خود
ان لوگوں نے امام موصوف کو دولت دی اور
ان کے لئے ہر سال ہدایا لاتے تھے - اور چونکہ
خدا وند تعالی کا حکم ہو چکا تھا کہ مروان ذلیل
ہو اور امیہ کی سلطنت پراگندہ ہو حالانکہ
مروان ' مسلم خلیفہ تھا اور اس کے پاس فوجیں
دولت اسلحہ اور دنیاوی ساز و سامان بہت
کچھ موجود تھا لیکن ہر طرف سے لوگ اس
سے منحرف ہو نے لگے اور اس کی قوت کمزور
پڑ تی گئی اور اس کے قیام میں تزلزل آگیا
اور وہ برابر تباہ ہو تا گیا یہاں تک کہ اس کو
شکست ہوی اور وہ مار ڈالا گیا —

مسودہ کا جوش و خروش اور ابو مسلم " ایک سنجیدہ
اور خشک مزاج آدمی جس کی نظر میں دنیا کی ساری
لذتیں ہیچ تھیں " — کے ساتھہ ان کی وفاداری
بے پایاں تھی اور ان کی اطاعت شعاری یہاں
تک بڑھی ہوی تھی کہ اگر دشمن ان کے قدموں کے نیچے
پڑا ہو ، تو بھی وہ بغیر اپنے سرداروں کے حکم کے نہ اس
کے لئے زرفدیہ قبول کرتے تھے اور نہ اسکو قتل کرتے
تھے ' برخلاف اس کے ' عربوں میں جوش و خروش ، حب

وطن اور وفاداری کی بہت کمی تھی" ہرشخص کو اپنے ذاتی فائدے کی یا کم سے کم اپنے قبیلے کےفائدے کی فکرتھی - بنی امیہ کے ساتھہ خلوص و عقیدت کا یہ قول یعقفای کے کسی کے دل میں نام و نشان بھی نہ تھا اور مراؤ کے میں تو سرا سر مشیخی عقائد رکھتے تھے تاہم ابومسلم نے بہت حزم و احتیاط اور غور و فکر کے ساتھہ کام کیا ' سات مہینے تک وہ اپنی فوجوں کو لئے ہوے مرو کے مضافات میں پڑا رہا اور کسی باقاعدہ جارحانہ کاروائی کی کوشش تک اس نے نہ کی ' لیکن جب اسے یمنی عربوں کی تائید اور حمایت کا یقین ہو گیا تو اس نے بالاخر خراسان کے دارالخلافت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا - اب البتہ شورش اور بغاوت ہر طرف سے پھوٹ پڑی —

ہرات ' بوشنج ، مرورود ' طالقان مرو '
نیشاپور ' سرخس ' بلخ ' صغانیان ' طخارستان یعنی
ختل کا ملک ' کش * اور نسف (نخشب) *
غرض کہ ہر طرف سے لوگ کثیر تعداد میں آ آ
کر ابو مسلم کی جمعیت میں شریک ہونے لگے
یہ سب کے سب سیاہ پوش تھے اور ان کے ہاتھوں
میں ڈنڈے تھے جو آدھے سیاہ رنگ کے تھے اور

---

* فان فلوتن صفحہ ۹۷ ' دینوری صفحہ ۳۶۰ (۱۲ - مصنف)

جنھیں یہ لوگ کا فرکوب کہتے تھے † وہ لوگ
گھوڑوں پر، گدھوں پر ' یا پا پیادہ برابر آتے
رہے ' وہ لوگ اپنے گدھوں کو آگے بڑھاتے تھے
تو کہتے تھے "ھر مروان" کیوں کہ مروان
ثانی کا نام الحمار پڑ گیا تھا - ان کی تعداد
ایک لاکھ کے قریب تھی —

اس وقت سے ابومسلم اور دوسرے عباسی سرداروں کی رفتار ترقی برابر جاری رہی تا آں کہ ابوالعباس عبداللہ السفاح (نیز الملقب بہ المہدی) خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہوا ' اور اس نے ۳۰ اکتوبر سنہ ۷۴۹ م کو خطبہ پڑھ کر ' جس کا ایسے موقعوں پر دستور ہے ' اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا - نصر ابن سیار "اکیلا وفادار آدمی جسے اس غداری اور خود غرضی کے زمانے میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے "بھاگ کھڑا ہوا اور نومبر سنہ ۷۴۸ ع میں بمقام ساوا قتل کر دیا گیا - قحطبہ نے اگست سنہ ۷۴۹ م میں کوفہ پر قبضہ کر لیا ' اس مہینے میں مروان کے بیٹے عبداللہ کو زاب صغیر کے کنارے ابوعون کے ھاتھوں شکست فاش نصیب ہوی - خود مروان کو ۲۵ جنوری سنہ ۷۵۰ ع میں دریائے زاب کے کنارے ایسی بڑی شکست ہوی کہ وہ پھر نہ

† یہ امر قابل غور ہے کہ دینوری نے کا فرکوب کی جگہ کافر کوبات لکھا ہے ' اگر چہ صحیح لفظ کافر بکسرہ ف ہے ' لیکن صحیح ایرانی تلفظ کا فر بفتح ف ہے چنانچہ قدیم سے قدیم زمانے کے فارسی اشعار میں بھی سر ' بر وغیرہ کا قافیہ کا فر آتا ہے

سنبھل سکا اور اس کے تین ساہ بعد امیہ کے دارالخلافت دمشق پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا ، اور بنو امیہ کا آخری خلیفہ مروان جو بھاگ کر مصر چلا گیا تھا اخر کو اس سال ۵ - اگست کو گرفتار اور قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ابو العباس کے پاس بھیج دیا گیا - دوسرے سال یعنی سنہ ۷۵۱ ع میں فلسطین بصرہ اور خود بلاد مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ میں خاندان امیہ کے افراد کا قتل عام کیا گیا جس میں اکثر سخت قساوت اور نفرت انگیز دغا بازی کا بھی اظہار کیا گیا - ایک شخص مسمی عبدالرحمن نے جو ہشام کا پوتا تھا کئی مرتبہ دشمنوں کے ہاتھوں سے بال بال بچ جانے کے بعد اخر اندلس کا راستہ اختیار کیا وہاں کے عربوں نے اس کا اچھی طرح استقبال کیا اور وہ وہیں رہ پڑا ، اور اخر کار قرطبہ کے اموی خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً تین صدی تک یعنی سنہ ۷۵۶ ع سے سنہ ۱۰۳۱ ع تک برسر اقتدار رہا - عباسیوں پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے دمشق میں خلفاے امویہ کے مقابر کی بے حرمتی کی اور ان کی لاشیں کھود ڈالیں * : لیکن جس صورت میں کہ ابھی حال ہی میں ایک انگریزی جنرل نے اس رسم کی تجدید کی ہے (۲) اور

---

* ملاحظہ ہو میور تاریخ خلافت صفحہ ۴۳۵ - صفحہ ۴۳۶

۱۲ - مصنف

† پروفیسر براؤن کا اشارہ لارڈ کچنر کی طرف ہے جس نے مہدی سوڈانی کی قبر کھودوا کر ان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی - ۱۲ مترجم

اس کے ابائی وطن میں سے ایک کثیر جماعت نے اگر علانیہ اس حرکت کی تعریف نہیں کی تو بڑی کم از کم اسے قابل در گزر ضرور سمجھا ہے ' ہمارے لئے عباسیوں پر زبان تشنیع دراز کرنا کچھہ زیادہ زیب نہیں دیتا

اکثر حامیاں انقلاب کی امیدیں غلط ثابت ہوئیں

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جب عباسیوں نے خون کی ندیاں بہاکر بالا خر خلافت پر قبضہ کر لیا اور مشرقی سلطنت اسلامی کے مالک کل بن بیٹھے اس وقت بھی انہوں نے دنیا کو عدل و انصاف سے نہیں بھرا ' چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے —

" کاش مروان کی اولاد پھر ہمارے پاس آجائے
اور خدا کرے آل عباس کا عدل جہنم میں جائے *

اکثر افراد کو ' جنھوں نے جان و مال سے انقلاب کی حمایت کی تھی جب یہ انقلاب کامیاب ہو گیا ' تو بہت مایوسی ہوئی - خصوصاً شیعیوں کو تو سخت دھوکا ہوا ' وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ " ہاشمیہ " سے جس کے نام سے دعوت دی گئی تھی ' مراد اہل بیت علی ہیں ' اور جب کچھہ کرنے دھرنے کا موقع باقی نہ رہا اس وقت ان کو محسوس ہوا کہ امید بھی اہل بیت رسول کے اتنے جانی دشمن نہ تھے جتنے کہ اب بنی عباس کے ہاشمیہ ثابت ہو رہے تھے - عباسیہ نے ان لوگوں کے ساتھہ بھی رعایت نہ کی جنہیں انہوں نے خود

---

* آغانی صفحہ ۱۹ صفحہ ۸۳ مقتبس از فان فلوتن صفحہ ۹۹ ۱۲ - مصنف —

اپنا آلہ کار بنا یا تھا ' سنہ ۷۴۹ ع - سنہ ۷۵۰ ع میں ابوسلمہ
دغا سے مارا گیا ' اور خود ابو مسلم
کا ' جس کے استقلال ' جوش ، اعلی

ابوسلمہ اور ابومسلم کو قتل کیا گیا

قابلیت ، اور جان توڑ کوششوں نے عباسیوں کو کامیاب
کیا تھا ' چار پانچ سال بعد (سنہ ۷۵۵ع) میں یہی حشر ہوا *
اس میں شک نہیں کہ ابومسلم بے نظیر قابلیت کا شخص
تھا ' لیکن اس کے با وجود ہمیں اس کے انجام بد پر افسوس
نہیں ہوتا اس لئے کہ خود اس کے قول کے مطابق جن
لوگوں کو اس نے جنگ کے علاوہ قتل کیا ' ان کی تعداد
ایک لاکھ تھی ' اور دوسروں نے اس کا اندازہ ۶ لاکھ کیا ہے †
لیکن اس نے اپنے پیرووں میں ' جس میں غیر مسلم بھی
شریک تھے ' اطاعت شعاری اور خدا کاری کا ایک غیر معمولی
جذبہ پیدا کردیا تھا ، بقول مورخ کے‡ " اس کے زمانے میں دھقانون

---

* اثناء عشریوں کا خیال ہے کہ ان کے جتنے ائمہ عباسیہ کے دور میں گزرے ' وہ سب کے سب ان خلفاء کے ہاتھوں خفیہ طور پر زہر دیکر ہلاک کئے گئے صرف امام مہدی بچ گئے جن کے متعلق اثناء عشریوں کا اعتقاد ہے کہ وہ آج تک شہر جابلقہ میں زندہ سلامت ہیں اور آخری وقتوں کے ابتداء میں دوبارہ ظاہر ہوں ۱۲ مصنف

† یعقوبی ' جلد دوم صفحہ ۴۳۹ ۱۲ مصنف —

‡ میور صفحہ ۴۳۶ الخ ۱۲ - مصنف —

ابو مسلم کا زبردست اثر | (یعنی ایران کے مالکان اراضی) نے مجوس مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا"

فان فلوتن خرمیوں، غلات شیعہ اور دوسرے، اہل دل، فرقوں کے ذکر کے سلسلے میں لکھتا ہے § —

اکثر تو صرف اس کو سچا اور واحد امام مانتے تھے، نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مجوس اس کو اوستدربامی یا اوستدرمہ مانتے تھے جو زرتشت کی اولاد میں سے ہے اور جس کے متعلق مجوسیوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ہادی امام مہدی کی طرح آخر میں ظاہر ہوگا - ان فرقوں کو ابومسلم کی موت کا یقین ہی نہ آتا تھا، وہ منتظر تھے کہ وہ آکر دنیا کو عدل و انصاف سے مالا مال کردے گا - دوسروں کا عقیدہ یہ تھا کہ اب امامت اس کی بیٹی فاطمہ میں منتقل ہو گئی ہے - ایک شخص مسمی اسحاق ترک $ ابومسلم کی موت کے بعد بھاگ کر ماوراءالنہر کی طرف جا نکلا وہ خود کو ابو مسلم

---

§ ابن ابی طاہر منقولہ فان فلوتن صفحہ ۶۷ اور حاشیہ ۳ ۱۲ مصنف
$ (حواشی) جیساکہ فہرست میں تصریح کردی گئی ہے

یہ شخص ترک اس وجہ سے کہلاتا تھا کہ وہ اپنا تبلیغی کام حدود ترکی میں کرتا تھا - ۱۲ - مصنف

Oshederbami or Oshederma

کا داعی کہتا تھا اور یہ کہتا پھرتا تھا کہ میرا
آقا شہر رے میں روپوش ہے - پھر اس نے دعویٰ
کیا کہ میں نبی ہوں ' اور زرتشت کا فرستادہ
ہوں جو ہنوز زندہ ہے "---

خرم دینیہ

خرمیوں ' یا خرم دینیہ کا تذکرہ جن کے خاص
عقائد وہی تھے جو مزدکیہ کے (ملاحظہ ہو
تصنیف ہذا کا صفحہ ۱۶۸ - صفحہ ۱۷۲) ہمیں ایک صدی
کے بعد تک بھی کچھ ملتا رہتا ہے ' اور ایران میں اس زمانے
میں جو چھوٹی یا بڑی بغاوتیں ہوئیں اور جن کے سرغنہ
نبوت کے بعض جھوٹے مدعی مثلاً سنباذ مجوسی (سنہ ۷۵۴ ع
سنہ ۷۵۵ ع) استاذسیس (سنہ ۷۶۶ ع — سنہ ۷۶۸ ع)
یوسف البرم اور المقنع (خراسان کا نقاب پوش نبی)
(سنہ ۷۷۷ - سنہ ۷۸۰) علی مزدک (سنہ ۸۳۳ ع) اور بابک
(سنہ ۸۱۶ - سنہ ۸۳۸ ع) تھے وغیرہم تھے --- وہ سب کے سب
اکثر ابو مسلم ہی کی یاد اور اسی کے سلسلے میں ہوئیں تھیں -

اسی انقلاب سے ' جس نے عباسیہ کو تخت سلطنت پر
بٹھایا ' اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہوا کہ
ایرانیوں کی حیثیت اور ان کا رتبہ بہت کچھ بڑھ گیا ' پہلے
وہ ایک حقیر اور محکوم قوم سمجھے جاتے تھے تو اب سلطنت
کے اعلیٰ ترین عہدے اور اعلیٰ ذمہ داری کی خدمتیں ان کے
سپرد ہونے لگیں - آل عباس کو جو فتح حاصل ہوئی وہ انہیں

کی تلواروں کے طفیل سے ہوئی ' یہی وجہ ہے کہ البیرونی عباسیہ کو " خراسانی ' مشرقی خاندان " کہتا ہے * اور اس قول میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قادسیہ اور نہاوند کا انتقام دریائے زاب کے کنارے لیا گیا - بنو امیہ کا زوال گویا خالص عربی دور کا خاتمہ تھا † —

---

* تاریخ ملل قدیمہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۱۹۷ - ۱۲ - مصنف

† ملاحظہ ہو وہ نظم جو فان کریمر نے اپنی Streifzuge میں نقل کی ہے ' اصل کے صفحہ ۶۹ - صفحہ ۷۰ اور ترجمہ (صفحہ ۳۱ - صفحہ ۳۲) اس نظم میں عربی شاعر نے بہت غم و غصہ کے ساتھہ اس کی شکایت کی ہے کہ ایرانی اور نبطی موالی جو پہلے اتنے عاجز اور دبے ہوے تھے اب بہت مغرور اور گستاخ ہوگئے ہیں - ۱۲ مصنف —